كُلَّمَا خَرَجَ قَرْنٌ قُطِعَ، حَتَّى يَخْرُجَ فِي عِرَاضِهِمُ الدَّجَّالُ
جب بھی ان کا کوئی گروہ پیدا ہوگا ختم کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ انہیں میں سے دجال نکلے گا

الجناية على الإسلام

في كتاب

أسئلة الثورة

تالیف:

د/ فہد بن سلیمان بن ابراھیم الفہید

مترجم:

د/ اجمل منظور المدنی

جلد دوم

مصنف نے آگے ص ۷٦ / پر کہا:

(اور اسی نتیجے میں فقہی موقف نے نظام حکمرانی کے مسئلے میں بہت سارے منصوص قواعد کو تجاوز کیا ہے جیسے کہ بیعت تراضی یعنی آپسی رضامندی سے کسی کی بیعت لینا، اسی طرح ظالمانہ طور پر نظام حکمرانی کو موروثی بنانا، انقلاب و بغاوت اور حکمرانی کو مخصوص سمجھنا، اسی طرح نظام قضاء کو سیاسی بنا دینا بلکہ دین ہی کو سیاسی بنا دینا، یہاں تک کہ بعض مورخین اور قاضیوں کو کفر و زندقہ اور بدعت سے متہم کر دیا گیا، جیسا کہ قاضی شریک اور ابن تیمیہ وغیرہ کے ساتھ کیا گیا)۔

تبصرہ:

مصنف نے یہاں پر ولی عہدی کو غیر معتبر ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے بایں طور کہ اسے موروثی نام دے دیا ہے، اس طرح مصنف نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر نقد کر ڈالا ہے کیونکہ دونوں نے اپنا ولی عہد نامزد کیا تھا جو کہ مسلمانوں کی مصلحت میں تھا، اور اس سے بعض اختلافات کی جڑ بھی کٹ جاتی ہے، اسی سے ناراض ہو کر مصنف نے اس نظام پر نقد کرتے ہوئے کہہ دیا: (اور اسی نتیجے میں فقہی موقف نے نظام حکمرانی کے مسئلے میں بہت سارے منصوص قواعد کو تجاوز کیا ہے جیسے کہ بیعت تراضی یعنی آپسی رضامندی سے کسی کی بیعت لینا)۔

ولی عہدی کے تعلق سے درج ذیل کلام سے جواب دیا جا سکتا ہے:

سنت مطہرہ کے اندر ولی عہدی کو معتبر مانا گیا ہے، اسکی بہت ساری مثالیں موجود ہیں جن سے استدلال کیا جا سکتا ہے، مثلاً:

غزوہ موتہ کے اندر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو سالار لشکر متعین کیا تھا، پھر انکا ولی

عہد جعفر کو بنایا تھا پھر انکا ولی عہد عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کو بنایا تھا، جوکہ ولی عہد نامزد کرنے کی واضح دلیل ہے، ابن بطال کہتے ہیں: اس حدیث سے واضح ہوا کہ جعفر اور عبد اللہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کیا تھا، جنہوں نے بڑھ کر جھنڈا اٹھایا تھا، اس سے ایک فقہ عظیم کا پتہ چلا کہ حاکم وقت کیلئے یہ جائز ہیکہ اپنے بعد کسی کو اپنا ولی عہد نامزد کردے، پھر یہ بھی کہہ سکتا ہیکہ اگر یہ مجھ سے پہلے فوت ہوجائے تو اسکے بعد فلاں شخص ولی عہد ہوگا، کوئی ایسا شخص جو ولی عہد کا مستحق ہو، چنانچہ اگر نامزد ولی عہد فوت ہوجائے تو دوسری نامزدگی ثابت رہے گی۔(شرح صحیح بخاری لابن بطال: ۵ / ۲۲۳)۔

ولی عہدی کی مشروعیت کیلئے سنت سے بھی بہت ساری دلیلیں ہیں، انہیں میں سے ایک یہ بھی ہیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد نماز میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین نامزد کیا، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ: " ادْعِي لِي أَبَا بَكْرٍ أَبَاكِ، وَأَخَاكِ، حَتَّى أَكْتُبَ كِتَابًا، فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَتَمَنَّى مُتَمَنٍّ، وَيَقُولُ قَائِلٌ أَنَا أَوْلَى، وَيَأْبَى اللَّهُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَّا أَبَا بَكْرٍ ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں فرمایا: "بلاتو اپنے باپ ابوبکر کو اپنے بھائی کو اور اپنے بھائی کو تاکہ میں ایک کتاب لکھ دوں، میں ڈرتا ہوں کوئی آرزو کرنے والا آرزو نہ کرے (خلافت کی) اور کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ میں خلافت کا زیادہ حقدار ہوں اور اللہ تعالیٰ انکار کرتا ہے اور مسلمان بھی انکار کرتے ہیں سوائے ابوبکر کے اور کسی کی خلافت سے۔" (صحیح مسلم: ۲۳۸۷)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ یہاں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کو جانشین بنا کر انہیں اپنے قول وفعل سے بہت سارے امور کی طرف رہنمائی کی ہے، اور اس جانشینی پر آپ نے خوشی کا اظہار بھی کیا اور اس پر تعریف بھی کی، بلکہ اسکے لئے تحریری شکل بھی دینے کا عزم کرلیا تھا لیکن جب آپ کو یقین ہو گیا کہ سب مسلمان ابو بکر پر راضی ہیں تو آپ نے تحریر کا ارادہ ترک کر دیا۔ (منہاج السنہ: ۱/ ۵۱۶)۔

اسی طرح ایک دلیل یہ بھی ہیکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ولی عہد مقرر کیا تھا جیسا کہ صحیحین میں وارد ہوا ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر حاکم کی وفات ہو جائے اور اس نے کسی صالح اور لائق انسان کو اپنا جانشین بنا رکھا ہو تو اسے امامت کبری حاصل ہو جائے گی، اس کی مخالفت بالکل جائز نہیں ہوگی، جیسا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا کہ اپنے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی عہد نامزد کیا تھا۔ (شرح السنہ: ۱۰/ ۸۱)۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے مزید کہا کہ علمائے امت کا اجماع ہے کہ ولی عہد نامزد کرنا سنت ہے، اور خلیفہ کی اطاعت واجب ہے، اس اجماع سے اختلاف صرف خوارج نے کیا ہے جنہوں نے جماعت کو ترک کر کے اطاعت کے جوئے کو گلے سے نکال پھینکا ہے۔ (مصر سابق: ۱۰/ ۸۴)۔

اسی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بعد ولی عہد نامزد کیا تھا اور اسکے لئے ایک شورائی کمیٹی کی تشکیل دی تھی۔

علامہ ماوردی نے کہا کہ ولی عہد نامزد کرنے کے جواز اور اس کی صحت پر امت کا اجماع ہے، اور مسلمانوں نے اس پر عمل بھی کیا اور اسے کبھی برا نہیں سمجھا درج ذیل دو امور کی بنیاد پر:

پہلا امر: سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی عہد

نامزد کیا اور مسلمانوں نے اسے تسلیم کیا۔

دوسرا امر: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اہل شوریٰ کو نامزد کیا اور ان لوگوں نے اسے قبول کیا، چنانچہ انہیں میں سے ایک کو چن لیا۔ (الاحکام السلطانیہ، ص ۱۱)۔

ابن حزم نے کہا کہ امامت کبریٰ کئی وجوہ سے حاصل ہو سکتی ہے مگر ان میں جو سب سے افضل اور بہتر ہے وہ یہ کہ حاکم وقت اپنی زندگی میں خواہ صحت کی حالت میں یا مرض الموت میں اپنا جانشین مقرر کر دے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جانشین مقرر کیا اور جیسا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی عہد نامزد کیا، اور جس طرح سلیمان بن عبد الملک نے اپنے بعد عمر بن عبد العزیز کو جانشین مقرر کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: (وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ) ترجمہ: اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا بے شک میں زمین میں ایک جانشین بنانے والا ہوں۔ انھوں نے کہا کیا تو اس میں اس کو بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور بہت سے خون بہائے گا اور ہم تیری تعریف کے ساتھ ہر عیب سے پاک ہونا بیان کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ فرمایا بے شک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ (البقرہ: ۳۰)۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ابن کثیر نے کہا کہ امامت یا تو قرآن و حدیث کے ظاہری لفظوں سے ملے گی جیسے کہ اہل سنت کی ایک جماعت کا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت خیال ہے کہ ان کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے لیے لیا تھا یا قرآن و حدیث سے اس کی جانب

اشارہ ہو۔ جیسے کہ اہل سنت ہی کی دوسری جماعت کا خلیفہ اول کی بابت یہ خیال ہے کہ اشارۃً ان کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے لیے کیا۔ یا ایک خلیفہ اپنے بعد دوسرے کو نامزد کر جائے جیسے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ یا وہ صالح لوگوں کی ایک کمیٹی بنا کر انتخاب کا کام ان کے سپرد کر جائے جیسے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا یا اہل حل وعقد [یعنی بااثر سرداران لشکر علماء وصلحاء وغیرہ] اس کی بیعت پر اجماع کر لیں یا ان میں سے کوئی اس کی بیعت کر لے تو جمہور کے نزدیک اس کا لازم پکڑنا واجب ہو جائے گا۔ امام الحرمین نے اس پر اجماع نقل کیا ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۲۴)۔

امام شنقیطی رحمہ اللہ نے کہا کہ امامت چند امور سے منعقد ہوتی ہے، انہیں میں ایک یہ بھی ہیکہ خلیفہ اپنے بعد کوئی ولی عہد نامزد کر دے، جیسا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حق میں کیا، اسی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خلافت کو چھ لوگوں میں محصور کر دیا کہ انہیں میں سے کسی کو منتخب کر لیا جائے۔

اس سے واضح ہوا کہ ولی عہد نامزد کرنا نبوی سنت ہے، یہ کوئی فارسی کسروی طریقہ نہیں ہے، اور نہ ہی رومی قیصری طریقہ ہے، اور جہاں تک نظام حکمرانی کے تعلق سے خوارج اور معتزلہ کے عقیدہ کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگ روم وفارس کی طرح بننا چاہتے ہو کہ جو اپنے ہر حاکم کو قتل کئے بغیر نہیں چھوڑتے تھے۔ (اضواء البیان للشنقیطی: ۱/ ۵۱)۔

امام غزالی نے کہا کہ اگر حاکم علم وورع کا حامل نہ ہو اور اسے ہٹانا بھی مشکل ہو تو ایسی صورت میں اسکی امامت منعقد مانی جائے گی۔ (قواعد العقائد: ص ۲۳۰)۔

امام شاطبی رحمہ اللہ نے غزالی کے قول کو نقل کر کے کہا کہ یہی قول امام مالک کا بھی ہے، پھر

اسکے بعد امام مالک کا قول نقل کیا ہے اور اسکے بعد کہا کہ اگر غیر مستحق کو چھوڑ کر مستحق کو منتخب کرنے میں فتنہ وفساد کا خوف ہو تو اسے ترک کر دیا جائے گا، پھر اسکے بعد آپ نے صحیح بخاری کی اس روایت کو نقل کیا ہے:

عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: لَمَّا خَلَعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ جَمَعَ ابْنُ عُمَرَ حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ:" يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ غَدْرًا أَعْظَمَ مِنْ أَنْ يُبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ الْقِتَالُ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ، وَلَا بَايَعَ فِي هَذَا الْأَمْرِ إِلَّا كَانَتِ الْفَيْصَلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ".

ترجمہ: نافع نے بیان کیا کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت سے انکار کیا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے خادموں اور لڑکوں کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر غدر کرنے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا اور ہم نے اس شخص (یزید) کی بیعت، اللہ اور اس کے رسول کے نام پر کی ہے اور میرے علم میں کوئی غدر اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ کسی شخص سے اللہ اور اس کے رسول کے نام پر بیعت کی جائے اور پھر اس سے جنگ کی جائے اور دیکھو مدینہ والو! تم میں سے جو کوئی یزید کی بیعت کو توڑے اور دوسرے کسی سے بیعت کرے تو مجھ میں اور اس میں کوئی تعلق نہیں رہا، میں اس سے الگ ہوں۔ (صحیح بخاری: ۷۱۱۱)۔

ابن الخیاط نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یزید کی بیعت کراہت کے ساتھ کی تھی کیونکہ آپ

جانتے تھے کہ بیعت نہ کرنے سے فتنہ وفساد کا خوف ہے۔(الاعتصام للشاطبی: ۲/ ۱۲۷)۔



مصنف نے آگے ص ۷۷ / پر کہا:

(اور جہاں تک انتخاب کے تیسرے طریقے کا تعلق ہے جو کہ ایک منظم طریقہ ہے جس میں مراقبہ اور محاسبہ کی صورت ہوتی ہے تو یہ اس وقت نہیں پایا جاتا تھا کچھ علاقائی اور تاریخی اسباب کی وجہ سے جو نظر ثانی کا محتاج ہیں)۔

تبصرہ:

میں کہتا ہوں کہ وہ زریں زمانہ جس کی تعریف اور مدح وستائش نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی وارد ہوئی ہے یعنی تابعی اور تبع تابعین کا زمانہ، اگر اس وقت مصنف کی نظر میں یہ محبوب صورت نہیں پائی جاتی تھی جس کا ہونا برحق ہے مصنف کی نظر میں، تو ایسی صورت میں یہی کہا جائے گا کہ اس حق سے امت اس وقت بھٹکی ہوئی تھی جسے مصنف نے ثابت کیا ہے، بلکہ مصنف نے گویا اپنی زبان سے یہ خود اقرار کرلیا کہ وہ جس بغاوت اور انقلاب کی دعوت دیتا ہے یہ سلف کے دور میں نہیں پایا جاتا تھا، گویا مصنف نے اسوہ اور نمونہ ان باغیوں کو بنایا ہے جو گاہے بگاہے مرور زمانہ کے ساتھ بغاوت کرتے رہے ہیں اور ہمیشہ انہیں ناکامی کا سامنا اٹھانا پڑا ہے اس طرح مصنف کا کوئی سلف نہیں سوائے ان باغیوں کے جو ہمیشہ ناکام رہے ہیں، اور یہ معلوم ہیکہ امت کبھی بھی گمراہی پر جمع نہیں ہوئی ہے، سلف کا جو طریقہ تھا وہی حق تھا نہ کہ مصنف کا بیان کردہ تیسرا طریقہ جو کہ ہمیشہ سے باغیوں اور خارجیوں کا طریقہ رہا ہے، اور جو کبھی قائم نہ ہوسکی۔



مصنف نے آگے ص ۷۷ / پر کہا:

مصنف نے آگے ص ۷۷ پر" اطاعت اورشوری" کے عنوان سے کہا: (ضروری ہیکہ ہم اس حق انتخاب پرگفتگو کریں جو ایسے شخص کیلئے ہو جس کی سمع وطاعت اسکی بیعت سے قبل بھی کی جاتی ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اس حق شورائیت پر بھی گفتگو کریں جو قومی تحفظ کا سبب ہے)۔

تبصرہ:

گویا مصنف کا مقصد یہ ہیکہ سمع وطاعت سے پہلے انتخاب حاکم پر گفتگو ہونی چاہیئے، جبکہ یہ نبوی منہج کے خلاف ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خواہ تمہارا حاکم کوئی غلام ہی کیوں نہ ہو۔

مصنف دراصل یہ کہنا چاہتا ہے کہ قوم جسے منتخب نہ کرے اس حاکم کی اطاعت نہیں ہے، اور یہاں جس شورائیت کی بات مصنف کر رہا ہے اس سے وہ شورائیت مراد ہے جو جمہوری طریقے پر ہوتی ہے، جسکی نمائندگی پوری قوم کرتی ہے، اور انکے نزدیک حاکم اسی قوم سے اقتدار حاصل کرتا ہے، وہ چاہیں تو اسے باقی رکھیں اور چاہیں ہٹا دیں!



مصنف نے آگے ص ۷۷/ پر کہا:

(اللہ نے فرمایا:" أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم " ترجمہ: اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اولو الامر کی بھی اطاعت کرو"۔ النساء: ۵۹، اس نص کے بعد ہمارے پاس اللہ کا یہ قول بھی ہے:" وشاورهم في الأمر " ترجمہ: اور معاملات میں ان سے مشورے لو۔ آل عمران: ۱۵۹")۔

تبصرہ:

مصنف اپنے اس طریقے کے ذریعے کتاب اللہ کے نصوص کو آپس میں گڈ مڈ کر کے پیش کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے متعارض نظر آئیں، اور گمراہ لوگوں کی یہی روش ہوتی ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ) ترجمہ: وہی ہے جس نے تجھ پر یہ کتاب اتاری، جس میں سے کچھ آیات محکم ہیں، وہی کتاب کی اصل ہیں اور کچھ دوسری کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں، پھر جن لوگوں کے دلوں میں تو کجی ہے وہ اس میں سے ان کی پیروی کرتے ہیں جو کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں، فتنے کی تلاش کے لیے اور ان کی اصل مراد کی تلاش کے لیے، حالانکہ ان کی اصل مراد نہیں جانتا مگر اللہ اور جو علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت قبول نہیں کرتے مگر جو عقلوں والے ہیں۔

(آل عمران:۷)۔

حالانکہ ضروری یہ تھا کہ نصوص کے درمیان تطبیق دی جاتی اور یہ واضح کیا جاتا کہ کتاب اللہ کے نصوص ایک دوسرے کی موافقت کرتے ہیں انکے درمیان تعارض اور ٹکراؤ نہیں ہے، چنانچہ اللہ کا قول:(أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم " اللہ کے اس قول: "وشاورهم فى الأمر" سے بالکل متعارض نہیں ہے، کیونکہ پہلی آیت حاکم کی اطاعت کے حق میں ہے جب کہ دوسری آیت مسلمانوں کے عام ذمہ داروں کے حق میں ہے۔



مصنف نے آگے ص ۸۳ / پر کہا:

(تیسرا: کیا انتخاب حاکم میں اصل کردار قوم کا ہوگا یا پھر اہل حل وعقد کا؟ معلوم رہے کہ "اہل حل وعقد" کی اصطلاح صراحت کے ساتھ نہ تو کتاب اللہ کے اندر وارد ہوئی ہے اور نہ ہی سنت رسول کے اندر، اور مجھے نہیں معلوم کہ اسے کسی صحابی نے استعمال کیا ہو، بلکہ یہ اصطلاح بعد میں فقہاء کی زبانی عام ہوا ہے، جس کا مطلب ہے کہ جو لوگ عقل ورائے اور اثر ورسوخ والے ہوں جنکے اندر تدبیر امور کی صلاحیت ہو۔ یہ ایسی ٹھوس اصطلاح ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مرور زمانہ کے ساتھ ہمیشہ ایک طبقہ ایسا رہا ہے جس کے ہاتھ میں ملک کے بڑے بڑے اہم مسائل میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، حالانکہ اس پر مراجعہ اور غور وفکر کی ضرورت ہے، کیونکہ اسکے اپنے تاریخی حالات وظروف تھے، اب اس وقت نظام زندگی یکسر مختلف ہو چکا ہے، سادہ اور آسان سے یہ زندگی پیچیدگیوں اور وسعتوں کی طرف نکل چکی ہے)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف اپنے جمہوری نظام کو شورائیت کے لفظ سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے، اسکے لئے مصنف اہل حل وعقد کی اصطلاح کو متہم کرنے اور اسے غیر اہم ثابت کر رہا ہے۔ اور یہ کہ یہ اصطلاح بہت بعد کی ایجاد ہے۔

اس کے جواب میں کہا جائے گا:

پہلی چیز:

اگر "اہل حل وعقد" کی اصطلاح کتاب وسنت کے اندر وارد نہیں ہوئی ہے تو کیا "بغاوت اور

انقلاب" نیز" آزادی" کی اصطلاح کتاب وسنت کے اندر وارد ہوئی ہے جن کا دفاع مصنف کر رہا ہے؟

دوسری چیز:

ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا) ترجمہ: اور جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول کی طرف اور اپنے حکم دینے والوں کی طرف لوٹاتے تو وہ لوگ اسے ضرور جان لیتے جو ان میں سے اس کا اصل مطلب نکالتے ہیں، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو بہت تھوڑے لوگوں کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔(النساء: ۸۳)۔

اسی آیت کے ضمن میں یہ اثر مروی ہے کہ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ امیر المومنین! موسم حج کے اندر ہر طرح کے لوگ جمع ہوتے ہیں، میری رائے ہیکہ تھوڑا انتظار کر کے پھر مدینہ پہونچیں، کیوں کہ وہ دار الہجرہ، دار السنہ اور دار السلامہ ہے، اور تا کہ آپ کے ساتھ سمجھ بوجھ رکھنے والے شرفاء اور عقل و دانش والے ہی رہیں۔

اس اثر سے پتہ چلا کہ عام لوگوں سے دور رہنے اور خاص لوگوں کو قریب رکھنے کا مشورہ دیا گیا ہے جب کہ مصنف کے نزدیک جمہوری نظام کے مطابق حق رائے دہی میں سب کو برابر کا حق ہے۔

تیسری چیز:

ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ

رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ)

ترجمہ: اور جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول کی طرف اور اپنے حکم دینے والوں کی طرف لوٹاتے تو وہ لوگ اسے ضرور جان لیتے جو ان میں سے اس کا اصل مطلب نکالتے ہیں۔(النساء: ۸۳)۔

یہاں پر بھی سنگین امور کو اہل علم اور اہل دانش کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے نہ کہ جمہور کی طرف۔

اسی طرح سقیفہ بنی ساعدہ میں جن لوگوں نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا تھا وہاں جمہور نہیں ہے کہ خاص لوگ تھے۔

اہل حل وعقد کیلئے یہ سب دلیلیں ہیں کتاب وسنت اور عمل صحابہ سے۔

امام رملی شافعی کہتے ہیں کہ بیعت میں اصل اعتبار اہل حل وعقد کا ہوگا ہے جن میں علماء، روساءاور معتبر عمائدین شہر شامل ہوتے ہیں، اسکے لئے جمہور کو مکلف نہیں کیا جائے گا، بلکہ دیگر لوگ اہل حل وعقد کے تابع ہوں گے۔(نھایۃ المحتاج: ۷/ ۴۱۰)۔



مصنف نے آگے ص ۸۴ / پر کہا:

(خلفائے راشدین کے دور کو چھوڑ کر اسلامی تاریخ میں ایسا کوئی ادارہ نہیں ملتا جو اشرافیہ کی رائے اور اسکے اتفاق کی معرفت کا اہتمام کرے خواہ وہ علمی اشرافیہ ہو یا اجتماعی قیادت ہو)۔

تبصرہ:

مصنف نے یہ اشرافیہ کی اصطلاح دراصل جمہوریت پسندوں سے اخذ کیا ہے، مصنف دراصل اپنے اس اصطلاح کے ذریعے دیگر جمہور کو بھی اس طبقے میں شامل کرنا چاہتا ہے جن کی رائے کی حکومت میں اہمیت ہوتی ہے جسے شرعی اصطلاح میں اہل کہتے ہیں، اسی لئے مصنف اس اصطلاح کا استعمال سے دور رہتا ہے اور انسانی تجربے پر اعتماد کرتے ہوئے جمہور کی رائے کو نمائندگی دینے کی بات کرتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اسلامی فکر کو یکسر مسترد کر کے مغربی جمہوری فکر کو رائج کرنا چاہتا ہے اور وہ بھی پوری عیاری سے دین کے نام پر۔



مصنف نے آگے ص ۸۴ / پر کہا:

(انسانی تجربہ اس اصطلاح کو ادارہ جاتی بنانے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، اور ان لوگوں کے بارے میں لوگوں کی رائے سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے جو ان کی نمائندگی کرتے ہیں، ساتھ ہی قابل ذکر افراد کے لیے ایک مشاورتی کردار ادا کرتا ہے، عام فرد کے حق کو غصب نہیں کرتا ہے)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف دراصل عوامی اور جمہوری حق رائے دہی کی وکالت اور دفاع کر رہا ہے جسکی بنیاد پر مغربی جمہوری نظام قائم ہے۔

یہاں پر ہم کچھ تاریخی مثالیں دوں گا جس سے مصنف کا یہ مذہب باطل ہو جائے گا کیونکہ مصنف کی یہ کوشش ہے مغربی جمہوری نظام کو اسلامائز کیا جائے:

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عدل و انصاف میں معروف تھے مگر وہ پر اعتراض کرنے والا ایک عام انسان تھا، جیسا کہ صحیح بخاری میں وارد ہوا ہے:

عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَدِمَ عُيَيْنَةُ بْنُ حِصْنِ بْنِ حُذَيْفَةَ، فَنَزَلَ عَلَى ابْنِ أَخِيهِ الْحُرِّ بْنِ قَيْسٍ، وَكَانَ مِنَ النَّفَرِ الَّذِينَ يُدْنِيهِمْ عُمَرُ، وَكَانَ الْقُرَّاءُ أَصْحَابَ مَجَالِسِ عُمَرَ، وَمُشَاوَرَتِهِ كُهُولًا كَانُوا أَوْ شُبَّانًا، فَقَالَ عُيَيْنَةُ لِابْنِ أَخِيهِ: يَا ابْنَ أَخِي، هَلْ لَكَ وَجْهٌ عِنْدَ هَذَا الْأَمِيرِ فَاسْتَأْذِنْ لِي عَلَيْهِ؟ قَالَ: سَأَسْتَأْذِنُ لَكَ عَلَيْهِ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَاسْتَأْذَنَ الْحُرُّ لِعُيَيْنَةَ فَأَذِنَ لَهُ عُمَرُ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ،

قَالَ: هِي يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، فَوَاللَّهِ مَا تُعْطِينَا الْجَزْلَ، وَلَا تَحْكُمُ بَيْنَنَا بِالْعَدْلِ، فَغَضِبَ عُمَرُ، حَتَّى هَمَّ أَنْ يُوقِعَ بِهِ، فَقَالَ لَهُ الْحُرُّ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى، قَالَ لِنَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ سورة الأعراف آية 199، وَإِنَّ هَذَا مِنَ الْجَاهِلِينَ، وَاللَّهِ مَا جَاوَزَهَا عُمَرُ حِينَ تَلَاهَا عَلَيْهِ، وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللَّهِ.

ترجمہ: زہری نے بیان کیا، انہیں عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے خبر دی اور ان سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ نے اپنے بھتیجے حر بن قیس کے یہاں آ کر قیام کیا۔ حر، ان چند خاص لوگوں میں سے تھے جنہیں عمر رضی اللہ عنہ اپنے بہت قریب رکھتے تھے جو لوگ قرآن مجید کے زیادہ عالم اور قاری ہوتے۔ عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں انہیں کو زیادہ نزدیکی حاصل ہوتی تھی اور ایسے لوگ آپ کے مشیر ہوتے۔ اس کی کوئی قید نہیں تھی کہ وہ عمر رسیدہ ہوں یا نوجوان۔ عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا کہ تمہیں اس امیر کی مجلس میں بہت نزدیکی حاصل ہے۔ میرے لیے بھی مجلس میں حاضری کی اجازت لے دو۔ حر بن قیس نے کہا کہ میں آپ کے لیے بھی اجازت مانگوں گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ چنانچہ انہوں نے عیینہ کے لیے بھی اجازت مانگی اور عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مجلس میں آنے کی اجازت دے دی۔ مجلس میں جب وہ پہنچے تو کہنے لگے: اے خطاب کے بیٹے! اللہ کی قسم! نہ تو تم ہمیں مال ہی دیتے ہو اور نہ عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے ہو۔ عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی اس بات پر بڑا غصہ آیا اور آگے بڑھ ہی رہے تھے کہ حر بن قیس نے عرض کیا: یا امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے خطاب کر کے فرمایا ہے ”معافی اختیار کر اور نیک کام کا حکم دے اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جایا کیجئے۔“ اور یہ بھی جاہلوں میں سے ہیں۔ اللہ کی قسم!

کہ جب حر نے قرآن مجید کی تلاوت کی تو عمر رضی اللہ عنہ بالکل ٹھنڈے پڑ گئے اور کتاب اللہ کے حکم کے سامنے آپ کی یہی حالت ہوتی تھی۔(صحیح بخاری: ۴۶۴۲)۔

اسی طرح قاری کو یہ بھی یاد دلادیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے والا ذوالخویصرہ بھی ایک عام انسان تھا جو سوجھ بوجھ سے بالکل عاری تھا، اسی طرح کا معاملہ عبداللہ بن ابی ابن سلول اور دیگر یہود مدینہ کا معاملہ بھی ہے۔

یہ سب حقیقی واقعات ہیں جسکی بہت ساری نظیریں ہیں، مصنف کا مقصد اپنے ترقی یافتہ پلاننگ میں سارے لوگ شامل ہیں جس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وطن سب کا ہے۔

کیا کوئی مسلمان اسے تسلیم کرے گا کہ نظام حکمرانی میں رائے مشورے کیلئے ہر شخص کا اعتبار کیا جائے؟! یہ سب دین مخالف ایجنڈوں کی تنفیذ کیلئے مسلم ممالک میں لگائے گئے ہیں جو تاریخ اسلامی اور شریعت کو گڈمڈ کر کے پیش کرتے ہیں۔



مصنف نے آگے ص ۸۴ / پر کہا:

(یہ حق کس کا ہے؟ یہ حق قوم کا ہے، یہی قوم ہی اصل ہے، اور اس عقد میں ایک فریق کی حیثیت رکھتی ہے، اور حاکم اسکا وکیل یا نائب ہے، حکومت اسے تفویض الہی نہیں ہے، بیعت سب کی رضامندی سے ہوتی ہے، اس میں تابعداری کا عنصر نہیں ہے، جیسا کہ متقدمین سلف کا اتفاق ہے، یہ وکالت حق اصلی کا عکس نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسا ہمیشہ باقی رہنے والا عقد ہے کہ جسے فسخ نہ کیا جاسکے)۔

تبصرہ:

مصنف نے اپنے مذکورہ کلام کو مستند بنانے کیلئے حاشیہ میں مصادر کے طور پر تفسیر طبری اور الاحکام السلطانیہ للماوردی کا حوالہ دیا ہے۔

لیکن میں نے یہ کلام تفسیر طبری میں کہیں نہیں پایا جس سے مصنف کی مراد پوری ہو سکے۔

اور جہاں تک الاحکام السلطانیہ للماوردی کا تعلق ہے تو اس کتاب کے بارے میں تو مصنف نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ اس کتاب کا بیشتر حصہ فارسی تہذیب سے متاثر ہے، لیکن یہاں پر مصنف کی خواہش اور نفس پرستی اس کتاب کے موافق تھی اسلئے اپنی تائید میں اسکا حوالہ دیا ہے، لیکن یہ حوالہ بھی غلط ہے، کیوں کہ امام ماوردی کے کلام سے کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا ہے جسے مصنف ثابت کرنا چاہتا ہے۔

چنانچہ ماوردی نے کہا کہ اگر اہل اختیار یعنی اہل حل وعقد مسلمانوں کی جماعت سے کسی بہتر شخص کو منتخب کرلیں پھر اسکے بعد کوئی دوسرا ایسا شخص آئے جو اس سے بھی افضل ہو، تو پہلے ہی کہ بیعت درست رہے گی، اسکی بیعت توڑ کر کسی دوسرے سے بیعت کتنا جائز نہیں ہوگا خواہ وہ کتنا ہی افضل کیوں

نہ ہو۔

مصنف نے کہا: (یہ وکالت حق اصلی کا عکس نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسا ہمیشہ باقی رہنے والا عقد ہے کہ جسے فسخ نہ کیا جا سکے)۔

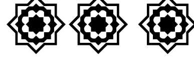
مصنف نے امامت کبری کو وکالت اور عوام کی نیابت کس دعوی کیا ہے جو کہ شرعا کہیں بھی ثابت نہیں ہے، اور نہ ہی اہل علم میں سے کسی نے یہ بات کہی ہے، وکالہ اور نیابت الگ چیز ہے اسکے احکام امامت کبری اور ولایت امہ سے بالکل الگ ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حکمران دراصل اقامت شریعت میں اللہ کے نائب ہیں، بندوں کے درمیان اللہ کی شریعت کے نفاذ کیلئے انہیں مقرر کیا جاتا ہے۔ (السیاسہ الشرعیہ، ص ۳۷)۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ نے حکام کو بندوں پر اپنا نائب بنایا ہے تاکہ وہ انکے درمیان اسکی شریعت کو نافذ کریں، چنانچہ وکالہ اور نیابت شریعت کے نفاذ میں ہے نہ کہ لوگوں کی خواہشات کے مطابق چلنے میں جیسا کہ مصنف کا کہنا ہے۔

اس سے جمہوریت پسندوں کا یہ نظریہ باطل ہو جاتا ہے کہ حکام عوام اور جمہور کی طرف سے مجرد وکیل اور نائب ہوتے ہیں جو اپنے قوم کی خواہشات کی نمائندگی کرتے ہیں، انہیں پورا اختیار ہوتا ہے کہ وہ جب چاہیں اس وکالہ اور نیابت کو منسوخ کر دیں، چنانچہ علمائے اہل سنت والجماعہ نے واضح کیا کہ حکام دراصل اللہ کے نائب اور اسکی طرف سے وکیل ہیں، نفاذ شریعت میں وکیل اور نائب ہیں، اسی لئے غیر معصیت میں انکی اطاعت کو واجب کہا گیا ہے۔ اور اگر بالفرض جمہوریت کھ دلدادوں کی بات مان بھی لیں تو یہ وکالہ اور نیابت حاکم اور اہل حل وعقد کے مابین ہوگا نہ کہ عوام اور حاکم کے

مابین جیسا کہ یہ کہتے ہیں۔



مصنف نے آگے ص ۸۵ / پر کہا:

(اسی لئے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کروں، سو جب میں اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرنے لگوں تو تم پر میری کوئی اطاعت نہیں ہے۔ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خلافت شورائیت کا نام ہے۔ امام قرطبی نے کہا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خلافت جیسے اہم مسئلے کو شورائیت پر منحصر کر دیا، اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری بیعت اسی وقت ہوگی جب مسلمان اس سے راضی ہوں گے)۔

تبصرہ:

مصنف نے ان اقوال کو قائلین کی طرف منسوب کر کے ان کی توثیق نہیں کی ہے، چنانچہ جہاں تک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کلام کا تعلق ہے کہ تم پر میری کوئی اطاعت نہیں ہے، تو یہ صرف معصیت والے امور کے ساتھ خاص ہے، اور جہاں تک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قول کا تعلق ہے تو اسکا مطلب عقل و رائے والوں سے مشورہ لینا مراد ہے، اور علی بن ابی طالب رضی اللہ کے قول کا مطلب اہل حل وعقد ہے، کیونکہ یہ متصور ہی نہیں ہے کہ حاکم سے سارے لوگ خوش رہیں۔

دوسرے یہ کہ مصنف نے ان آثار سے اگر اس بات پر استدلال کیا ہے کہ عقد بیعت قابل فسخ ہے، تو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ آثار اس پر کسی بھی صورت میں دلالت نہیں کرتے ہیں، اور یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کتاب وسنت کے نصوص کا معارضہ آثار صحابہ سے کیا جائے، جب کہ نصوص شرعیہ پوری صراحت کے ساتھ صبر کے وجوب آف جماعت کے لزوم پر دلالت کرتے ہیں، حتی کہ اگر حق تلفی اور ظلم بھی ہو تو بھی صبر کا حکم ہے، اور علماء نے یہ صراحت کی ہے کہ اگر حاکم وقت سے فسق صادر ہو جائے یا بدعت کی

طرف دعوت دے تو بھی اسے معزول کرنے کیلئے اسکے خلاف کھڑا ہونا جائز نہیں ہے الا یہ کہ اس نے کفر صریح کا ارتکاب کیا ہو جس پر مسلمانوں کے پاس واضح ثبوت ہو، تو پھر قدرت ہونے پر اسے معزول کر دیا جائے گا اس شرط کے ساتھ کہ بعد والا اس سے اچھا ہو۔

چنانچہ شرعی نصوص کے اندر حاکم کے خلاف بغاوت کرنے سے منع کیا گیا ہے، گرچہ وہ معصیت کا ارتکاب کرے، الا یہ کہ کفر صریح کا ارتکاب کرے اور اس پر کتاب وسنت سے واضح ثبوت بھی ہو۔

اور مصنف کا یہ کہنا کہ عقد بیعت قابل فسخ ہے بالکل غلط اور باطل قول ہے، صرف دعوی ہے اس پر کوئی ثبوت نہیں ہے، جبکہ شرعی نصوص کے اندر اس کے خلاف وضاحت آئی ہوئی ہے، چنانچہ مروی ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَرْوِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ فَمِيتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ".

ترجمہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص اپنے حاکم سے بری بات دیکھے وہ صبر کرے اس لیے کہ جو جماعت سے بالشت بھر جدا ہو جائے اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔“ (صحیح مسلم: ۱۸۴۹)۔

اور اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا، فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ".

ترجمہ: سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے

جماعت سے ایک بالشت بھی علیحدگی اختیار کی تو اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا"۔ (سنن ابی داود: ۴۷۵۸)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا بُويِعَ لِخَلِيفَتَيْنِ فَاقْتُلُوا الْآخَرَ مِنْهُمَا".

ترجمہ: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب دو خلیفہ سے بیعت کی جائے تو جس سے اخیر میں بیعت ہوئی ہو اس کو مار ڈالو"۔ (اس لیے کہ اس کی خلافت پہلے خلیفہ کے ہوتے ہوئے باطل ہے)۔ (صحیح مسلم: ۱۸۵۳)۔

اسی طرح مزید ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً، وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عِمِّيَّةٍ يَغْضَبُ لِعَصَبَةٍ أَوْ يَدْعُو إِلَى عَصَبَةٍ أَوْ يَنْصُرُ عَصَبَةً فَقُتِلَ فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ، وَمَنْ خَرَجَ عَلَى أُمَّتِي يَضْرِبُ بَرَّهَا وَفَاجِرَهَا وَلَا يَتَحَاشَى مِنْ مُؤْمِنِهَا، وَلَا يَفِي لِذِي عَهْدٍ عَهْدَهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ"۔

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص حاکم کی اطاعت سے باہر ہو جائے اور جماعت کا ساتھ چھوڑ دے پھر وہ مرے تو اس کی موت جاہلیت کی سی ہوگی اور جو شخص اندھے جھنڈے کے تلے لڑے (جس لڑائی کی درستی شریعت سے صاف صاف ثابت نہ ہو) غصہ ہو قوم کے لحاظ سے یا بلاتا ہو قوم کی طرف یا مدد کرتا ہو قوم کی اور اللہ کی رضامندی

مقصود نہ ہو، پھر مارا جائے تو اس کا مارا جانا جاہلیت کے زمانے کا سا ہوگا اور جو شخص میری امت پر دست درازی کرے اور اچھے اور بروں کو ان میں کے قتل کرے اور مؤمن کو بھی نہ چھوڑے اور جس سے عہد ہوا ہو، اس کا عہد پورا نہ کرے تو وہ مجھ سے علاقہ نہیں رکھتا اور میں اس سے تعلق نہیں رکھتا۔" (یعنی وہ مسلمان نہیں ہے۔) (صحیح مسلم: ۱۸۴۸)۔

مزید ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: " جَاءَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُطِيعٍ، حِينَ كَانَ مِنْ أَمْرِ الْحَرَّةِ مَا كَانَ زَمَنَ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ: اطْرَحُوا لِأَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ وِسَادَةً، فَقَالَ: إِنِّي لَمْ آتِكَ لِأَجْلِسَ أَتَيْتُكَ لِأُحَدِّثَكَ حَدِيثًا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُهُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ لَقِيَ اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً "،

ترجمہ: سیدنا نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عبداللہ بن مطیع کے پاس آئے جب حرہ کا واقعہ ہوا یزید بن معاویہ کے زمانہ میں، اس نے مدینہ منورہ پر لشکر بھیجا اور مدینہ والے حرہ میں جو ایک مقام ہے مدینہ سے ملا ہوا قتل ہوئے اور طرح طرح کے ظلم مدینہ والوں پر ہوئے۔ عبداللہ بن مطیع نے کہا: ابوعبدالرحمٰن (یہ کنیت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی) کے لیے توشک بچھاؤ۔ انہوں نے کہا: میں اس لیے نہیں آیا کہ بیٹھوں بلکی ایک حدیث تجھ کو سنانے کے لیے آیا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "جو شخص اپنا ہاتھ نکال لے اطاعت سے وہ قیامت کے دن اللہ سے ملے گا اور کوئی دلیل اس کے پاس نہ ہوگی اور

جو شخص مر جائے اور کسی سے اس نے بیعت نہ کی ہو تو اس کی موت جاہلیت کی سی ہو گی۔" (صحیح مسلم: ۱۸۵۱)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَرْفَجَةَ ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ".

ترجمہ: سیدنا عرفجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ "جو شخص تمہارے پاس آئے اور تم سب ایک شخص کے اوپر جمے ہو۔ وہ چاہے تم میں پھوٹ ڈالنا اور جدائی تو اس کو مار ڈالو۔" (صحیح مسلم: ۱۸۵۲)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَرْفَجَةَ ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " إِنَّهُ سَتَكُونُ هَنَاتٌ وَهَنَاتٌ، فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُفَرِّقَ أَمْرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَهِيَ جَمِيعٌ، فَاضْرِبُوهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَنْ كَانَ "۔

ترجمہ: سیدنا عرفجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ "قریب ہیں فتنے اور فساد پھر جو کوئی چاہے اس امت کے اتفاق کو بگاڑنا تو اس کو تلوار سے مارو چاہے جو کوئی بھی ہو۔" (صحیح مسلم: ۱۸۵۲)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " سَتَكُونُ

أُمَرَاءُ فَتَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ، فَمَنْ عَرَفَ بَرِئَ وَمَنْ أَنْكَرَ سَلِمَ وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ "، وَتَابَعَ، قَالُوا: أَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ، قَالَ: لَا مَا صَلَّوْا ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قریب ہے کہ تم پر امیر مقرر ہوں تم ان کے اچھے کام بھی دیکھو گے اور برے کام بھی پھر جو کوئی برے کام کو پہچان لے وہ بری ہوا (اگر اس کو روکے ہاتھ یا زبان یا دل سے) اور جس نے برے کام کو برا جانا وہ بھی بچ گیا لیکن جو راضی ہوا برے کام سے اور پیروی کی اس کی (تباہ ہوا)۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم ایسے امیروں سے لڑائی نہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں جب تک وہ نماز پڑھا کریں۔" (اور نماز بھی چھوڑ دیں تو ان کو مارو اور امارت سے موقوف کر دو۔) (صحیح مسلم: ۱۸۵۴)۔

کتاب کے آغاز میں ان نصوص کا ذکر آچکا ہے۔

اور مصنف نے جن آثار صحابہ کا ذکر کیا ہے وہ شرعی نصوص سے متعارض نہیں ہیں، بلکہ پہلے تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ مصنف ان کی توثیق کرتا، پھر جب ثابت ہو جاتا تو صحابہ کرام کی شان کے مطابق اسکی توضیح کرتا، اور انہیں بہتر معنوں پر محمول کرتا، چنانچہ جہاں تک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کی بات ہے جس میں آپ نے کہا کہ" میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کروں، سو جب میں اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرنے لگوں تو تم پر میری کوئی اطاعت نہیں ہے"۔ تو یہ بالکل واضح ہے کہ اس سے مراد یہ ہیکہ اللہ کی معصیت میں اطاعت نہیں ہے، اور یہی مفہوم ان دیگر نصوص کا بھی ہے جن میں حاکم کی اطاعت کرنے سے منع کیا گیا ہے جب وہ معصیت کا ارتکاب کر رہا ہو، چنانچہ حاکم کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں پر ظلم کرے اور انہیں باطل پر مجبور کرے، لیکن اس کا مطلب یہ بھی

نہیں ہیکہ حاکم کی کسی کمی اور ظلم کو بنیاد بنا کر اسکی بیعت کو توڑ دے، اور اس کی جگہ دوسرے کو کھڑا کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ ہر انسان خطا کار ہے۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین اور مانعین زکاۃ سے قتال کیا جو آپ کی بیعت سے راضی میں تھے تو کیا کسی نے کبھی کہا کہ انہیں یہ حق تھا کہ وہ آپ کی بیعت کو فسخ کر دیں!

کیا بیعت مکمل ہونے کیلئے کبھی یہ مطالبہ ہوا کہ سارے لوگ راضی ہوجائیں؟! یہ ممکن بھی نہیں ہے، بلکہ شرعی احکام کی تنفیذ ایسے ہی لوگوں کیلئے ہے جو یا تو حکومت سے راضی نہیں ہوتے یا ان کے یہاں شرعی مخالفتیں ہوتی ہیں۔ اسی ضمن میں شاعر نے کہا ہے، بلکہ اسے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے:

دعا المصطفى دهرا بمكة لم يجب

وقد لان منه جانب وخطاب

فلما دعا والسيف صلت بكفه

له أسلموا واستسلموا وأنابوا

ترجمہ: مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے اندر ایک زمانے تک دین کی دعوت پیش کی مگر لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول نہیں کیا، حالانکہ آپ نے ان کے ساتھ ہر پہلو نرمی کا برتاؤ کیا۔ لیکن جب ساتھ میں تلوار اٹھالیا تو لوگوں نے آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اسلام قبول کرنے لگے۔

(فتاوی الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز: ۳ / ۱۸۴)

اور جہاں تک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ خلافت شورائیت کا نام ہے۔ تو میں نے کتب حدیث کے اندر اس لفظ کے ساتھ کوئی روایت نہیں پائی، بلکہ آپ نے یہ کہا ہے کہ اگر میں جلد وفات پا

جاؤں تو میرا جانشین انہیں چھ لوگوں میں سے کوئی ایک ہوگا۔ اور یہ آپ کے ایک خطبے میں وارد ہے جس میں آپ نے کہا ہے: میں نے خواب دیکھا ہیکہ مجھے ایک سرخ مرغ نے ایک یا دو بار چونچ ماری ہے، اور مجھے لگتا ہے کہ میری وفات کا وقت قریب آچکا ہے، سو اگر میں جلد وفات پا جاؤں تو میرا جانشین انہیں چھ لوگوں میں سے کوئی ایک ہوگا جن سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی تھے۔ (ابن ابی شیبہ: ۳۸۲۱۷)۔

اور حکومت کی منتقلی کی یہ بھی ایک صورت ہے جو کہ مشروع ہے، اور وہ یہ کہ جانشینی اور ولی عہدی کو اہل حل وعقد آپس میں شورائیت کے ساتھ مقرر کرلیں، اور یہاں پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے چھ متعین لوگوں کا نام لیا ہے جن سے تجاوز نہیں کرسکتے تھے، اور یہی خود اس بات کی دلیل ہیکہ بیعت کو فسخ کرنے کا اختیار جمہور کو نہیں ہے، جیسا کہ مصنف اپنے اس قول سے باور کرانے کی کوشش کی ہے: (عقد بیعت رضا مندی کی بیعت ہے، اور یہ وکالہ کی طرح ہے، امت کو اسکے فسخ کرنے کا حق ہے)۔

اور جہاں تک علی بن ابی طالب رضی اللہ کی روایت کا تعلق ہے تو پوری روایت اس طرح ہے:

عن سالم بن أبي الجعد الأشجعي عن محمد بن الحنفية قال كنت مع أبي حين قتل عثمان رضى الله عنه فقام فدخل منزله فأتاه أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالوا إن هذا الرجل قد قتل ولابد للناس من إمام ولا نجد اليوم أحدا أحق بهذا الامر منك لا أقدم سابقة ولا أقرب من رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لا تفعلوا فانى أكون وزيرا خير من أن أكون أميرا فقالوا لا والله ما نحن بفاعلين حتى نبايعك قال ففي المسجد

فان بیعتی لا تکون خفیا ولا تکون إلی عن رضا المسلمین۔

ترجمہ: سالم بن جعد سے روایت ہیکہ میں محمد بن الحنفیہ اسی واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے وہ تو شہید کردیے گئے اور لوگوں کے لیے کسی امام کا ہونا ضروری ہے اور ہم آپ سے زیادہ کسی کو اس کا مستحق نہیں پاتے ہیں جو معرکوں کا تجربہ رکھتا ہو اور نہ ہی آپ سے بڑھ کر کسی کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت ہے، لہٰذا آپ اسے قبول کرلیں۔علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسا نہ کرو، میں وزیر رہوں یہ میرے لیے امیر ہونے سے بہتر ہے۔ان لوگوں نے کہا: نہیں ہرگز نہیں۔واللہ! ہم بیعت آپ ہی کی خلافت پر کریں گے۔آپ نے فرمایا: اگر بضد ہی ہو تو چلو مسجد میں چلو، مناسب یہ ہے کہ میری بیعت برسرعام اور تمام مسلمانوں کی رضامندی سے ہو، خفیہ نہ ہو۔(تاریخ طبری: ۴/ ۴۲۷)۔

اس روایت کے اندر ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ جس سے پتہ چلے کہ بیعت عقد وکالہ کا نام ہے جو قابل فسخ ہو، بلکہ اسکا مفہوم یہ ہیکہ اہل حل وعقد ایک ساتھ بیٹھ کر کسی ایک شخص پر متفق ہوجائیں، پھر اسی کی بیعت سب پر لازم ہوجائے گی، اور فی الواقع یہی ہوا کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تمام صحابہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ کی بیعت پر متفق ہوگئے۔

اور مصنف کا یہ دعوی کہ یہ امت کا حق ہے کہ وہ ہی مشروط بیعت کرے یا توقت کے ساتھ یا پھر عمل کے ساتھ تو مصنف کا یہ دعوی صحیح نہیں ہے، کیونکہ مصنف کے پاس پر کوئی دلیل نہیں ہے، اور صحابہ کرام نے نہ تو اس طرح علی بن ابی طالب رضی اللہ کے ساتھ کیا اور نہ کسی دوسرے کے ساتھ، اور نہ ہی سلف امت میں سے یہ بات کسی نے کہی ہے، اور اسی طرح صحابہ میں سے کسی نے بھی علی بن ابی طالب رضی اللہ کی بیعت نہیں توڑی تھی یہ بنیاد بنا کر کہ آپ نے قاتلین عثمان پر قصاص نافذ نہیں کیا

کیوں کہ آپ اس پر قادر نہیں تھے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مصنف کی یہ بات بہت ہی مذموم ہے جسے مصنف نے مغربی جمہوریت کی تائید میں کہی ہے۔



مصنف نے آگے ص ۸۶ / پر کہا:

(اور جو اصلی حق کے مالک ہیں انہیں یہ اختیار ہے کہ وہ عقد بیعت (حکمرانی) کی مدت کو متعین کر دیں، جیسا کہ بعض دستوروں میں چار، پانچ یا چھ سال کی مدت متعین کر دی جاتی ہے، اور بعض ایسے موحدین خلفاء گزرے ہیں جو قاضی کیلئے دو سال کی مدت متعین کر دیتے تھے)۔

تبصرہ:

مصنف نے یہاں پر قاضی یا وزیر کی مدت جو کہ حاکم کی طرف سے ہوتی ہے اور حاکم کی حکمرانی کی مدت کے درمیان جان بوجھ کر تلبیس کاری کرتے ہوئے خلط مبحث سے کام لیا ہے، اور مصنف کی یہ رائے یورپ کے کافرانہ نظام کی مشابہت ہے جس کے اندر چار سال کی مدت متعین ہوتی ہے، جبکہ اسلام کے اندر حکمرانی کی کوئی مدت متعین نہیں ہے، اور نہ ہی مسلمانوں کا اس پر کبھی عمل رہا ہے۔

سوال یہ ہیکہ قابل اتباع کون سا نظام ہے: وہ نظام حکمرانی جسکی مدت کی عدم تحدید پر صحابہ اور بعد کے مسلم امہ کا اجماع رہا ہے یا پھر یورپ کا کافرانہ نظام جس میں مدت کی تجدید ہوتی ہے؟!



مصنف نے آگے ص ۸٦ / پر کہا:

(اور اسی مفہوم کی صراحت ہمارے شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے کی ہے چنانچہ آپ کہتے ہیں کہ مدت ولایت کو ایک، دو، تین یا چار سال یا مزید سالوں تک متعین کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ یہ بہتر اور مفید ہے کہ ولایت کو چند سالوں تک متعین کر دیا جائے تا کہ اس پر غور وفکر کر لیا جائے اور اسے آزمالیا جائے، کیونکہ بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہیں ہم نااہل سمجھتے ہیں مگر وہ اہل ہوتے ہیں اور اسکے برعکس ایسے کتنے لوگوں کو ہم اہل سمجھتے ہیں اور وہ نااہل ہوتے ہیں۔ اور پھر آپ نے اسکی یہ علت بتائی کہ ولایت کوئی عقد ایجار یعنی کرائے کا کنٹریکٹ نہیں ہے، اور مدت کو مصلحت کے حساب سے کم بیشی کر سکتے ہیں)۔

تبصرہ:

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کے کلام کا مراجعہ کرنے کے بعد درج ذیل وضاحت سامنے آئی ہے:

۱- یہاں پر مصنف نے تلبیس کاری کا مظاہرہ کیا ہے تا کہ قاری کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے ولایت سے کیا مراد لیا ہے عام ولایت یا پھر ولایت قضاء! حالانکہ ایسی باتوں کی نسبت اہل علم کی طرف کرنا خیانت ہے، مصنف نے شیخ کی کتاب شرح السیاسہ الشرعیہ کا حوالہ نہیں دیا جس میں صراحت کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کی ہے، اور جو مراجعہ کے بعد شائع بھی ہو چکی ہے، بلکہ ایک ریکارڈنگ کا حوالہ دیا ہے جس میں کوئی وضاحت نہیں ہے۔

۲-مصنف نے شیخ کے اس کلام کا حوالہ آپ کی کتاب شرح کتاب الحسبہ لابن تیمیہ کا دیا ہے،

جیسا کہ ص ۸۶ کے حاشیہ نمبر ۲ سے پتہ چلتا ہے مگر اس کتاب میں اس کلام کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے، بلکہ اس موضوع پر آپ نے تفصیلی کلام اپنی دوسری کتاب شرح السیاسہ الشرعیہ کے ص ۲۷ سے ص ۳۲ تک کی ہے، جو کہ پہلے ریکارڈنگ کی شکل میں تھا، مگر کتابی شکل میں آنے اور مراجعہ کے بعد وہی کتاب اصل کا درجہ رکھتی ہے جسے خود شیخ نے مراجعہ کیا تھا اور ایک لجنہ علمیہ نے بھی اسکا مراجعہ کیا تھا، مگر مصنف نے سیاق وسباق سے کٹی ہوئی بات کو پیش کیا ہے اور حوالہ ریکارڈنگ کا دیا ہے جس سے کچھ بھی واضح نہیں ہے کہ یہاں کون سی ولایت مراد ہے جبکہ اسکی وضاحت کتاب میں آچکی ہے کہ اس سے ولایت قضاء ہی مراد ہے۔

۳- اس ریکارڈنگ کو میں نے بھی سنا ہے، وہ دراصل ایک سوال کا جواب ہے، جس میں سائل کی طرف سے بعض کلام واضح نہیں ہے، جو توقف طلب ہے، کیونکہ جواب سوال ہی پر مبنی ہوتا ہے، اور شیخ کہہ رہے ہیں کہ (جی ہاں، جی ہاں، لیکن یہ عقد اجارہ نہیں ولایہ ہے)۔ اور یہ بات بھی مصنف کے اس دعوی کو باطل کرتی ہے کہ اس سے عقد اجتماعی مراد ہے یا یہ کہ حاکم اور رعایا کے درمیان ایک عقد ہوتا ہے جو قابل فسخ ہے، اور چونکہ اس سے مصنف کا دعوی باطل ہو جاتا اسی لئے اس جملے کو نہیں نقل کیا ہے!

۴- مصنف نے بغاوت اور انقلاب کے تعلق سے شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کے صریح موقف کو چھوڑ دیا اسی طرح حکام کے ساتھ شیخ کا کیا تعامل تھا اسے بھی چھوڑ کر آپ کے ایک مجہول کلام کو اخذ کیا ہے جو مصنف کی خواہشات نفس کے موافق ہے!

سوال یہ ہیکہ نظام حکمرانی، حکام کے ساتھ تعامل اور بغاوت وانقلاب کے تعلق سے شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کا کیا موقف رہا ہے مصنف نے آخر اسے کیوں ذکر نہیں کیا؟! اس مسائل پر آپ

کے کلام کو آگے نقل کیا جائے گا ان شاء اللہ۔

۵-مصنف نے کہا: (اور اسی مفہوم کی صراحت ہمارے شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے کی ہے)۔

مصنف کے اس کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہیں گے کہ شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ ان مشائخ میں سے ہیں جنہوں نے سلمان العودہ اور اسکے منہج سے آگاہ کیا ہے، بلکہ کبار علماء کمیٹی کے ساتھ شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے بھی اس مسودے پر دستخط کیا ہے جس کے اندر حکمرانوں سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ سلمان عودہ جیسے لوگوں کے انحرافات سے معاشرے کو محفوظ رکھنا وقت کی ضرورت ہے۔

(اس مطالبے کو ۲۰ / ۳ / ۱۴۱۴ھ کو لکھ کر حکومت کے پاس بھیجا گیا تھا جس میں سفر حوالی اور سلمان عودہ کو انحرافات سے توبہ کرنے اور توبہ نہ کرنے پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا گیا تھا تاکہ انکے انحرافات سے معاشرے کو محفوظ رکھا جا سکے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ سلمان عودہ کے پاس انحرافات اور بھیانک غلطیاں پائی جاتی تھیں جنہیں وہ اپنے لیکچروں کے ذریعے عوام تک پہونچا رہا تھا)۔

اس لئے میں مصنف سے کہوں گا کہ شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ تمہارے بغاوتی اور انقلابی فکر کے بالکل مخالف تھے، اسکے لئے آپ کا وہ کلام کافی ہے جو آپ نے حدیث (الدین النصیحہ) کی شرح میں کہا ہے، اس سے واضح ہو جائے گا کہ جس بغاوت اور انقلاب کی طرف مصنف دعوت دے رہا ہے اسی کے رد میں شیخ نے دلائل سے بات کی ہے۔

چنانچہ شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حکام کے ساتھ نصیحت اور خیر خواہی درج ذیل امور سے ہوگی:

پہلا امر:

انکی امارت اور حکومت پر اعتقاد رکھنا، چنانچہ جو یہ اعتقاد نہ رکھے کہ وہ حاکم ہیں تو وہ ان کا خیر خواہ نہیں ہے، اسلئے کہ جب وہ یہ اعتقاد نہیں رکھے گا تو انکے حکم کی بجا آوری بھی نہیں کرے گا اور انکی منع کردہ چیزوں سے رکے گا بھی نہیں، اسلئے یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ آپ کا وہ حاکم اور امیر ہے، اور جو بغیر بیعت کے مرجائے اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی، اور اگر کوئی غلبے سے مسلمانوں کا حاکم بن جائے تو وہ بھی آپ کا حاکم ہی ہوگا، خواہ وہ قریش سے ہو یا غیر غیر قریش سے۔

دوسرا امر:

رعایا کے اندر انکے محاسن اور خوبیوں کو بیان کرنا، اسلئے کہ اس سے لوگوں کے دلوں میں انکی محبت پیدا ہوگی، اور جب لوگ ان سے محبت کرنے لگیں گے تو پھر ان کے اوامر کی بجا آوری کرنے میں آسانی ہوگی۔

یہ بالکل برعکس ہے ان لوگوں کے جو حکام کے عیوب کو نشر کرتے ہیں اور انکی اچھائیوں کو چھپاتے ہیں، یقینا یک جور وظلم ہے، مثال کے طور پر انکی بہت ساری اچھائیوں کو بھلا کر کسی ایک برائی کو عوام کے اندر مشہور کیا جائے۔ تو یہی ظلم اور زیادتی ہے۔

تیسرا امر:

انکے فرامین کی بجا آوری اور منع کردہ امور سے بچنا، الا یہ کہ انکا تعلق معصیت سے ہو، تو ایسی صورت میں انکی اطاعت نہیں ہے، اور حکام کی اطاعت عبادت ہے مجرد سیاست نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے حکم دیا ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں۔ (النساء:۵۹)۔

اللہ تعالی نے اسے اپنے فرامین میں شامل کیا ہے اور اللہ جس چیز کی بجا آوری کا حکم دیتا ہے وہ عبادت ہوتی ہے۔اور انکی اطاعت میں یہ شرط نہیں ہوتی ہے کہ وہ معصیت کا ارتکاب نہیں کریں گے، اسی لئے انکی اطاعت واجب ہے گرچہ وہ معصیت کا ارتکاب کریں کیوں کہ آپ کو انکی اطاعت کا حکم ہے گرچہ وہ معصیت کا ارتکاب کریں، یہ انکا ذاتی معاملہ ہے، ہمیں معصیت میں انکی اطاعت نہیں کرنا ہے۔

چوتھا امر:

جتنا ممکن ہوسکے ان کے عیوب کو چھپایا جائے، کیونکہ یہ خیر خواہی نہیں ہے کہ آپ ان کے عیوب کی تشہیر کریں، کیونکہ اس سے حکام کے خلاف رعایا کے دلوں میں حقد وحسد اور غیض وغضب بھرے گا، اور جب دلوں کے اندر اس طرح غیض وغضب اور حقد بھر جائے گا تو ان کے اندر تمرد اور سرکشی پیدا ہوگی، اور بسا اوقات خروج و بغاوت بھی جنم لے سکتے ہیں، اور پھر ملک کے اندر شر وفساد کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

اور حکام کے عیوب کو چھپانے کا یہ مقصد بالکل نہیں ہے کہ ہم اس پر خاموش رہیں، بلکہ ضروری ہیکہ ہم انہیں بلا واسطہ نصیحت کریں اگر ایسا ممکن ہو سکے، بصورت دیگر اہل علم اور دیگر ان واسطوں سے اپنی ناصحانہ بات حکام تک پہونچادیں، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: قِيلَ لَهُ: أَلَا تَدْخُلُ عَلَى عُثْمَانَ فَتُكَلِّمَهُ، فَقَالَ: أَتَرَوْنَ أَنِّي لَا أُكَلِّمُهُ إِلَّا أُسْمِعُكُمْ، وَاللَّهِ لَقَدْ كَلَّمْتُهُ فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَهُ، مَا دُونَ أَنْ أَفْتَتِحَ أَمْرًا لَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ فَتَحَهُ، وَلَا أَقُولُ لِأَحَدٍ يَكُونُ عَلَيَّ أَمِيرًا، إِنَّهُ خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " يُؤْتَى

بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُلْقَى فِي النَّارِ، فَتَنْدَلِقُ أَقْتَابُ بَطْنِهِ، فَيَدُورُ بِهَا كَمَا يَدُورُ الْحِمَارُ بِالرَّحَى، فَيَجْتَمِعُ إِلَيْهِ أَهْلُ النَّارِ، فَيَقُولُونَ يَا فُلَانُ: مَا لَكَ أَلَمْ تَكُنْ تَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ؟، فَيَقُولُ: بَلَى، قَدْ كُنْتُ آمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا آتِيهِ وَأَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ وَآتِيهِ"۔

ترجمہ: سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ان سے کہا گیا: تم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں جاتے اور ان سے گفتگو نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا: کیا تم سمجھے ہو کہ میں ان سے گفتگو نہیں کرتا۔ میں تم کو سناؤں، اللہ کی قسم! میں ان سے باتیں کر چکا جو مجھ کو اپنے اور ان کے بیچ میں کرنا تھیں البتہ میں نے یہ نہیں چاہا کہ وہ بات کھولوں جس کا کھولنے والا پہلے میں ہی ہوں اور میں کسی کو جو مجھ پر حاکم ہو یہ نہیں کہتا کہ وہ سب لوگوں میں بہتر ہے۔ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ”قیامت کے دن ایک شخص لایا جائے گا پھر وہ جہنم میں ڈالا جائے گا اس کے پیٹ کی آنتیں باہر نکل آئیں گی۔ وہ ان کو لیے ہوئے گدھے کی طرح جو چکی پیستا ہے چکر لگائے گا اور جہنم والے اس کے پاس اکھٹا ہوں گے اس سے پوچھیں گے، اے فلانے! کیا تو اچھی بات کا حکم نہیں کرتا تھا اور بری بات سے منع نہیں کرتا تھا؟ وہ کہے گا میں ایسا کرتا تھا لیکن دوسروں کو اچھی بات کا حکم کرتا اور خود نہ کرتا اور دوسروں کی بری بات سے منع کرتا اور خود اس سے باز نہ رہتا۔“ (صحیح بخاری: ۲۹۸۹)۔

اور یہ مناسب بھی نہیں ہے کہ انسان حاکم کے ساتھ جو گفتگو کرے اسے عوام میں بتائے، کیونکہ ممکن ہے حاکم اس کی بات مان کر اسے نافذ کر دے تو لوگ کہنے لگیں کہ حاکم کو اس کے سامنے جھکنا پڑا، یا یہ بھی ممکن ہے کہ حاکم اسکی بات سنے مگر اسے نافذ نہ کرے تو لوگ کہنے لگیں کہ وہ بڑا ہٹ دھرم

اور عاصی ہے، اسی لئے حکمت اور دانائی اسی میں ہے کہ جب آپ حاکم کو نصیحت کریں تو اسے لوگوں کے درمیان بیان نہ کریں کیونکہ اس سے نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

پانچواں امر:

انکے خلاف نہ تو خروج کرنا اور نہ ہی ان کا مقابلہ کرنا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مقابلہ کرنے سے منع کیا ہے سوائے اس وقت کے جب وہ کفر صریح کا ارتکاب کریں اور اسکے لئے آپ کے پاس واضح ثبوت ہو۔

اور جب اس شرط کے ساتھ خروج کر سکتے ہیں تو کیا یہ خروج کرنا جائز ہے یا واجب؟

جواب: خروج نہیں کریں گے گرچہ کفر صریح کا ارتکاب کریں سوائے اس وقت جب خروج کرنے میں مصلحت ہو، بلا مصلحت اور طاقت کے خروج جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے مزید قتل وخونریزی اور فساد پیدا ہوگا، جیسا کہ خلفائے راشدین کے دور سے آج تک مرور زمانہ کے ساتھ دیکھا گیا۔

دراصل کچھ نادان قسم کے لوگ دینی غیرت میں آکر خروج و بغاوت کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور پھر انجام بد سے دوچار ہوتے ہیں۔ (شرح الاربعین النوویہ، ص ۱۴۰)۔

یہ شیخ کا کلام ہے جس میں خروج و بغاوت ہی پر گفتگو ہوئی ہے، اور اسی مقصد سے مصنف نے اس کتاب کو تصنیف کیا ہے، پھر سوال ہیکہ مصنف نے خروج و بغاوت سے متعلق شیخ کے اس موقف کا ذکر کیوں نہیں کیا؟!



مصنف نے آگے ص ۸۷ / پر کہا:

(بغاوت وانقلاب اور فتنہ: تاریخی اعتبار سے بغاوت اور انقلاب کا مفہوم جزوی طور پر منفی معنی کے ساتھ مربوط ہے، جیسے کہ زنجیوں کی بغاوت اور قرامطہ کی بغاوت جس طرح کہ ناکامی اور قید و بند کے ساتھ مربوط ہے جو کہ بدتر انجام کا نتیجہ ہے۔

لیکن یہ مفہوم بدل گیا بعض کامیاب بغاوتوں اور انقلابوں کی وجہ سے، جنہوں نے مضبوط اقتدار قائم کئے، جیسے کہ عباسی انقلاب و بغاوت، اسی طرح عرب ممالک میں استعمار کے خلاف بغاوت، اسی طرح کچھ عالمی انقلاب و بغاوت جیسے کہ فرانسیسی، امریکی اور روسی انقلابات، جن کے ذریعے حکومتیں قائم ہوئیں اور مضبوط قوانین وضع کئے گئے۔

اور شاید میگنا کارٹا کا واقعہ یہاں پر قابل ذکر ہوگا جسے تیرہویں صدی عیسوی میں مطلق العنان حکومتوں کے خلاف ایک کامیاب بغاوت اور انقلاب مانا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں ایک تاریخی وثیقے نے جنم لیا جو اسی واقعے کے نام سے جانا جاتا ہے، اور یہ واقعہ برطانیہ کا ہے، ۱۲۱۵ء میں بادشاہ کا محاصرہ کیا گیا اور اسے ایک وثیقے پر دستخط کرنے کیلئے مجبور کیا گیا جس سے اسکی اقتدار کی طاقت محدود ہوگئی، اور جس میں فرد کے حقوق کی تاکید کی گئی، اور بعض میں چل کر اسی وثیقے سے فرانسیسی انقلابیوں نے اپنے اصول وضوابط طے کئے، اور پھر ۱۷۷۱ء میں امریکی دستور نے بھی اس سے استفادہ کیا، اور اسی طرح حقوق انسانی کے وضع کرنے والوں نے بھی اس سے استفادہ کیا۔

انقلاب و بغاوت کے بعد کانوں پر سب سے پہلے جو کلمہ سننے کو ملتا ہے وہ فتنہ ہے۔ فتنہ جس کا مقصد آبادی کو اجاڑنا اور وحدت کو پارہ پارہ کرنا ہے، معاشرتی سلامتی کا خاتمہ اور ملک کو خانہ جنگی اور لاقانونیت کی ڈھکیلنا ہے۔

جب تک استبدادی حکومتوں کا کوئی بہتر بدیل نہیں ملے گا اس وقت تک لوگ خیریت سے نہیں رہ سکتے، انارکی، ہڑبونگ اور قبائلی وعلاقائی محاذ آرائی جاری رہے گی، جیسے کہ صومال اور دیگر ممالک میں جاری ہے، اور بہت ایسے لوگ ہیں جنہیں یہ شعور ہے کہ استبدادی حکومتیں ہی اس انارکی اور خانہ جنگی کا ذمیدار ہیں۔

اگر ہم اسے تاریخی اعتبار سے دیکھیں تو ضروری ہے کہ ہم خلفائے راشدین کی سنت اور انکے تعامل وسلوک سے رہنمائی حاصل کریں حتی کہ انقلاب و بغاوت کے ساتھ تعامل کرنے میں بھی۔

اور اگر ہم اسے واقع حال کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو اس وقت دنیا کے حالات بڑی تیزی سے اور مختلف انداز میں بدل رہے ہیں، جنہیں کسی ایک نتیجے میں منحصر نہیں کیا جاسکتا۔

اور اگر ہم اسے منطقی اور عقلی نقطہ نظر سے دیکھیں تو ضروری ہے کہ ہم انجام کار پر غور وفکر کریں، مفاسد کے خاتمے اور مقاصد کے پورا کرنے نیز سنت الہیہ کے ادراک اور اسکے برتنے پر نظر رکھیں، بلکہ اس پر غلبہ اور تسلط حاصل کرنے کہ کوشش کریں اس قاعدے کی رو سے کہ (ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں)۔

تبصرہ:

مصنف نے یہاں پر تاریخی، واقع حال، منطقی اور عقلی کئی نقطہ ہائے نظر کا ذکر کیا مگر شرعی نقطہ نظر کا ذکر نہیں کیا! جبکہ مذکورہ تمام نقطہ ہائے نظر کیلئے یہی معیار اور میزان ہے۔

کیا یہ واضح دلیل نہیں ہے کہ مصنف شرعی نقطہ نظر پر اعتماد نہیں رکھتا اور نہ ہی اسے قابل عمل بنانا چاہتا ہے، بلکہ شرعی دلائل میں تحریف کی کوشش کی ہے تا کہ اسکے جمہوری ایجنڈے اور مقاصد کے

موافق ہو جائے؟!

یہاں پر مصنف نے بار بار یہ بھی ذکر کیا ہے کہ کچھ بغاوتیں کامیاب رہیں اور انہوں مضبوط حکومتیں قائم کیں، انہیں میں سے مصنف نے عباسی حکومت اور استعمار کے خلاف انقلاب و بغاوت کا بھی ذکر کیا ہے، اور اسی طرح فرانسیسی، امریکی اور روسی انقلابات کی خوب مدح وستائش کی ہے، کہ انہوں نے مضبوط اقتدار قائم کیا اور بہتر قوانین وضع کئے جب کہ یہ سارے انقلابات الحادی اور لادینی تھے، اسی طرح مصنف کا عباسی انقلاب کی تعریف کرنا ایک طرح سے تناقض پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ عباسی حکومت غلبہ اور تسلط کی بنیاد پر قائم ہوئی ہے، مصنف جس کا منکر ہے، اسکے باوجود مصنف نے اسے کامیاب کہا ہے، کیا مصنف کے نزدیک غلبہ اور تسلط والی حکومت کامیاب ہے! اور کیا ایسی حکومت بہتر قوانین وضع کر سکتی ہے؟!

آخر روسی بغاوت نے مسلمانوں پر جو قہر اور ظلم ڈھایا ہے اسے کامیاب کہا جائے گا؟!

اسی بیچ آپ دیکھیں گے کہ مصنف نے بڑی چالاکی سے بغاوتوں اور انقلابوں سے فتنے کے دھبے کو مٹانے کی ایک مذموم کوشش کی ہے تا کہ ان بغاوتوں اور انقلابوں کو لوگوں کی نگاہ میں بہتر بنا کر پیش کیا جا سکے۔ جبکہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " سَتَكُونُ فِتَنٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي، مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ، فَمَنْ وَجَدَ مِنْهَا مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهِ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عنقریب

ایسے فتنے برپا ہوں گے جن میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا ان میں چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا ان میں دوڑنے والے سے بہتر ہوگا، جو دور سے ان کی طرف جھانک کر بھی دیکھے گا تو وہ ان کو بھی سمیٹ لیں گے۔ اس وقت جس کسی کو کوئی پناہ کی جگہ مل جائے یا بچاؤ کا مقام مل سکے وہ اس میں چلا جائے۔" (صحیح بخاری: ۷۰۸۱)۔

اسی طرح مزید ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، أَنّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " خَطَبَ النَّاسَ، فَقَالَ: أَلَا تَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟، قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، فَقَالَ: أَلَيْسَ بِيَوْمِ النَّحْرِ؟، قُلْنَا: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: أَيُّ بَلَدٍ هَذَا؟ أَلَيْسَتْ بِالْبَلْدَةِ الْحَرَامِ؟، قُلْنَا: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ، وَأَعْرَاضَكُمْ، وَأَبْشَارَكُمْ، عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟، قُلْنَا: نَعَمْ، قَالَ: اللَّهُمَّ اشْهَدْ، فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَإِنَّهُ رُبَّ مُبَلِّغٍ يُبَلِّغُهُ لِمَنْ هُوَ أَوْعَى لَهُ فَكَانَ كَذَلِكَ، قَالَ: لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔

ترجمہ: سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یوم النحر کو خطبہ دیا اور فرمایا "تمہیں معلوم ہے یہ کون سا دن ہے؟" لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ بیان کیا کہ (اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی سے) ہم یہ سمجھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا یہ قربانی کا دن (یوم النحر) نہیں ہے؟" ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں، یارسول اللہ! آپ نے پھر پوچھا "یہ کون سا شہر ہے؟ کیا یہ

البلدہ (مکہ مکرمہ) نہیں ہے؟" ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں، یارسول اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" پھر تمہارا خون، تمہارے مال، تمہاری عزت اور تمہاری کھال تم پر اسی طرح حرمت والے ہیں جس طرح اس دن کی حرمت اس مہینے اور اس شہر میں ہے۔کیا میں نے پہنچا دیا؟" ہم نے کہا جی ہاں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اے اللہ! گواہ رہنا۔پس میرا یہ پیغام موجود لوگ غیر موجود لوگوں کو پہنچا دیں کیونکہ بہت سے پہنچانے والے اس پیغام کو اس تک پہنچائیں گے جو اس کو زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو گا۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ بعض بعض کی گردن مارنے لگو۔" (صحیح بخاری:۷۰۷۸)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ ، قَالَ: خَرَجْتُ وَأَنَا أُرِيدُ هَذَا الرَّجُلَ فَلَقِيَنِي أَبُو بَكْرَةَ ، فَقَالَ: أَيْنَ تُرِيدُ يَا أَحْنَفُ؟ قَالَ: قُلْتُ: أُرِيدُ نَصْرَ ابْنِ عَمِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي عَلِيًّا، قَالَ: فَقَالَ لِي: يَا أَحْنَفُ ارْجِعْ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " إِذَا تَوَاجَهَ الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا، فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ "، قَالَ: فَقُلْتُ: أَوْ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ؟، قَالَ: " إِنَّهُ قَدْ أَرَادَ قَتْلَ صَاحِبِهِ ".

ترجمہ: احنف بن قیس سے روایت ہے، میں نکلا اس ارادہ سے کہ اس شخص کا شریک ہوں گا (یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بمقابلہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے) راہ میں مجھ سے ابوبکرہ ملے، کہنے لگے: تم کہاں جاتے ہو اے احنف!؟ میں نے کہا: میں چاہتا ہوں مدد کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی کی یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی۔ابوبکرہ نے کہا: تم لوٹ جاؤ اے احنف! کیونکہ میں

نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "جب دو مسلمان اپنی تلوار لے کر بھڑیں تو مارنے والا اور جو مارا جائے دونوں جہنمی ہیں۔" میں نے عرض کیا یا کسی اور نے کہا: یا رسول اللہ! قاتل تو جہنم میں جائے گا لیکن مقتول کیوں جہنم جائے گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ": وہ بھی تو اپنے ساتھی کے قتل کے درپے تھا۔" (صحیح مسلم: ۲۸۸۸)۔

سوال یہ ہیکہ اس وقت مسلم ممالک کے اندر خروج و بغاوت اور انقلاب کے نام پر، مصنف جسکا پرزور مناد ہے، قتل وخونریزی کا بازار گرم ہوا ہے عزت وآبرو لوٹے گئے، املاک کی تباہی ہوئی اور حقوق کا ضیاع ہوا کیا یہ سب فتنہ نہیں ہے؟ مسلم حکام کے خلاف خروج و بغاوت کے ذریعے بلا کسی شرعی موجب کے خون کی ندیاں بہائی گئیں کیا یہ فتنہ نہیں ہے؟

خونی مظاہروں اور دھرنوں کے ذریعے جو ہڑبونگ اور فساد مچائے گئے کیا وہ سب فتنہ نہیں ہے؟

یقینا مصنف کی یہ بات بعض ان منافقین جیسی ہے جسے قرآن میں نقل کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ ائْذَن لِّي وَلَا تَفْتِنِّي أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ) ترجمہ: اور ان میں سے بعض وہ ہے جو کہتا ہے مجھے اجازت دے دے اور مجھے فتنے میں نہ ڈال۔ سن لو! وہ فتنے ہی میں تو پڑے ہوئے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کو ضرور گھیرنے والی ہے۔ (التوبہ: ۴۹)۔

میں کہتا ہوں کہ یہ منافق جد بن قیس جہاد سے پیچھے رہ کر جس عظیم فتنے میں گرفتار ہوا وہ عورتوں کے فتنے سے کہیں بڑا تھا۔

فتنوں کے کئی اسباب ہوتے ہیں: دنیاوی فتنے مال و دولت، عورتوں، آل واولاد اور شہوات

کے ذریعے ہوتا ہے، اور دینی فتنے گمراہ کن شبہات اور بیہودہ نفس پرستی کے ذریعے ہوتا ہے، اسی فتنے میں سے منافقین اور ان بدعتیوں کا فتنہ بھی ہے جن پر حق و باطل اور ہدایت و گمراہی گڈ مڈ ہو چکی ہے، اور وہ حیران و پریشان، کرب و اضطراب اور عظیم تناقض کا شکار ہیں، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم۔

اور ان تمام فتنوں سے نجات اسی صورت میں مل سکتی ہے جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالص اتباع کریں گے اور کتاب وسنت کو اپنے تمام چھوٹے بڑے معاملات میں نافذ کریں گے، خواہ وہ دینی احکام و عقائد ہوں یا دنیاوی معاملات، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز میں فیصل بنائیں، کیونکہ ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اقوال و افعال میں منحصر ہیں، اس سے جو بھی خارج ہے وہ گمراہی ہے، کتاب وسنت کے اسی منہج پر جو قائم رہے گا وہی تمام فتنوں سے نجات پائے گا خواہ وہ شبہات کے فتنے ہوں یا شہوات کے۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا کہ بعض سلف نے کہا ہے کہ دو قسم کے لوگوں سے دور رہو: ایک ہوا پرست جسے اسکی نفس پرستی نے فتنے میں مبتلا کر رکھا ہو اور دوسرا دنیا پرست جسے دنیا نے اندھا بنا رکھا ہو۔ (اعلام الموقعین لابن القیم: ۱/۱۰۶)۔

پھر مصنف نے یہ گمان کیا کہ (اگر ہم اسے تاریخی اعتبار سے دیکھیں تو ضروری ہے کہ ہم خلفائے راشدین کی سنت اور انکے تعامل وسلوک سے رہنمائی حاصل کریں حتی کہ انقلاب و بغاوت کے ساتھ تعامل کرنے میں بھی)۔

اسے ہم جھوٹا لباس کہیں گے یعنی ایسی چیز کا دعوی کرے جو اسکے پاس نہ ہو، چنانچہ یہ بندہ ایک طرف خلفائے اربعہ کی اقتداء کی بات کرتا ہے اور دوسری طرف ببانگ دہل کہتا ہے کہ خلافت راشدہ کی حکومت کا تجربہ دہرایا نہیں جاسکتا۔

پھر مصنف سے کہا جائے گا کہ بغاوتوں کے تئیں خلفائے اربعہ کا موقف بہت ہی سخت تھا، وہ خروج و بغاوت جیسے فتنوں کی جڑوں کے کاٹنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے، اور اس تعلق سے وہ شرعی منہج پر عمل پیرا تھے، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیگر صحابہ کے ساتھ مرتدین اور مانعین زکاۃ کی بغاوتوں کو سختی سے کچل کر رکھ دیا، یہاں تک کہ انہیں حق پر قانع کرلیا، اسی طرح جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ بلوائی خارجیوں کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں تو آپ نے ان سے نپٹنے کیلئے صوبوں کے گورنروں کے پاس خطوط لکھے تاکہ وہ مدینہ کی حفاظت اور ان باغی خوارج سے مقابلہ کرنے کیلئے فوج بھیج دیں۔ اسی طرح سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ کے ساتھ ملکر صحابہ کرام نے خوارج سے جو جنگ کی اور انہیں جنگ نہروان میں دوڑا دوڑا کے مارا یہ سب واضح دلیل ہے کہ خلفائے راشدین خوارج اور باغیوں کے خلاف بہت سخت تھے۔

اہل علم نے نقل کیا ہے کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے گورنروں سے فوج کا مطالبہ کیا تھا تاکہ ان بلوائیوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں، چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے شام، کوفہ اور بصرہ سے فوج کا مطالبہ کیا تھا تاکہ بلوائیوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں۔ اور سب نے اپنی اپنی فوج بھیج بھی دی تھی مگر وہ جیسے ہی مدینہ کے قریب پہونچے تو پتہ چلا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے۔ (البدایہ والنہایہ: ۷ / ۱۸۰)۔



مصنف نے آگے ص ۹۱ / پر کہا:

(پانچویں: انقلاب و بغاوت پرامن اور ہنسا کے درمیان:

ہنسا اور تشدد کا سہارا لینا بہت ہی خطرناک پہلو ہے جو خانہ جنگی کیلئے ایک وسیع دروازہ کھول دیتا ہے، برخلاف پلاننگ کے ساتھ پرامن سے مظاہرہ کرنے کے، اور اس پرامن تحریک اور اسکے اظہار کیلئے بڑے واضح طور پر نبوی نصیحت موجود ہے اور جسے اعتزال اور گوشہ نشینی سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ صحیحین میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " يُهْلِكُ أُمَّتِي هَذَا الْحَيُّ مِنْ قُرَيْشٍ "، قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟، قَالَ: " لَوْ أَنَّ النَّاسَ اعْتَزَلُوهُمْ ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہلاک کرے گا لوگوں کو یہ خاندان قریش میں سے۔" اصحاب رضی اللہ عنہم نے کہا: پھر ہم کو کیا حکم ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر لوگ ان سے الگ رہیں تو بہتر ہے۔"

یہاں قریش کے اس خاندان سے مقصود وہ لوگ ہیں جنہوں نے خلافت راشدہ کے بعد حکمرانی کی ہے، اور لوگوں کو ہلاک کرنے سے مراد قتل اور جبر وزور ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمنا کیا ہے کہ لوگ ان سے الگ تھلگ رہیں، یعنی ان کا ساتھ نہ دیں ان امور میں جن سے عزائم کو دھچکا لگے اور انکی سلطنت خطرے میں ہو، گویا اس سے مراد پرامن مزاحمت یا سول نافرمانی اور انکے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کرنا ہے)۔

تبصرہ:

مصنف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول (اگر لوگ ان سے الگ رہیں تو بہتر ہے) میں تحریف کی ہے، اور اس حدیث کے معنی بیان کرنے میں اہل علم کے طریقے سے خروج کیا ہے، چنانچہ حدیث کے اندر موجود اعتزال اور الگ تھلگ رہنے کے مفہوم کی صراحت کرتے ہوئے علمائے اہل سنت والجماعہ نے کہا ہے کہ حکام سے الگ تھلگ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ انکے معاملات میں نہ مداخلت کریں اور نہ ہی انکے ساتھ قتال کریں بلکہ اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے فتنوں سے الگ تھلگ رہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے تو اس حدیث ہی سے دور رہنے کی تلقین کی ہے کیونکہ یہ حدیث ان عام حدیثوں کے خلاف ہے جن میں حکام کی اطاعت اور انکے ظلم و جور پر صبر کرنے کا حکم آیا ہے۔ (مسند احمد: ۱۳/ ۳۸۳)۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مزید اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ معتزلہ اس حدیث سے حجت پکڑتے ہیں، یعنی ترک جمعہ میں۔ (کتاب الورع، ص ۳۶)۔

مروزی کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، معتزلہ اس حدیث سے حجت پکڑتے ہیں، یعنی ترک جمعہ میں۔ (المنتخب من علل الخلال: ۱/ ۱۹، امام خلال کہتے ہیں کہ امام احمد کے نزدیک یہ حدیث شاذ ہے)۔

چنانچہ آج بھی اگر کوئی اس حدیث سے خروج اور پرامن تحریک ومظاہرہ کیلئے حجت پکڑے تو وہ معتزلہ اور خوارج کے راستے پر ہے، اہل سنت والجماعہ سے دور ہے، نسال اللہ العافیہ والسلامۃ۔

حدیث کے الفاظ اعتزال اور الگ تھلگ رہنے کو پرامن تحریک اور مظاہرے کے معنی میں لینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں واضح تحریف ہے، آج تک کسی بھی معتبر عالم نے یہ تفسیر اور

مفہوم نہیں بتایا ہے۔

ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ علانیہ ان پر نکیر نہ کرو بلکہ صبر کروتا کہ فتنہ وفساد نہ ہو، اور یہ بہتر تاویل ہے۔ (کشف المشکل من حدیث الصحیحین: ۱/ ۹۷۵)۔

مزید کہا کہ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ حکام کے جور وظلم پر صبر کرنا چاہیئے اور انکے خلاف خروج و بغاوت نہیں کرنا چاہیئے، ان سے صادر ہونے والی غلطیوں سے اعراض کرنا چاہیئے، اور یہ موقف اس وقت تک اپنانا چاہیئے جب تک وہ نماز قائم کریں اور وہ کفر صریح کا ارتکاب نہ کریں۔ (المفھم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم: ۱۰/ ۱۱۷)۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے ابوموسی المدینی کا یہ مفید کلام نقل کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ہے لیکن جن کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے انہوں نے اسے فتنوں کے اوقات اور اقتدار کی خاطر قتال کے وقت کیلئے ہے جب کہ جماعت کو لازم پکڑنے والی حدیثیں اتفاق واتحاد کے وقت کیلئے ہیں، اس طرح دونوں طرح کی حدیثوں کے درمیان تطبیق ہوجائے گی بایں طور یہ اجتماعیت کے وقت کیلئے ہے اور وہ فتنوں اور جنگ وجدال کے وقت کیلئے ہے۔ واللہ اعلم۔ (الفروسیہ، ص ۲۷۰)۔

ابن حجر نے کہا کہ انکے معاملات میں نہ مداخلت کریں اور نہ ہی انکے ساتھ قتال کریں بلکہ اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے فتنوں سے الگ تھلگ رہیں۔ (فتح الباری: ۱۳/ ۱۰)۔



مصنف نے آگے ص ۹۲ / پر کہا:

(اور وہ بڑی قیمت جسے یورپین اقوام نے اپنے مشتعل بغاوتوں اور انقلابوں میں چکائی تھی کوئی ازلی مقدر نہیں تھا، بلکہ ان اقوام نے اپنے خونوں اور قربانیوں سے ان کیلئے راہ ہموار کیا تھا، اور آج دنیا قوموں کے حقوق کی بازیابی کیلئے بالکل مختلف ہے، بطور خاص جان ژاک روسو کے نظریہ معاشرتی معاہدہ کے عدم ہونے کے بعد)۔

تبصرہ:

مصنف نے کہا کہ: (اور وہ بڑی قیمت جسے یورپین اقوام نے اپنے مشتعل بغاوتوں اور انقلابوں میں چکائی تھی کوئی ازلی مقدر نہیں تھا، بلکہ ان اقوام نے اپنے خونوں اور قربانیوں سے ان کیلئے راہ ہموار کیا تھا)۔

سوال یہ ہیکہ کیا اللہ کی تقدیر کے بغیر کوئی چیز وجود پذیر ہوسکتی ہے یہاں تک کہ کوئی کہے کہ ان قوموں کا یہ عمل مقدر نہیں تھا، جبکہ قرآن کے اندر اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ) ترجمہ: بے شک ہم نے جو بھی چیز ہے، ہم نے اسے ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ (القمر: ۴۹)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا) ترجمہ: اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کا اندازہ مقرر کیا، پورا اندازہ۔ (الفرقان: ۲)۔

دراصل اس طرح کے ملحدانہ الفاظ کا استعمال بعض معاصر مفکرین کرتے ہیں، اور یہ ان گھٹیا الفاظوں میں سے ہے جسے مصنف کو استعمال نہیں کرنا چاہیئے تھا، بلکہ ضروری تھا کہ الفاظ کے چناؤ میں

شرعی طریقہ استعمال کیا جاتا اور ایسے باطل معنوں کے محتمل الفاظ سے دور رہا جاتا۔

یہاں پر بھی جان ژاک روسو کے نظریہ معاشرتی معاہدہ سے مصنف متاثر نظر آتا ہے بلکہ اپنے جمہوری تجربے کے حق میں اس سے استدلال کیا ہے اس پر کسی طرح کا کوئی نقد نہیں کیا ہے۔

اس نظریئے کا بانی جان ژاک روسو (۱۷۱۲ء-۱۷۷۸ء) ایک فلسفی ہے ایک فرانسیسی خاندان میں جنیوا کے اندر پیدا ہوا، اسکی زندگی فقر و محتاجگی، ناکامی اور بد اخلاقی سے عبارت ہے، اسکے پانچ بچے تھے سب کو چلڈرن ہاوس بھیج دیا تھا، اس نے معاشرتی معاہدہ نام کی ایک کتاب لکھی تھی جس کے اندر اس نے آزادی اور مساوات کا نعرہ بلند کیا ہے، اسی طرح اعترافات نام کی ایک کتاب لکھی ہے جس کے اندر اس نے اپنے اخلاقی انحراف اور برائیوں کا اعتراف کیا ہے، روسو خودکشی کر کے دنیا کو پاک کر گیا یا بقول دیگر ہارٹ اٹیک کے ذریعے مرا تھا۔ (تطور الفکر التربوی للدکتور سعد موسی احمد، ص ۴۱۶)۔

اور اس سے پہلے اس کے نظریئے پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے کہ یہ مغربی فلسفیانہ نظریہ کفر و الحاد اور رسالتوں کی تکذیب پر قائم ہے۔ دیگر منحرف مناہج کے ساتھ مصنف کا یہ بھی ایک منحرف منہج ہے۔



مصنف نے آگے ص ۹۳ / پر کہا:

(فریڈم ہاوس فاونڈیشن کے ذریعے کئے گئے ایک سروے کی روشنی میں آخری دس سالوں کے دوران آزادی پسند ملکوں میں خاطرخواہ اضافہ ہوا ہے۔

کتاب کے اندر معلومات کا خزانہ، تجربات اور ایسے اسالیب ہیں جنہیں تاریخی اور واقع حال کے اعتبار سے استعمال کیا گیا ہے جن کی تعداد دوسو تک پہونچتی ہے، اور جنہیں چن کر مختلف ظروف وحالات میں آج بھی اور سخت سے سخت سیکورٹی قیدو بند کے اندر استعمال کیا جاسکتا ہے۔

بلکہ اسی کتاب کے اندر ایسے شدید تاثیر والے اسالیب کا بیان ہے جنہیں سیکورٹی فورسز کے ذریعے پتہ لگانا دشوار ہوتا ہے، جیسے کہ لباس کے اشاروں میں اپنی بات رکھنا، کچھ نعروں، شعاروں اور غباروں کے ذریعے اپنی رائے کا اظہار کرنا، اسی طرح ایک لمبی فہرست ہے)۔

تبصرہ:

اس کتاب سے مقصود جین شارپ کی (**من الديكتاتورية الى الديمقراطية: اطار تصوری للتحرر**) ہے، جسے آئنسٹائن ادارے نے شائع کیا ہے۔

سچ فرمایا ہے اللہ رب العالمین نے:(فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ) ترجمہ: پھر اگر یہ تمہاری نہ مانیں تو تم یقین کرلو کہ یہ صرف اپنی خواہش کی پیروی کررہے ہیں۔اور اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہے؟ جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہو بغیر اللہ

کی رہنمائی کے، بیشک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔(القصص:۵۰)۔

اور حقیقت یہ ہیکہ مصنف نے جب کتاب وسنت کی صریح رہنمائی سے جب اعراض کرلیا تو یہود ونصاری اور ملحدین کی گمراہیوں میں جا گرا، اور انہیں کو اپنے لئے مشعل راہ بنالیا جس کی بنیاد پر گمراہی میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

یہاں پر یہ جاننا ضروری ہے کہ مصنف کا آخر انقلاب و بغاوت پر ابھارنے والی کتاب کی تشہیر کرنے کا کیا مقصد ہے؟! اس کتاب کا مصنف جین شارپ جسکی پیدائش ۲۱ / جنوری ۱۹۲۸ء کو ہوئی، جسکا باپ یہودی اور ماں عیسائی تھی، جو ایک امریکی یونیورسٹی میں پولیٹکل سائنس کا استاذ تھا اور ایک بار امن وسلامتی کے میدان میں نوبیل پرائز کیلئے امیدوار بھی رہ چکا ہے۔

اس کتاب میں یہ فکرہ پیش کیا گیا ہے کہ مضبوط حکومتوں کو معارضین کی طرف سے پر امن مزاحمت کے ذریعے بغیر مسلح کارروائی کے کیسے گرایا جاسکتا ہے؟!

حکومتوں کو گرانے کیلئے یہ یہودی اپنی کتاب میں یہ فکر دیتا ہے کہ ایسے ملکوں کے مظلوم باشندوں کی بیرونی مدد کرنا چاہیے، انہیں حوصلہ دیکر انکے اندر حکومت مخالف جذبات پیدا کرنا چاہئے اور ملک کے اندر خفیہ اداروں اور تنظیموں کی تشکیل دینی چاہیئے، اور ایسے حکومت مخالف معارضین کو کھڑا کرنا چاہئے جو دیگر مزاحمتی تنظیموں کے ساتھ ملکر حکومت کے خلاف کام کرسکیں، اور پھر مناسب موقع اور حکومتی کمزوری کو دیکھ کر حکومت کے خلاف خروج و بغاوت کر دینا چاہیے تاکہ آسانی کے ساتھ حکومت گر جائے۔ اور یہی خوارج اور معتزلہ کا طریقہ بھی ہے۔

اور مصنف بھی یہود ونصاری جیسے اعدائے اسلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مسلم ممالک کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے۔

یہاں پر قارئین کو اس بات سے بھی آگاہ کرنا مناسب ہیکہ مصنف جن قربانیوں اور جدو جہد اور خون پیش کرنے کی بات کر رہا ہے وہ کبھی اس میں شریک نہیں ہوگا اور نہ ہی اپنے بچوں کو شریک ہونے دے گا، بس ایسے لوگ بغاوت اور انقلاب کے نتیجے میں حاصل ہونے والے پھل کا انتظار کرتے ہیں، اور لاشوں کے ڈھیر پر سیاست کرتے ہیں، ہاں انکی خاطر قربان ہونے والوں کو یہ اپنی طرف سے سخاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ضرور شہید کا لقب دے دیتے ہیں، اور یہ بغاوت کی کامیابی کی صورت میں ہوتا ہے، لیکن اگر بغاوت ناکام ہوجائے تو ممکن ہے اس میں شریک ہونے والوں کو مصنف جیسے لوگ برا بھلا بھی کہیں، انکی مذمت کریں، ان پر لعن طعن کریں، اور ایسا یہ لوگ القاعدہ تنظیم کے ساتھ کر چکے ہیں، کہ جب انکی کمزوری اور ناکامی کو دیکھا تو ذہنی براءت کا اظہار کرلیا جبکہ اسے آگے بڑھانے اور نوجوانوں کو اس میں جھونکنے میں یہی لوگ پیش پیش تھے، سچ کہا ہے اللہ رب العالمین نے: (وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ) ترجمہ: اور جب شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال خوش نما بنا دیے اور کہا آج تم پر لوگوں میں سے کوئی غالب آنے والا نہیں اور یقینا میں تمھارا حمایتی ہوں، پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ اپنی ایڑیوں پر واپس پلٹا اور اس نے کہا بے شک میں تم سے بری ہوں، بے شک میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ بہت سخت عذاب والا ہے۔ (الانفال:۴۸)۔



مصنف نے آگے ص ۹۴ / پر کہا:

(ڈکٹیٹر شپ کی کچھ کمزور پوائنٹس ہوتے ہیں، مناسب موقع دیکھ کر اگر ان پر وار کیا جائے تو بہت ہی قاتل ہوتا ہے، جیسا کہ کعب اخیل کا واقعہ اس پر شاہد ہے، جو کہ ایک یونانی شہسوار تھا جسکی ماں نے سوچ رکھا تھا کہ یہ ہمیشہ باقی رہے گا)۔

تبصرہ:

اسے بھی مصنف نے جین شارپ کی کتاب سے استفادہ کیا ہے، چنانچہ یہ معلوم رہے کہ شرعی حکمرانی اور ملوکیت مصنف کے نزدیک ڈکٹیٹر شپ کی قسموں میں شمار ہوتی ہے۔

شیخ عبداللہ بن حمید رحمہ اللہ نے کہا کہ دین اور بادشاہت واقتدار دونوں کا کارشتہ چولی دامن کا ہے، چنانچہ جو دین کے خلاف ہوگا وہ مسلم بادشاہوں کے بھی خلاف ہوگا اور جو مسلم حکام کے خلاف ہوگا وہ دین کے بھی خلاف ہوگا خواہ وہ نصرت اسلام کا کتنا ہی دکھاوا کرلے، اسلئے کہ اسلام کے اندر سیاست شرعیہ کی مخالف کرنے سے منع کیا گیا ہے، اسلام کے اندر کہا گیا ہے کہ جو جماعت کو چھوڑ کر مر جائے اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ مزید یہ کہ جو مسلم حکام کی تذلیل کرے گا اللہ اسکی تذلیل کرے گا۔ مزید یہ کہ سلطان زمین کے اندر اللہ کا نائب ہے۔ چنانچہ جو حکام کے خلاف خروج و بغاوت کرے اور دعوی اسلام کی نصرت ومدد کا ہو تو یقینا وہ جھوٹا ہوگا کیونکہ اگر وہ مخلص ہوتا تو حاکم کو نصیحت کرتا اسکے لئے ہدایت کی دعا کرتا۔ (الدرر السنیہ: ۱۵ / ۲۷)۔

اور جہاں تک کعب اخیل کے واقعے کا تعلق ہے تو یہ ایک خرافاتی واقعہ ہے، جس سے مصنف

نے شرعی نظام حکمرانی کی مذمت اور اسکے گرانے کے طریقے پر استدلال کیا ہے!!
اور مزید یہ کہ اس خرافاتی واقعے کا ناقل مسلمان بھی نہیں بلکہ مسلمانوں کا سخت ترین دشمن ایک یہودی ہے!
ایسے میں یہی کہوں گا کہ بربادی ہو ایسے شخص کیلئے جو کتاب وسنت کے واضح پیغام اور نصوص کو ترک کرکے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اور حاسد وحاقد ایک یہودی کے کلام سے استفادہ کیا ہے، اسی طرح برا ہو ایسے شخص کا جو اس طرح کی کتابوں کے پڑھنے کی رغبت دلائے اور انکی تعریف کرے جیسا کہ مصنف کی عادت ہے، جیسا کہ ص ۹۴ کے اندر کہا کہ (کتاب کے اندر معلومات کا خزانہ، تجربات اور ایسے اسالیب ہیں جنہیں تاریخی اور واقع حال کے اعتبار سے استعمال کیا گیا ہے جن کی تعداد دوسو تک پہونچتی ہے، اور جنہیں چن کر مختلف ظروف وحالات میں آج بھی اور سخت سے سخت سیکورٹی قیدو بند کے اندر استعمال کیا جا سکتا ہے)۔
مصنف کی گمراہی اس حد تک پہونچ چکی ہے کہ یہ محدثین پر طنز کرتے نظر آتا ہے کیوں کہ انہوں نے ایسی حدیثوں کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے جو مصنف کے منہج کے خلاف ہیں جیسے کہ سمع وطاعت اور مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنے والی حدیثیں، چنانچہ ایک جگہ مصنف کہتا ہے: (بعض لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حاکم کے ظلم کو برداشت کرنے کی تلقین آئی ہے بایں الفاظ کہ گرچہ وہ تمہاری پشت پر کوڑ ابرسائے اور تمہاری دولت ضبط کرلے پھر بھی اسکی سمع وطاعت کرو۔ اسے طرح کچھ لوگ یہ حدیث بھی دہراتے نظر آتے ہیں جس میں وارد ہوا ہے کہ صبر کرو، کیونکہ جو بھی زمانہ گزر رہا ہے وہ پہلے کے مقابلے زیادہ برا ہے، یہاں تک تم اپنے رب سے جاملو۔)۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے اس قدر دوری اور انحراف کا شکار ہے کہ اسے طنز اور

تلبیس کے پیرائے میں ذکر کرتا ہے جب کہ یہود ونصاری اور ملحدین فلاسفہ کے اقوال وآراء کو شرح صدر کے ساتھ نقل کرتا ہے!

یقینا یہ طریقہ مسلمانوں کے ساتھ ایک خیانت اور دھوکہ ہے، جس کا مقصد مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنا اور انہیں خانہ جنگی کی طرف ڈھکیلنا ہے جس سے کہ خروج و بغاوت اور انقلاب کی راہیں ہموار ہوسکیں، اور یہی اعدائے اسلام کا مقصد ہے، واللہ المستعان۔

اور بلا شبہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ یہود سب سے زیادہ دشمنی رکھتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ) ترجمہ: وہ چاہتے ہیں کاش کہ تم کفر کرو جیسے انھوں نے کفر کیا، پھر تم برابر ہو جاؤ، سوتم ان میں سے کسی طرح کے دوست نہ بناؤ۔ (النساء: ۸۹)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا) ترجمہ: یقیناً آپ ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے۔ (المائدہ: ۸۲)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، وہ تمھیں کسی طرح نقصان پہنچانے میں کمی نہیں کرتے، وہ ہر ایسی چیز کو پسند کرتے ہیں جس سے تم مصیبت میں پڑو۔ ان کی شدید دشمنی تو ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور جو کچھ ان کے سینے چھپا رہے ہیں وہ زیادہ بڑا ہے۔ بے شک ہم نے تمھارے لیے

آیات کھول کر بیان کر دی ہیں، اگر تم سمجھتے ہو۔ (آل عمران: ۱۱۸)۔

آپ دیکھیں گے تو اس یہودی جین شارپ کا اسوہ اور قدوہ ابن سبا جیسے خبیث یہودی کو پائیں گے جنہوں نے ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ حقد وحسد اور سازش کی ہے، ایسے میں ہمیں مصنف کی حقیقت کو جاننے اور اسکے مکروفریب سے بچنے کی ضرورت ہے!

یہودیوں کی ایک سب سے گھناؤنی عادت کو بیان کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے: (كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ) ترجمہ: جب کبھی وہ لڑائی کی کوئی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور وہ زمین میں فساد کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ (المائدہ: ۶۴)۔

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ یہودی جب بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی سازش کرتے اللہ اسے ختم کر دیتا اور الٹا انہیں کو منہ کی کھانی پڑتی۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳ / ۱۴۷)۔

چنانچہ دور حاضر میں جین شارپ جیسے یہودی چالبازوں اور سازش کاروں کی طرف سے عالم عرب اور تمام دنیا میں فتنہ وفساد بھڑکانے کی جو سازش جاری ہے اور یہ بھی اللہ کے اس عمومی وصف میں شامل ہے: (جب کبھی وہ لڑائی کی کوئی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے)۔

یہاں پر فتنے اور فساد کی آگ مراد ہے، مکروسازش اور جنگ بھڑکانے کی آگ مراد ہے۔ یہ عدل وانصاف اور آزادی دلانے کے دعوی کے ذریعے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔



مصنف کی طرف سے خوارج اور معتزلہ کی طرح مسلم حکام کے خلاف مسلح خروج و بغاوت کی تائید اور اسکی دعوت دینا

مصنف نے آگے ص ۹۴ / پر کہا:

(لیبیا میں طاقت کا استعمال کیا گیا اور جزوی طور پر سیریا میں بھی ہوا ہے، لیکن ٹارگٹ تک پہونچنے کیلئے درج ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے:

پہلا امر:

جب تمام آپشن ختم ہو جائیں اس وقت آخری آپشن کے طور پر طاقت کا استعمال کیا جائے۔

دوسرا امر:

طاقت کا استعمال شروع میں نہ کیا جائے بلکہ حکومت کی طرف سے احتجاجیوں کے خلاف سختی اپنائے جانے پر کرنا چاہیئے۔

تیسرا امر:

اس طاقت کا استعمال پوری قوم کی طرف سے ہونا چاہیئے، کسی فرد یا جماعت کی طرف سے نہیں، کیونکہ اس سے وہ تنہا پڑ جائیں گے۔

چوتھا امر:

یہ خیال رہے کہ طاقت کا استعمال عالمی رائے عامہ کے خلاف نہ ہو، بلکہ علاقائی اور عالمی سطح پر اسے تائید حاصل ہو تا کہ اسکا بہتر نتیجہ سامنے آئے۔

پانچواں امر:

اس میں کسی کو زبردستی ملوث کرنے یا دینی یا قبائلی شعائر کے استعمال کرنے سے بچنا چاہئے تاکہ معاشرے کی تکثیریت اور اسکی شہری حقوق کو نقصان نہ پہونچے)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف نے صراحت کے ساتھ مسلح بغاوت اور حکام کے خلاف خروج و بغاوت نیز امت مسلمہ پر تلوار اٹھانے کو جائز ٹھہرایا ہے، اور حاکم کے اندر کفر صریح وغیرہ جیسی کوئی شرط بھی نہیں لگائی ہے، اس طرح خوارج اور معتزلہ کے مذہب کی پوری تائید کی ہے۔

یہاں اصل مقصود لیبیا کا قذافی اور سیریا اسد نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں ملحد اور باطنی ہیں، اصل مقصود مصنف کا مسلم حکام کے خلاف خروج و بغاوت کو جائز ٹھہرانا ہے اگر وہ ظلم کریں، یہیں پر مصنف نے اہل سنت والجماعہ سے اختلاف کیا ہے۔

اور قذافی کے ساتھ مصنف کا موقف بھی دوہرے معیار کا ہے کیونکہ مصنف نے پہلے قذافی کا ساتھ دیا ہے اسکی اور اسکے ملک کی تعریف کی ہے پھر بعد میں بالکل برعکس اسکے ملک کا دشمن بن گیا، یوتیوب پر "تقلبات وتناقض سلمان العودہ مع لیبیا والقذافی" موجود ہے۔

مصنف نے خوارج اور معتزلہ کے خارجی افکار کو جین شارپ جیسے ملحد کفار اور متاخرین معتزلہ کی کتابوں سے ثابت کیا ہے۔

حتی کہ مصنف نے جین شارپ پر تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ طاقت کا استعمال شرعی شروط نہیں بلکہ مذکورہ پانچوں ضوابط کے تحت کرنا چاہئے۔ یعنی مغربی ضوابط کی روشنی میں، واللہ المستعان۔



مصنف نے آگے ص ۹۷/ پر کہا:

(چھٹا امر: اس بغاوت اور انقلاب کے پیچھے کون کھڑا ہوتا ہے: کوئی پارٹی، کوئی سازش یا قوم؟)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف قارئین کو یہ باور کروانے کی کوشش میں ہے کہ بغاوتوں اور انقلابوں کا سبب کوئی سازش نہیں بلکہ عوام کی ناراضگی اور غضبناکی ہے، اور اس پر بعض مغربی فلاسفہ کے اقوال سے استدلال بھی کیا ہے، جب کہ شرعی نصوص مصنف کے مقصد کے بالکل برخلاف دلالت کرتے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:(وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ) ترجمہ: اور بے شک انھوں نے تدبیر کی، اپنی تدبیر اور اللہ ہی کے پاس ان کی تدبیر ہے اور ان کی تدبیر ہرگز ایسی نہ تھی کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں۔ (ابراہیم: ۴۶)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ) ترجمہ: کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے منافقت کی، وہ اپنے ان بھائیوں سے کہتے ہیں جنھوں نے اہل کتاب میں سے کفر کیا، یقینا اگر تمھیں نکالا گیا تو ضرور بالضرور ہم بھی تمھارے ساتھ نکلیں گے اور تمھارے بارے میں کبھی کسی کی بات نہیں مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ضرور بالضرور ہم تمھاری مدد کریں

گے اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ بلاشبہ وہ یقینا جھوٹے ہیں۔(الحشر:۱۱)۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:(وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَابِرَ مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا فِيهَا وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ) ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں سب سے بڑے اس کے مجرموں کو بنا دیا، تاکہ وہ اس میں مکروفریب کریں اور وہ مکروفریب نہیں کرتے مگر اپنے ساتھ ہی اور وہ شعور نہیں رکھتے۔(الانعام:۱۲۳)۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:(وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) ترجمہ: بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں کاش! وہ تمھیں تمھارے ایمان کے بعد پھر کافر بنا دیں، اپنے دلوں کے حسد کی وجہ سے، اس کے بعد کہ ان کے لیے حق خوب واضح ہو چکا۔سو تم معاف کرو اور درگزر کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔بے شک اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔(البقرہ:۱۰۹)۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:(وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ) ترجمہ: اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا تم دن کے شروع میں اس چیز پر ایمان لاؤ جو ان لوگوں پر نازل کی گئی ہے جو ایمان لائے ہیں اور اس کے آخر میں انکار کر دو، تاکہ وہ واپس لوٹ آئیں۔(آل عمران:۷۲)۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:(وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ) ترجمہ: اور جب وہ لوگ جنھوں

نے کفر کیا، تیرے خلاف خفیہ تدبیریں کر رہے تھے، تاکہ تجھے قید کر دیں، یا تجھے قتل کر دیں، یا تجھے نکال دیں اور وہ خفیہ تدبیر کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔(الانفال:۳۰)۔

اس طرح کی بہت ساری آیتیں ہیں مگر ان میں جو سب سے زیادہ صریح ہے وہ یہ اللہ کا قول ہے:(وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا) ترجمہ: اور وہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے، یہاں تک کہ تمھیں تمھارے دین سے پھیر دیں، اگر کرسکیں۔(البقرہ:۲۱۷)۔

اور سنت سے بہت سارے دلائل مل جائیں گے ان میں کچھ سیرت میں ہیں، کچھ صحاح میں، کچھ مسانید میں جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہودی کس طرح مشرکین کے ساتھ ملکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرتے تھے، غزوہ احد، احزاب اور دیگر لڑائیوں میں کفار کے ساتھ رہے، مدینہ میں یہودیوں نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا اور ابن سبا یہودی تو سازش اور فریب سے عبارت ہے۔

اسلامی تاریخ کا شروع سے لیکر آج تک کا جائزہ جو بھی لے گا اسے نظر آئے گا کہ اہل باطل ہمیشہ سے مسلمانوں کے خلاف ایک دوسرے کا تعاون کرتے رہے ہیں۔شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ نے اپنی ایک خطبے (۱۵ / ۳ / ۱۴۳۲ھ) میں کہا: تیونس اور مصر سے بغاوتیں شروع کر دی گئی ہیں، اعدائے اسلام مسلمانوں کو بکھیر دینا چاہتے ہیں، وہ نہیں چاہتے کہ مسلمان کہیں مضبوطی کے ساتھ رہیں، یہ اپنے میٹھے کلام اور پروپیگنڈوں کے ذریعے بھولی عوام کو دھوکہ دیتے ہیں، اعدائے اسلام مسلمانوں کی اجتماعیت اور اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کیلئے مختلف وسائل کا استعمال کرتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنے ملکوں میں مختلف دینی جماعتوں اور سیاسی پارٹیوں میں تقسیم ہو جائیں اور ہر جماعت

دوسرے سے نفرت کرے، وہ دین اور سیاست کو الگ کر دینا چاہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دین صرف مساجد میں رہے، مساجد سے باہر دین کا کوئی کردار نہ دکھائی دے، دوسری جگہوں پر یہ وضعی قوانین کو نافذ کرنا چاہتے ہیں، یہ ملحدین اور کفار کا طریقہ ہے، انہوں نے اس کے لئے خود ہمارے مسلمانوں میں ایجنٹ پیدا کر رکھے ہیں جو حکام کے خلاف عوام کو ابھارتے ہیں، مظاہروں کیلئے اکساتے ہیں، یہ سب دھوکے میں ہیں، انہیں انجام کا پتہ نہیں، فتنوں کے دور میں اصلاح حال کی دعاء کرنی چاہئے اور فتنوں سے دور رہنا چاہیئے کیونکہ اس سے مزید فساد پیدا ہوتا ہے، اپنی اختلاف اور انتشار پیدا ہوتا ہے جو پھر کبھی ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔

دراصل کفار و منافقین چاہتے ہیں کہ تم جن نعمتوں میں ہو وہ چھن جائیں اور تم بھی دوسرے محروم لوگوں کی طرح ہو جاؤ، تمہارے ملک میں بھی انتشار اور انارکی پیدا ہو جائے، تمہاری جماعت بھی منتشر ہو جائے، تمہارے حکام ختم ہو جائیں اور دشمن تم پر بھی مطلب ہو جائیں، اعدائے اسلام مسلمانوں کا مقابلہ کرنے سے عاجز آگئے ہیں اسی لئے اب وہ مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ دیکھ رہے ہیں کہ سوشل میڈیا اور دیگر ذرائع ابلاغ کی وجہ سے اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے اسی لئے وہ بدحواس ہو گئے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ مسلم ملکوں میں دہشت گردی سے لیکر انارکی، بداخلاقی اور اختلاف کی تمام چیزوں کو پھیلا دیں تاکہ مسلمان ہر اعتبار سے کمزور ہو جائیں تاکہ انکی آنکھوں کو کچھ ٹھنڈک مل سکے)۔

پھر یہ بغاوتیں اور انقلابات کو منظم کرنے والا کوئی بھی ہو کوئی جماعت ہو، قوم ہو کہ بیرونی سازش ہو اگر یہ مسلم حکام کے خلاف ہے تو حرام ہے، اس میں اعتبار نظام حکمرانی کا ہوگا نہ اس بغاوت کو انجام دینے والوں کا۔

مصنف نے آگے ص ۹۸ / پر کہا:

(اور میکاولی کہتا ہے کہ وہ حاکم جسکا دشمن پوری رعایا ہو وہ خود اپنی حفاظت نہیں کرسکتا دوسروں کی کہاں سے کرے گا، اور اسکا ظلم اور استبداد جس قدر بڑھتا جائے گا اسکا اقتدار اسی قدر کمزور ہوتا جائے گا۔

اسی طرح سیکولوجیۃ الجماھیر کے اندر گوستاف لوبون بڑے ہی مزے کی بات کہتا ہیکہ انسان صرف حقائق کیلئے نہیں جیتا ہے اور تاریخ کا پہیہ اسی کی خاطر گردش کرتی ہے، یہ جدید علم معرفت کا اصول ہے)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف ملحد فلاسفہ کے کلام سے استدلال کر رہا ہے جمہور کی بیوقوفی اور انکی بھولاپنی کے استغلال کرنے اور انہیں فتنوں کی آگ میں جھونکنے کیلئے، اس سے واضح ہوتا ہیکہ فتنوں کے داعی کس قدر سازشی اور فریبی ہوتے ہیں، سچ کہا ہے اللہ رب العالمین نے: (وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا) ترجمہ: اور انھوں نے خفیہ تدبیر کی، بہت بڑی خفیہ تدبیر۔ (نوح: ۲۲)۔ مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا) ترجمہ: اور وہ لوگ جو کمزور سمجھے گئے، ان لوگوں سے جو بڑے بنے تھے، کہیں گے بلکہ (تمھاری) رات اور دن کی چال بازی نے (ہمیں روکا) جب تم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے لیے شریک ٹھہرائیں۔ (سبا: ۳۳)۔

الحمدللہ، مصنف نے کسی مسلم مفکر یا اسکالر کے اقوال سے اپنے نظریئے کیلئے استدلال نہیں کیا ہے کیونکہ تمام مسلمان مصنف کے خارجی افکار کے خلاف ہیں، اسی لئے سارا استدلال کفار وملحدین کے کلام سے کیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: (بِئْسَ لِلظّٰلِمِينَ بَدَلاً) ترجمہ: ایسے الموں کا کیا ہی برا بدل ہے۔ (الکہف:۵۰)۔



مصنف نے آگے ص ۹۹ / پر کہا:

(بہت سارے فلاسفہ کہتے ہیں کہ ہم اس وقت" جماہیر کے دور" میں رہتے ہیں، اور یہی دور حاضر کی جدید طاقت ہے جو دوسری طاقتوں کو ختم کر دے گی، اور اب حکمرانوں کے ایوانوں میں قوموں کی تقدیر کے فیصلے نہیں ہوں گے بلکہ یہ اپنی تقدیر کا فیصلہ خود کریں گے)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف نے ایک ملحدانہ تعبیر استعمال کیا ہے: (اب حکمرانوں کے ایوانوں میں قوموں کی تقدیر کے فیصلے نہیں ہوں گے بلکہ یہ اپنی تقدیر کا فیصلہ خود کریں گے)۔

دراصل یہ ملحدین کی تعبیر ہے، مصنف انکی کتابوں اور فکر و ثقافت سے اس قدر متاثر ہے کہ انکے جملے اور عبادات اور تعبیرات سب اسکی گفتگو کا حصہ بن چکے ہیں یہاں تک کہ صحیح اور غلط میں کوئی تمیز نہیں رہ گئی ہے، اس جملے کو گوستاف لوبون نے اپنی کتاب سیکولوجیۃ الجماھیر کے اندر استعمال کیا ہے۔

مصنف اور اسکے اسلاف کے اس جملے کا یہی جواب ہیکہ قوموں کی تقدیر بلکہ ساری دنیا کی تقدیر اللہ رب العالمین بناتا ہے، وہ خالق مدبر جس کا کوئی شریک نہیں ہے، تمام حکام اور رعایا کے امور اللہ کے ہاتھ میں ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ) ترجمہ: اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے اور لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ (البقرہ: ۲۵۳)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ) ترجمہ: اور اگر تیرا رب چاہتا تو یقینا سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا اور وہ ہمیشہ مختلف

رہیں گے۔(ھود:۱۱۸)۔



مصنف کے نزدیک خودکشی کرنا شہادت ہے

مصنف نے آگے ص ۱۰۰/ پر کہا:

(افواہوں کے پھیلانے اندر حکومتوں کے رائے عامہ پر کنٹرول کرنے سے عاجز آنے میں صحافت اور اسکی تاثیر پر لمبی گفتگو کی ہے۔اور کہا کہ بغاوتوں اور انقلابوں کے لانے میں جمہور ہی بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ کوئی معمولی حادثہ بھی اسکی چنگاری بھڑکا سکتا ہے، مگر یہ اس وقت ہوتا ہے جب اندرونی حالات بالکل ناگفتہ بہ ہوں اور دھماکہ پھٹنے کے آخری مرحلہ میں پہونچ چکے ہوں۔

شہادت بھی بغاوت اور انقلاب کا ایک محرک ہے، چنانچہ ایران کے انقلاب میں انقلابیوں کا شعار تھا" شہید ہی تاریخ کی روح ہے"۔

بوعزیزی نے خودسوزی کرکے اپنے لہو، اپنی روح اور اپنے بھنے ہوئے جسم سے تاریخ میں ایک گہرا سیاسی اثر چھوڑا ہے، جسے تیونس کے جمہور عوام نے قبول کیا پھر اسکا اثر مصر تک پہونچا، جو کہ سب سے بڑا عربی ملک ہے جہاں امریکہ و اسرائیل سے امن و سلامتی اور سیکورٹی کے اعتبار سے خطرہ ہے)۔

تبصرہ:

اس کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہوں گا:

۱۔مصنف یہود اور امریکی مفکرین کے افکار و نظریات اور انکی کتابوں کی تشہیر کر کے دراصل

انقلاب و بغاوت کی ان کی دعوت کی تائید اور اسے عام کرنا ہے، اسی لئے مصنف آزادی اور ظلم واستبداد سے جنگ جیسی اصطلاحات کا استعمال کرتا ہے جسے مغربی مفکرین نے استعمال کیا ہے، اور عنقریب مصنف کا وہ کلام بھی آئے گا جس میں مصنف مغرب کی ضرورتوں پر گفتگو کرتا ہے اور یہ کہ انقلابیوں اور باغیوں کا ساتھ مغرب کیسے دیتا ہے۔

۲- شہادت مصنف کے نزدیک انقلاب و بغاوت کا ایک محرک ہے! چنانچہ جو خودکشی اور خود سوزی کرلے مصنف نے اسے شہید کہا ہے جب کہ یہ دونوں گناہ کبیرہ ہے، اور خودسوزی کے اندر تو کئی جرائم اکٹھا ہوتے ہیں، قتل، وہ بھی خودکشی کے ذریعے اور وہ بھی آگ سے عذاب دینے کے ذریعے، مزید یہ کہ یہ کوئی دینی نہیں بلکہ دنیاوی حقیر امور کی بنیاد پر، کیونکہ خبروں میں یہی مشہور ہیکہ بوعزیزی نے خودسوزی اسلئے کی تھی کیونکہ اسے اپنی ڈگری اور اہلیت کی مناسبت سے کوئی وظیفہ اور نوکری نہیں مل سکی تھی، مزید یہ کہ اس پر ظلم وزیادتی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے وہ جزع فزع کرنے لگا اور تقدیر پر بھروسہ نہ کرکے خود کو آگ کے حوالے کردیا، والعیاذ باللہ، جبکہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا [29] وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا) ترجمہ: اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر ہمیشہ سے بے حد مہربان ہے۔ [29] اور جو زیادتی اور ظلم سے ایسا کرے گا تو عنقریب ہم اسے سخت ہولناک آگ میں جھونکیں گے اور یہ اللہ پر ہمیشہ سے بہت آسان ہے۔ (النساء: ۳۰)۔

اور حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ غَيْرِ الإِسْلَامِ كَاذِبًا، مُتَعَمِّدًا فَهُوَ كَمَا قَالَ، وَمَنْ قَتَلَ

نَفۡسَهُ بِحَدِيدَةٍ عُذِّبَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ".

ترجمہ: سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین پر ہونے کی جھوٹی قسم قصداً کھائے تو وہ ویسا ہی ہو جائے گا جیسا کہ اس نے اپنے لیے کہا ہے اور جو شخص اپنے کو دھار دار چیز سے ذبح کر لے اسے جہنم میں اسی ہتھیار سے عذاب ہوتا رہے گا۔ (صحیح بخاری: ۱۳۶۳)۔

مزید ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ الْحَسَنِ، حَدَّثَنَا جُنْدَبٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ، فَمَا نَسِينَا وَمَا نَخَافُ أَنْ يَكْذِبَ جُنْدَبٌ، عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَانَ بِرَجُلٍ جِرَاحٌ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَقَالَ اللَّهُ بَدَرَنِي عَبْدِي بِنَفْسِهِ حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حسن بصری نے کہا کہ ہم سے جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے اسی (بصرے کی) مسجد میں حدیث بیان کی تھی نہ ہم اس حدیث کو بھولے ہیں اور نہ یہ ڈر ہے کہ جندب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص کو زخم لگا' اس نے (زخم کی تکلیف کی وجہ سے) خود کو مار ڈالا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے جان نکالنے میں مجھ پر جلدی کی۔ اس کی سزا میں، میں اس پر جنت حرام کرتا ہوں۔ (صحیح بخاری: ۱۳۶۴)۔

اسی طرح مزید ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " الَّذِي يَخْنُقُ نَفْسَهُ يَخْنُقُهَا فِي النَّارِ، وَالَّذِي يَطْعُنُهَا يَطْعُنُهَا فِي النَّارِ ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خود اپنا گلا گھونٹ کر جان دے ڈالتا ہے وہ جہنم میں بھی اپنا گلا گھونٹتا رہے گا اور جو برچھے یا تیر سے اپنے تئیں (آپ کو) مارے وہ دوزخ میں بھی اس طرح اپنے (آپ کو) تئیں مارتا رہے گا۔ (صحیح بخاری: ۱۳۶۵)۔

اس کے باوجود مصنف اسے شہادت کی سرٹیفکٹ سے نواز رہا ہے، اور بھولی عوام کو دھوکہ دے رہا ہے، کہ خودکشی کرنے والے کے تعلق سے شرعی حکم نہ بتا کر اسے شہادت کی سرٹیفکٹ دے رہا ہے۔ اسی طرح مصنف نے اپنے ہی ملک کے اندر کچھ نفسیاتی مریضوں کی خودکشی کرنے والوں کھ واقعات کو اپنے ٹویٹر اکاونٹ پر شائع کیا تاکہ حکومت کے خلاف رائے عامہ ہموار کی جائے اور انقلاب و بغاوت کیلئے راہ ہموار کی جائے، لیکن بندہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا، بلکہ الٹا ناکامی اور ذلت و رسوائی کا سامنا اٹھانا پڑا۔



مصنف نے آگے ص ۱۰۱ / پر کہا:

(ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قومیت کے قتل کا عمل محیط سے خلیج تک جاری ہے، تا کہ عربی معاشرے کو تمام بنیادی آزادیوں سے محروم کر دیا جائے، بلکہ ترقی کے مواقع سے بھی دور رکھا جائے جس میں تعلیم وصحت دے لیکر ملک کی تقدیر کے فیصلہ کرنا سب شامل ہے، انسانی حقوق، آزادی اور عدل و انصاف کی پامالی کے ساتھ قومیت اور وطنیت کو خوب بدنام کیا گیا اور اسے اشخاص وافراد اور خاندان سے نکال کر سیاسی ولاء میں تبدیل کر دیا گیا)۔

تبصرہ:

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہوں گا:

پہلی چیز:

یہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری اور انکا انکار ہے، کیونکہ مصنف نے عربی قوموں کیلئے محیط سے خلیج تک کی تعبیر استعمال کی ہے اور اس میں خود مصنف کا ملک سعودی عرب اور کویت، قطر، بحرین، امارات اور عمان سب شامل ہیں، اور منجملہ یہی ممالک اللہ کی نعمتوں اور ہر طرح کی خیرات وارزاق سے مالا مال ہیں، اور الحمد للہ ان ملکوں میں امن وامان اور استقرار بھی ہے، مصنف نے اس پر اللہ کا شکریہ ادا نہ کر کے الٹا اسکی نعمتوں کا انکار کر رہا ہے اور ان ملکوں کی عوام کی دلوں میں نفرت اور بغض بھر رہا ہے، اور انہیں محروم اقوام سے یاد کر رہا ہے! سچ کہا ہے اللہ رب العالمین نے: (يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ) ترجمہ: وہ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں، پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔ (النحل: ۸۳)۔

دوسری چیز:

مصنف نے قومیت کے قتل کے موضوع کو اٹھا کر لوگوں کے دلوں میں حقد وحسد بھر رہا ہے، اوراس میں کچھ بنیادی آزادی سے محروم رکھنے کو بطور خاص بیان کرتا ہے جیسے تعلیم،صحت اور روزگار وغیرہ، جبکہ یہ سب جھوٹ اور بہتان ہے، کیونکہ خلیجی مما لک میں یہ ساری چیزیں متوفر ہیں، مصنف نے دین شریعت اور آخرت کی بات نہیں کی ہے اور یہی وجہ ہیکہ ایسے ہی لوگوں کے لٹریچر سے متاثر ہو کر بے روزگار اور مایوس قسم کے نوجوان تقدیر سے ناراض ہو کر خودکشی کتنے پر مجبور ہوتے ہیں، انہیں ساری منفی چیزوں کو بنیاد بنا کر مصنف عوام کو حکمرانوں کے خلاف اکساتا ہے۔

تیسری چیز:

مصنف نے محیط سے خلیج کہا جس میں خود مصنف کا ملک سعودی عرب شامل ہے، جوکہ اسی ملک میں رہتا ہے، یہاں کے عظیم خیرات اور دلکہ کی نعمتوں خواچھی طرح جانتا ہے، جن میں سب سے عظیم توحید اور شریعت کا قائم کرنا نیز حدود وقصاص کی تنفیذ کرنا ہے،سنت کا بول بالا اور شعائر اسلام کا دور دورہ ہے جسکی کہیں نظیر نہیں ملے گی، لیکن چونکہ مصنف مغربی جمہوریت کا مقلد اور ایجنٹ ہے، اور سعودی قوم ایک قیادت کے تحت متحد ہے جس کی وجہ سے مصنف کیلئے ان کے درمیان تفریق پیدا کرنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی ہے۔

سوال یہ ہیکہ مصنف اس ملک کے ساتھ کیا چاہتا ہے؟! کیا یہ چاہتا ہیکہ پہلے کہ طرح پھر ملک اسی خانہ جنگی اور اختلاف وانتشار کا شکار ہو جائے اور دوسرے مما لک کی طرح اس ملک میں بھی ہر طرح کے خرافات اور شرک وگمراہی عام ہو جائے!! اللہ ایسے گمراہوں کو ہدایت دے اور انہیں حق کی طرف رہنمائی کر، یاارحم الراحمین۔

مصنف نے حالات کی خرابی پر مغربی رپورٹوں پر اعتماد کیا ہے!

مصنف نے آگے ص ۱۰۲/ پر کہا:

(بعض رپورٹوں کے مطابق اکثر عرب ممالک ۱۹۹۰ء اور ۲۰۱۵ء کے مابین طے شدہ ترقی کے اہداف کو پورا کرنے میں ناکام رہے ہیں، بطور خاص تعلیم، دولت کی تقسیم میں انصاف اور سیاسی اصلاح کے شعبوں میں)۔

تبصرہ:

پہلی چیز:

ان رپورٹوں کی کیا حیثیت اور اصلیت ہے؟ ان رپورٹوں کو کن لوگوں نے تیار کیا ہے؟ ان کا کیا مقصد ہے؟ سوال یہ ہیکہ مصنف آخر مملکت سعودی عرب کے اندر نفاذ شریعت، توحید وسنت کے بول بالا ہونے کفر وشرک اور بدعات کے مظاہر دے پاک ہونے جیسے اہم امور سے اعراض کیوں کرتا ہے حتی کہ دینی امور سے پہلوتہی برت کر صرف دنیاوی امور ہی کا تذکرہ بار باریکیوں کرتا ہے؟! مصنف آخران رپورٹوں کا ذکر کیوں نہیں کرتا جن میں دیگر تمام مثبت پہلوؤں کا بھی احاطہ کیا گیا ہے بلکہ تعلیم وصحت اور روزگار کے مستوی اور سطح کو بہتر بتایا گیا ہے؟

دوسری چیز:

حکومتوں کے خلاف صرف عیوب کو تلاش کر کے رعایا کے دلوں میں نفرت پیدا کرنا ایک فاسد اور باطل منہج ہے، ویسے ہر میدان میں کمال پایا جائے یہ بہتر ہے مگر نقص اور کمی کا ہونا بھی انسانی

فطرت میں شامل ہے، اس کے باوجود اگر خلیجی ممالک کے احوال کا موازنہ دوسرے ممالک سے کیا جائے تو یہ دن بہت ساری چیزوں میں بہتری نظر آئے گی۔

تیسری چیز:

مصنف نے کہا: (دولت کی تقسیم میں انصاف)۔

اس سے آپ مصنف کی فکر اور فتنہ پروری کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں، کیونکہ فتنوں کے داعی دنیا کے حریص ہوتے ہیں، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

فَوَاللَّهِ مَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ، وَلَكِنِّي أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ الدُّنْيَا عَلَيْكُمْ كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ "۔

ترجمہ: اللہ کی قسم! فقیری کا مجھے تم پر ڈر نہیں لیکن مجھے اس کا ڈر ہے کہ کہیں دنیا تم پر کشادہ ہو جائے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ ہوئی تھی پھر ایک دوسرے سے حسد کرنے لگو جیسے پہلے لوگوں نے حسد کیا تھا اور ہلاک کر دے تم کو جیسے ان کو ہلاک کیا تھا۔ (صحیح مسلم: ۲۹۶۱)۔

ایک بار ہم پھر کہیں گے مصنف آخر سعودی عرب کے مثبت پہلوؤں کا ذکر کیوں نہیں کرتا کہ جس کی نظیر اسے پوری دنیا میں کہیں نہیں ملے گی؟



مصنف نے آگے ص ۱۰۲ / پر کہا:

(انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن کی رپورٹ کے مطابق ۲۰۱۰ء کے اندر عرب ممالک میں بے روزگاروں کی تعداد ۲۵ / ملین تک پہونچ چکی تھی، جن میں ۶۰٪ فیصد پچیس سال سے کم عمر کے تھے)۔

تبصرہ:

سوال یہ ہیکہ مشروع طریقے سے آخرکسی نے طلب رزق سے روکا ہے جب کہ مواقع بہت ہیں، کیا رزق کا صرف ایک راستہ نوکری ہے جس کا یہ مطالبہ کررہے ہیں؟ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عِيسَى ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُكَيْمٍ أَبِي مَعْبَدٍ الْجُهَنِيِّ أَعُودُهُ وَبِهِ حُمْرَةٌ، فَقُلْنَا: أَلَا تُعَلِّقُ شَيْئًا، قَالَ: الْمَوْتُ أَقْرَبُ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ"۔

ترجمہ: عیسیٰ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عکیم ابومعبد جہنی کے ہاں ان کی عیادت کرنے گیا، ان کو (حمرہ) کا مرض تھا، ہم نے کہا: کوئی تعویذ وغیرہ کیوں نہیں لٹکا لیتے ہیں؟ انہوں نے کہا: موت اس سے زیادہ قریب ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کوئی چیز لٹکائی وہ اسی کے سپرد کردیا گیا"۔ (سنن ترمذی: ۲۰۷۲)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَأَنْ يَحْتَطِبَ أَحَدُكُمْ حُزْمَةً عَلَى ظَهْرِهِ، خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ أَحَدًا

فَيُعْطِيَهُ أَوْ يَمْنَعَهُ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جو لکڑی کا گھٹا اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے، اس سے بہتر ہے جو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے چاہیے وہ اسے کچھ دیدے یا نہ دے۔(صحیح بخاری: ۲۰۷۴)۔

مزید اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ أَحْبُلَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ أَحَدًا۔"

ترجمہ: سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی اپنی رسیوں کو سنبھال لے اور ان میں لکڑی باندھ کر لائے تو وہ اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے مانگتا ہے پھرتا ہے۔(صحیح بخاری: ۲۰۷۵)۔

سوال یہ ہیکہ کیا یہ مطالبات ہیں جن کے لئے مصنف پیروی کر رہا ہے آخر شرعی مطالبات کہاں ہیں؟

ایک طرف مصنف سازش نظریے کی نفی کرتا ہے مگر دوسری طرف اسی مکار یورپ کی رپورٹوں پر اعتماد کرتا ہے؟!



مصنف نے آگے ص ۱۰۲ / پر کہا:

(اسلام پسندوں کا رول: دوسرے نمبر پر اہم کردار نبھانے والے اسلام پسندوں کی ہے، ترکی میں اسلامی اصولوں کے پاسداراردگان کی قیادت میں انصاف پارٹی کی کامیابی کا زبردست اثر رہا ہے، جس سے ممکن ہے مستقبل میں معاشرے کی اصلاح وترقی میں بہتر کردارادا کرے)۔

تبصرہ:

مصنف نے یہاں پر اسلام پسندوں کا ذکر کیا ہے، وہ لوگ جو شرعی احکامات میں تنازلات کے قائل ہیں، جو مغربی جمہوریت پر ایمان لاتے ہیں، عقیدے اور شریعت سے پہلوتہی برت کر مغرب کو راضی کرتے ہیں، احکام شریعت کی پابندی نہ کرنے میں یہ معروف ہیں۔

ترکی ایک لبرل ملک ہے جہاں پر لادینی نظام لاگو ہے، ساتھ ہی یہاں پر تصوف اور دنیا بھر کے خرافات ہیں، اسی کو مصنف کامیابی سے تعبیر کر رہا ہے جبکہ حقیقی کامیابی شریعت کی پابندی، توحید اور سنت کے قیام میں ہے، مجرد نعروں اور پروپیگنڈوں سے کچھ نہیں ہوتا۔



مصنف نے آگے ص ۱۰۴/ پر کہا:

(ٹیونس، مصر اور مراکش کے اندر انتخابات کے نتائج میں اخوان المسلمون اور سلفی جماعتوں کی کامیابی مثبت پہلو ہے.

اسی لئے سابق فرانسیسی وزیر خارجہ او بیر فڈرین نے فائنانشل ٹائمز میں اپنے ایک مقالے کے اندر کہا کہ مغرب اب ایک حقیقت سے آگاہ ہو جانے چاہئے کہ عرب دنیا کے اندر بھی اب قومیت پسندی پیدا ہو رہی ہے، اور اس نے ترکی کے نمونے سے استدلال کیا ہے، اور چومسکی کے بقول امریکہ یہی کام رومانیہ کے ظالم حاکم کے ساتھ کر رہا ہے یہاں تک کہ اسکے ساتھ کھڑا ہونا مشکل تھا، اسی طرح کا معاملہ فلپین کے سابق صدر، جنوبی کوریا کے صدر اور انڈونیشیا کے صدر کا بھی ہے۔

یہاں پر میں ایک رپورٹ کی طرف اشارہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں جسے دو امریکیوں نے تیار کیا ہے، اور جسے رانڈ فاؤنڈیشن نے "محاصرے کا احساس" کے عنوان سے شائع کیا ہے، دونوں نے یہ توقع ظاہر کی ہے کہ عرب دنیا کے اندر سوائے اسلام پسندوں کی مخالفت کے سوا کوئی نہیں بچا ہے، اور انہیں دونوں نے مشورہ دیا ہیکہ وہ سیاسی نظام میں ضم ہو جائیں اور پورے احتیاط اور دقت کے ساتھ ذمیداری قبول کرلیں، کیونکہ معاملہ پیچیدگی سے خالی نہیں ہے)۔

تبصرہ:

میں یہی کہوں گا کہ یہاں پر مصنف نے چار کفار کے اقوال اور رانڈ فاؤنڈیشن سے استدلال کیا ہے جو اپنی اسلام دشمنی میں معروف ہے.

اور یہاں مقصد صرف یہ ہیکہ قاری کو یہ احساس ہو جائے کہ یہ بغاوت اور انقلاب کفار کی طرف

سے کسی سازش کا نتیجہ نہیں ہے، اور نہ ہی یہود ونصاری سے اسکا کوئی تعلق ہے، اور اسکے لئے کفار کھ اقوال سے استدلال کیا ہے۔



مصنف نے آگے ص ۱۰۵ / پر کہا:

(عرب انقلابات اسرائیلی نگاہوں میں: اسرائیلی میڈیا میں انقلاب و بغاوت کے خلاف خوب پروپیگنڈہ کیا گیا، اور مقالہ نگاروں سے لیکر سیاسی تجزیہ کاروں تک سب نے انقلاب و بغاوت کے ساتھ براسلوک کیا، اور اسے اسلامی طاقتوں اور وہمی امور سے مربوط کردیا۔

آگے ص ۱۰۶ پر کہا کہ یہ سارے تجزیئے عرب شاہراہوں پر کوئی حیثیت نہیں رکھتے ہیں، کیونکہ وہاں پر آزادی کے مطالبے نے زور پکڑلیا ہے)۔

تبصرہ:

یہاں پر بڑی چالاکی سے مصنف نے یہودیوں کے بعض اقوال کو نقل کرکے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ یہود یہاں کے انقلابات اور انقلاب پسندوں کے خلاف ہیں، بلکہ یہود چاہتے ہیں کہ قدیم حکومتیں اپنی حالت پر باقی رہیں۔

اسکا جواب یہی ہیکہ ان فریبی اقوال سے ہٹ کر شرعی دلیلوں کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ کفار مسلمانوں کے دشمن ہیں، بالخصوص یہود، اس پر بعض دلائل گزرچکے ہیں، انہیں میں سے اللہ کا یہ قول بھی ہے: (مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ) ترجمہ: اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا، نہ وہ پسند کرتے ہیں اور نہ مشرکین کہ تم پر تمھارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی اتاری جائے اور اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے خاص کرلیتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔ (البقرہ: ۱۰۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَدُّوا لَوۡ تَكۡفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنۡهُمۡ أَوۡلِيَاءَ) ترجمہ: وہ چاہتے ہیں کاش کہ تم کفر کرو جیسے انھوں نے کفر کیا، پھر تم برابر ہو جاؤ، سو تم ان میں سے کسی طرح کے دوست نہ بناؤ۔(النساء:۸۹)۔

سوچ موجودہ حقائق اسکی گواہی دے رہے ہیں، کیونکہ دسیوں یہود کے بیانات آچکے ہیں کہ یہ بغاوتیں اور انقلابات اسرائیل کی مصلحت میں ہیں، انہیں میں یہودی ہنری لیفی بھی ہے۔

تعجب ہیکہ مصنف ایک طرف یہودیوں کے اقوال نقل کرتا ہے بغاوتوں کے بھڑکانے میں اور اپنی فکر کی تائید میں، اور بعض یہودیوں کی کتابوں کی تشہیر بھی کی ہے، جس سے واضح پیغام جاتا ہے کہ یہود ہی ان بغاوتوں اور انقلابوں کے پیچھے ہیں، وہی ان بغاوتوں کو بھڑکاتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ مسلم ممالک میں قتل وخونریزی برپا رہے۔اللہ ہمیں ان کے مکروشر سے محفوظ رکھے۔

یہاں پر سب سے زیادہ تعجب خیز امر یہ ہیکہ مصنف ایک طرف ہر بغاوت کا حامی ہی نہیں اسکا داعی بھی رہاہے، مگر یہاں پر یہ دکھانے کی کوشش کررہا ہے کہ یہودیوں کا ان بغاوتوں میں کوئی ہاتھ نہیں رہاہے، مگر دوسری طرف ان اقوال کا م ترک کردیا جن سے یہودیوں کے جرائم کا پتہ چلتا ہے۔

اگر قارئین میڈیا کو گہرائی سے جان لیں کہ یہ کیسے مشاہدین کی عقلوں سے کھیلتے ہیں تو حیران وششدر رہ جائیں گے۔



بیہودہ حیلوں کے ذریعے مسلم ممالک میں نفاذ شریعت سے چھٹکارا دلانے کی مصنف کی ایک مذموم کوشش!

مصنف نے آگے ص ۱۰۹ / پر کہا:

(پہلا: بغاوت اور انقلاب کے بعد ممالک کی حالت، نفاذ شریعت کا مسئلہ اور حکمرانی نیز اسکا مفہوم: جہاں تک شریعت کی بالا دستی کا تعلق ہے تو مسلم معاشرے میں اس پر کوئی کلام نہیں ہوسکتا، مصر کے قومی دستاویزوں میں اسکا اعتراف کیا گیا ہے، جیسے کہ ازہر کا دستاویز، آئینی اصولوں کی قومی کونسل کی دستاویز، البرادعی اور عام پارٹیوں کے دستاویز، یہی حال لیبیا اور ٹیونس کا بھی ہے، جن کے اندر اس بات کی صراحت ہیکہ یہاں کی قوم دین اسلام کو مانتی ہے اور اسی کو فیصل سمجھتی ہے، مگر جہاں تک دین اور حکومت کے درمیان تفصیلی امور کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ضروری ہیکہ ہر ملک کے خاص حالات وظروف کو مدنظر رکھ کر اس پر فیصلہ لیا جائے۔

ہمارے پاس دو الفاظ ہیں جنہیں سمجھنا ضروری ہے: ایک تطبیق وتنفیذ، جس کا مقصد احکام کی تنفیذ ہے، جس میں یہ اشارہ ہیکہ ہمارے سامنے یہ پہلے سے تیار شدہ اور محدد ہیں، اور شاید بہت سے لوگوں کے ذہن میں اس یہ خیال آتا ہو کہ اس سے مراد سب سے پہلے زانیوں، چوروں اور جادوگروں پر حد نافذ کرنا ہے، لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ معاشرتی اور سیاسی عدالت وانصاف کیلئے کچھ خاص حالات وظروف اور شرعی شروط ہوتے ہیں، یا کم ازکم ان احکام شریعت کی تنفیذ کیلئے انصاف ہی موجود ہو)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف نے صرف شریعت کی بالا دستی پر اکتفا کیا ہے، جس طرح کہ مصر لیبیا اور ٹیونس کے قومی دستاویزوں میں اسکا اعتراف کیا گیا ہے، اور مصنف کے نزدیک یہی کافی ہے، مگر جہاں تک دین اور حکومت کے درمیان تفصیلی امور کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ضروری ہیکہ ہر ملک کے خاص حالات وظروف کو مدنظر رکھ کر اس پر فیصلہ لیا جائے۔

آپ اس مسئلے میں مصنف کی رائے اور اللہ کے اس قول کے درمیان موازنہ کریں: (فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا) ترجمہ: پس نہیں! تیرے رب کی قسم ہے! وہ مومن نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ تجھے اس میں فیصلہ کرنے والا مان لیں جو ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے، پھر اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں جو تو فیصلہ کرے اور تسلیم کرلیں، پوری طرح تسلیم کرنا۔ (النساء:٦٥)۔

اسی طرح ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلَى أَرِيكَتِهِ يَأْتِيهِ الْأَمْرُ مِنْ أَمْرِي مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ، فَيَقُولُ: لَا نَدْرِي، مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللَّهِ اتَّبَعْنَاهُ".

ترجمہ: سیدنا ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں تم میں سے کسی کو اپنے تخت پر ٹیک لگائے ہرگز اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کے پاس میرے احکام اور فیصلوں میں سے کوئی حکم آئے جن کا میں نے حکم دیا ہے یا جن سے روکا ہے اور وہ یہ کہے: یہ ہم نہیں جانتے، ہم نے تو اللہ کی کتاب میں جو کچھ پایا بس اسی کی پیروی کی ہے“۔(سنن ابی داود:

۴۶۰۵)۔

مصنف نے کہا: (جہاں تک شریعت کی بالا دستی کا تعلق ہے تو مسلم معاشرے میں اس پر کوئی کلام نہیں ہوسکتا، مصر کے قومی دستاویزوں میں اسکا اعتراف کیا گیا ہے)۔

یہ مصنف کی طرف سے دھوکہ ہے، اسلئے کہ مذکورہ ممالک کے اندر وضعی دستور بہت پہلے سے موجود ہے اور اس کے اندر شریعت کی بالا دستی کا اعتراف بھی پایا جاتا ہے، مگر بغاوت اور انقلاب کے بعد اس میں اختلاف پایا گیا کہ سرکاری طور پر دین اسلام کو تسلیم کیا جائے یا نہیں!!

دراصل مصنف کی یہاں یہ کوشش ہے کہ حکام کو نفاذ شریعت کا پابند نہ بنایا جائے، اور اس سے راہ فرار اختیار کرنے کے لئے مصنف مختلف شیطانی ہتھکنڈے استعمال کئے ہیں انہیں میں سے چند کا ذکر درج ذیل ہے:

پہلا حیلہ:

شریعت کے اندر تدریجی پہلو کی رعایت کی گئی ہے۔

دوسرا حیلہ:

شریعت میں نفاذ شریعت کیلئے حالات وظروف کو مدنظر رکھا گیا ہے، جن میں اہم معاشرتی اور سیاسی عدالت وانصاف کیلئے کچھ خاص حالات وظروف اور شرعی شروط کو مانا گیا ہے۔ جس کے بغیر نفاذ شریعت ممکن نہیں ہے۔

تیسرا حیلہ:

مصنف کا یہ گمان کہ تفصیلی احکام کے اندر پانچوں احکام جاری ہوں گے، اور ان میں سے کسی حکم کو واقع حال کی معرفت پر مبنی اختیار کیا جائے گا، گویا شریعت اسکی وضاحت سے قاصر ہے۔

چوتھا حیلہ:

مسجد میں دیہاتی کے پیشاب کرنے پر نکیر نہ کرنے پر استدلال کیا ہے اور اسے نفاذ شریعت کے ترک پر دلیل بنایا ہے۔

پانچواں حیلہ:

شبہات کی بنیاد پر حدود کو چھوڑ دیا جاتا ہے، اسے دلیل بنا کر مصنف نے نفاذ شریعت میں تاخیر کرنے پر باطل دعوی کیا ہے، حالانکہ یہ جس شبہے کا ذکر ہے اسکا تعلق افراد سے ہے نہ کہ معاشرے سے۔

چھٹا حیلہ:

کچھ ہولناک رکاوٹوں کا ذکر کرنا جن سے لوگوں کے اندر نفاذ شریعت کا خوف پیدا ہو جائے، اور ایسا ملحدین کرتے ہیں جو احکام الہی کے منکر ہیں، اور نفاذ شریعت کو دوسرے مفہوم میں لیتے ہیں، جس پر خصوصی کلام آئے گا۔

ساتواں حیلہ:

دین کے جزئیات کو چھوڑ کر صرف کلیات پر اکتفا کرنا، اور انہیں کلیات میں انقلابیوں اور باغیوں کے مطالبے بھی شامل کیا ہے، باقی احکام شریعت کو کلیات سے خارج کر دیا ہے، اور اپنے دعوی کے ثبوت میں چھ دلائل سے استدلال کیا ہے، ان سب پر تفصیلی رد آئے گا ان شاء اللہ۔

آخر میں مصنف سے یہی کہوں گا کہ الحمد للہ ہمارے پاس اسلامی شریعت موجود ہے جو قیامت تک کیلئے ہر زمانے اور ہر جگہ کیلئے لائق اور مناسب ہے، اس میں کسی فلسفی کے فلسفے اور کسی دانشور کی دانشوری کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی منافق کی چرب زبانی کے ذریعے موشگافیوں کی ضرورت

ہے۔

آگے مصنف نے کہا کہ: (اور شاید بہت سے لوگوں کے ذہن میں اس یہ خیال آتا ہو کہ اس سے مراد سب سے پہلے زانیوں، چوروں اور جادوگروں پر حد نافذ کرنا ہے، لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ معاشرتی اور سیاسی عدالت وانصاف کیلئے کچھ خاص حالات وظروف اور شرعی شروط ہوتے ہیں، یا کم از کم ان احکام شریعت کی تنفیذ کیلئے انصاف ہی موجود ہو)۔

مطلب یہ ہے کہ مصنف کے شروط پر اگر عمل کیا جائے تو زانیوں، چوروں اور جادوگروں پر حد نافذ کرنا مناسب نہیں ہے، الا یہ کہ ہم معاشرتی اور سیاسی عدالت وانصاف کیلئے کچھ خاص حالات وظروف اور شرعی شروط یا کم از کم ان احکام شریعت کی تنفیذ کیلئے انصاف کے ہونے کا پتہ لگالیں۔

اس طرح مصنف کی طرف سے مسلمانوں کو یہ بتانا پڑے گا کہ حدود وقصاص کی تنفیذ کیلئے کب تک انتظار کرنا پڑے گا اور کن ماحول میں اسکے تنفیذ ہوگی اور کب نہیں ہوگی!! کیا اسکے معاشرتی اور سیاسی عدالت وانصاف کی ضرورت ہے یا نہیں!!

اور یہ تنفیذ حدود کیلئے مسلمانوں کو یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کم از کم اسکے لئے کن چیزوں کا ہونا کہ اس وقت حدود وقصاص کی تنفیذ کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے، جبکہ اس سے پہلے اسکا مطالبہ بھی نہیں کر سکتے!!

اور سوال یہ ہیکہ مصنف لوگوں کو کب بتائے گا کہ سب شریعت کو نافذ کر سکتے ہیں؟ اور یہ کہ اگر کوئی ملک شریعت کا نفاذ کرنا چاہتا ہے تو مصنف کے ان حیلوں پر عمل کرتے ہوئے وہ اس میں خطا کار ہوں گے کیونکہ وہ خاص حالات وظروف کو نہیں سمجھتے ہیں!!

کیا مسلمان مصنف کی اس گمراہی اور زیغ وضلالت سے راضی ہوں گے؟!

اور اہل انحراف اور اہل باطل کا یہی طریقہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو حق سے دور رکھنے کی کوشش

کرتے ہیں ایسے الفاظ وعبارات کے ذریعے کہ اگر انکی تشریح کا مطالبہ کیا جائے تو اسکے لئے وہ کبھی بھی تیار نہیں ہوں گے، چنانچہ مصنف پر واجب ہیکہ وہ یہ واضح کرے کہ کم از کم احکام شریعت کی تنفیذ کیلئے انصاف کا پیمانہ کیا ہے؟ کیا اس پر مصنف کے پاس کوئی شرعی دلیل بھی ہے مغربی الحاد کے سوا؟! مصنف اس پر کبھی بھی وضاحتی بیان نہیں دے سکتا ہے، اور اس مسئلے میں جو بھی دعوی کرے گا وہ گمراہی ہوگا کیونکہ اس پر اللہ کا یہ قول صادق آئے گا: (إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَى) ترجمہ: یہ (بت) چند ناموں کے سوا کچھ بھی نہیں ہیں، جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، ان کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔ یہ لوگ صرف گمان کے اور ان چیزوں کے پیچھے چل رہے ہیں جو ان کے دل چاہتے ہیں اور بلا شبہ یقیناً ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آچکی۔ (النجم: ۲۳)۔



مصنف نے آگے ص ۱۱۰/ پر کہا:

(دوسرا: شریعت، اس سے مقصود تفصیلی احکامات ہیں، اور اکثر تفصیلی احکام مختلف وجوہات کے ہیں، یا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اکثر احکام خمسہ یا بعض احکام جاری ہوتے ہیں، کبھی وہ واجب ہوتے ہیں، کبھی حرام، کبھی مکروہ ہوتے ہیں اور کبھی مستحب اور مباح، اور ان میں سے کسی ایک کا اختیار کرنا واقع حال کی معرفت پر مبنی ہے، جس پر حکم اور مصلحت کا تقاضہ ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے دور میں ایک متحمس نوجوان نے بعض احکام کی تنفیذ سے معذرت کی تھی یہ کہہ کر کہ ہم ابھی کمزوری کی حالت میں ہیں، جبکہ وہ جس دور میں تھا وہ اسلامی طاقت اور مضبوطی کا دور تھا)۔

تبصرہ:

سبحان اللہ العظیم! اب معاملہ بالکل مختلف نظر آرہا ہے!!

مصنف نے جس وقت اس کتاب کی تالیف کی تھی اس وقت بعض ان جماعتوں کیلئے حکومت واقتدار تک پہونچنے میں بس تھوڑی دیر باقی رہ گئی تھی جنکی مجمف .بہت ہی مدح وستائش کرتا ہے، اسی کے بعد یہ سارے اعذار آنا شروع ہوئے ہیں، حتی کہ جمہوریت اور سیکولر ڈیموکریٹک حکومت کے جواز پر دلائل اکٹھا کرنے لگا جبکہ پہلے اسے طاغوت اور کفر سمجھتا تھا۔

مصنف کے اس تناقض پر اسکے سابق آراء وخیالات واضح طور پر دلالت کرتے ہیں:

-"لماذا یخافون من الاسلام" کے عنوان سے ایک سوال کیا گیا کہ لیبیا کے اندر جس قسم کی حکمرانی ہے اور جس طرح وہاں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کھلی جنگ جاری ہے ایسے میں مسلمانوں

پر کہا واجب ہے اور کیا وہ اپنے دین کو بچا کر وہاں سے ہجرت پر جائیں؟ اس کے جواب میں مصنف نے کہا تھا کہ یہی حال ہر ملک کا ہے۔

-" یالجراحات المسلمین" نامی کیسٹ میں کہا: اس وقت پورے عالم اسلام کے طول وعرض میں لا دینی سیکولر علم بلند کئے جا رہے ہیں۔

-اسی طرح" الامۃ الغائبۃ" نام کی عین کیسٹ میں مصنف نے کہا: (اسلامی اقوام ایک وادی میں جبکہ حکمران کسی دوسری وادی میں رہ رہے ہیں، کیونکہ یہ ان اقوام کے دل اور اس دین کی ترجمانی نہیں کر رہے ہیں جس دین کی طرف یہ اقوام منسوب ہیں، اور مجھے بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ کچھ مما لک ایسے بھی ہیں جو عوام کے اعتماد ہر قائم ہوئے ہیں اور وہ بہت ہی مضبوطی سے قائم ہیں، اور جہاں تک اسلامی حکومت کا تعلق ہے تو یہ خلافت راشدہ سے قائم ہے جس پر مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے، تیرہ صدیوں سے یک حکومت چلی آئی ہے، جسکی حمایت ہاتھوں سے قبل لوگوں کے دلوں نے کیا ہے، قتال اور جنگ سے قبل دعاؤں نے اسکی حمایت کی ہے، مگر موجودہ دور میں افسوسناک امر یہ ہیکہ نگاہیں جن کی طرف مائل ہیں وہ غیر اسلامی نمونے ہیں)۔

قارئین کرام یہ بھی نہ بھولیں کہ مصنف نے ایک طرف تیرہ صدیوں سے آرہی خلافت کی تعریف کی ہے مگر اپنی اس کتاب کے آغاز ہی میں اسلامی نظام حکمرانی کی مذمت کی ہے یہ کہہ کر کہ صدیوں سے یہی موروثی نظام چلا آرہا ہے!

- ایک دوسری جگہ"تحریر الارض ام تحریر الانسان؟" کے عنوان سے کہا: (ہم پاتے ہیں کہ اسلامی سرزمین پر منافقوں نے بغیر اسلحہ کے قبضہ کر رکھا ہے، یہ عالم اسلام پر قابض ہیں کبھی لادینیت کے نام پر، کبھی قومی وحدت کے نام پر، تاریخی حق کے نظریئے کے نام پر، یہ سرزمین جس پر منافقین

حکمرانی کررہے ہیں کوئی رونادھونا نہیں ہے اور نہ ہی کوئی افسوس ہے، بلکہ اکثریت اسے حقیقت مان بیٹھی ہے، کبھی کبھی تو اس پر حیرانی بھی ہوتی ہے)۔

دکتور صاوی جو کہ مصنف جیسوں کے منہج کیلئے کبار مفکرین میں شمار ہوتے ہیں، مصنف کے منہج کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جہاں تک قطبیوں کا تعلق ہے تو انہوں نے شروع میں شریعت سازی اور اصل دین کے مسائل پر انکا منہج قائم تھا، جسکے مطابق معاصر نظام حکمرانی اسلام اور توحید کے مخالف ہیں، اور معلوم ہیکہ اس منہج کی نمائندگی سیف قطب کی کتابیں کرتی ہیں، اسی طرح استاذ عبدالمجید شاذلی کی کتاب" حدالاسلام" بھی)۔(الثوابت والمتغیر ات،ص ۱۷۱)۔

لیکن بعد میں مصنف نے نظام حکمرانی کے تعلق سے اپنا نظریہ اور موقف بدل لیا، کیونکہ اب نظام حکمرانی مصنف کی محبوب جماعتوں کے ہاتھ میں آنے والی تھی، جو دین میں تحریف کرتے ہیں، اور مصنف نے بھی نصوص کے معنی میں تحریف کرکے مختلف طریقوں سے اعذار بیان کئے ہیں جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا مقصد صرف اقتدار کا حصول ہے، یہ پہلے حکام پر تنقید کرتے تھے کہ وہ شریعت کی تنفیذ نہیں کرتے ہیں لیکن اب جبکہ اقتدار انکے ہاتھ میں آچکا ہے نفاذ شریعت سے بچنے کیلئے لاکھوں حیلے بہانے تلاش رہے ہیں، اور اسکے لئے مختلف اعذار اور وجوہات بتارہے ہیں!

نفس پرستی سے اللہ محفوظ رکھے کس قدر گمراہ کن ہے یہ نفس پرستی اور بدعت، ارشاد باری تعالی ہے:(رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ) ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر، اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، بے شک تو ہی بے حد عطا کرنے والا ہے۔(آل عمران: ۸)۔

مصنف نے آگے ص ۱۱۱ / پر کہا:

(نفاذ شریعت کا مسئلہ ان اہم ترین مسائل میں سے ہے جن کیلئے فقہ متمکن کی ضرورت ہے، جو قواعد شرعیہ اور نصوص قطعیہ سے غافل نہ ہو، لیکن ساتھ میں حالات وظروف اور مصالح کی بھی رعایت ضرورت ہے، شریعت کے اندر تجدید موجود ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شریعت اس وقت مکمل ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میں ابھی ۸۰ / ایام باقی تک گئے تھے، اس وقت احکام دین اسباب وظروف کے اعتبار سے نازل ہوتے تھے، اور کچھ احکام تو ایسے تھے جن کے شرائط نہ ہونے یا کچھ رکاوٹ کی وجہ سے ان پر عمل ہی نہیں ہوا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ تنفیذ شریعت میں تدرج ہے نیز بہت سارے امور کی رعایت ہے تاکہ شریعت کے خلاف انقلاب برپا نہ ہو)۔

تبصرہ:

پہلی چیز:

دین کے اہم مسائل میں ایمان باللہ، توحید، عبادت میں اخلاص، شرک اور اہل شرک سے براءت، اور سنت رسول کی اتباع ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ) ترجمہ: اور بلاشبہ یقینا ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔ (النحل: ۳۶)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ) ترجمہ: اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی کرتے تھے کہ حقیقت یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو۔ (الانبیاء:

۲۵)۔

مصنف نے ایک طرف اعتراف کیا ہے کہ نفاذ شریعت اہم مسائل میں سے ہے لیکن کچھ فاسد شیطانی حیلوں کے ذریعے ترک کرنے اور موخر کرنے کو بھی جائز ٹھہرایا ہے۔

دوسرا:

اللہ تعالی نے امت کو حرج میں نہیں ڈالا ہے، اسی لئے اسکی استطاعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا، اور یہاں مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تنفیذ شریعت کیلئے بہت سارے شرائط اور بہت سارے امور کی ضرورت ہے، جن میں اکثر موہوم ہیں، جس سے مقصد کا کچھ پتہ نہیں چلتا ہے۔

آخر مصنف کے اس قول کا کیا مفہوم ہے: (معاشرتی اور سیاسی عدالت وانصاف کیلئے کچھ خاص حالات وظروف اور شرعی شروط ہوتے ہیں، یا کم ازکم ان احکام شریعت کی تنفیذ کیلئے انصاف ہی موجود ہو۔نفاذ شریعت کا مسئلہ ان اہم ترین مسائل میں سے ہے جن کیلئے فقہ متمکن کیٔ ضرورت ہے، جو قواعد شرعیہ اور نصوص قطعیہ سے غافل نہ ہو، لیکن ساتھ میں حالات وظروف اور مصالح کی بھی رعایت ضرورت ہے)؟؟؟

تیسرا:

"شریعت کے خلاف انقلاب برپا نہ ہو" جیسی بات کہہ کر کیا مصنف کو شرم نہیں آئی کہ خیر القرون پر یہ سیدھا الزام ہے، آخر کون ہے جو اس وقت نظام حکمرانی کے خلاف انقلاب لانا چاہتا تھا؟!

چنانچہ مصنف کے اس قول کا کیا مطلب ہے: (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شریعت اس وقت مکمل ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میں ابھی ۸۰ / ایام باقی تک گئے

تھے،اس وقت احکام دین اسباب وظروف کے اعتبار سے نازل ہوتے تھے،اور کچھ احکام تو ایسے تھے جن کے شرائط نہ ہونے یا کچھ رکاوٹ کی وجہ سے ان پر عمل ہی نہیں ہوا،جس سے پتہ چلتا ہے کہ تنفیذ شریعت میں تدرج ہے نیز بہت سارے امور کی رعایت ہے تاکہ شریعت کے خلاف انقلاب برپا نہ ہو)؟؟؟

یہ انتہائی رسوائی اور گمراہی پر مبنی کلام ہے یہ،جس کے اندر خیر القرون پر اتہام ہے،آخر وہ کون سے احکام ہیں جن پر عمل نہیں کیا گیا انکے شرائط نہ ہونے کی وجہ سے؟ اور آخر وہ کون لوگ تھے جن سے خدشہ تھا کہ وہ شریعت کے خلاف انقلاب کھڑا کریں گے؟

کیا تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کو آج کے احوال پر قیاس کرتے ہو جو نفاذ شریعت سے بچنے کیلئے حیلے تلاش کرتے ہیں؟!

کیا احکام شریعت کی پابندی کرنے والے اور اسے نافذ کرنے والے صحابہ کا موازنہ آج کے ان لوگوں سے کرتے ہو جو نفاذ شریعت سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں؟

ایک جگہ مصنف نے دعوی کیا کہ شریعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانے میں مکمل ہوئی تھی اور شریعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تدریجی طور پر نافذ ہوتی رہی،اور دوسری جگہ یہ گمان کیا کہ خلافت راشدہ میں شریعت کو تدریجی طور پر نافذ کیا گیا، پھر بعد میں یہاں تک دعوی کردیا کہ ہر زمانے میں حالات وظروف کو مدنظر رکھتے ہوئے نفاذ شریعت میں تدریجی پہلو کو اپنایا جائے گا!!

اور یہ دراصل نفاذ شریعت سے راہ فرار اختیار کرنے کی ایک مذموم کوشش ہے۔

حالانکہ مصنف کا دعوی کسی اعتبار سے درست نہیں ہے،نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں

گرچہ شریعت مکمل نہیں ہوئی تھی لیکن شریعت کے جو بھی احکام نازل ہوتے تھے انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکمل طور پر نافذ کرتے تھے، جبکہ مصنف کا دعوی ہیکہ نفاذ شریعت میں تطور اور تغیر ہوتا رہا ہے یہاں تک کہ وفات نبوی کے بعد بھی!

یہ بھی انہیں جگہوں میں سے ایک ہے جن میں مصنف کافی حد تک محمد عابد جابری سے متاثر ہے، اسکی پوری تفصیل نفاذ شریعت کے بحث میں آئے گی ان شاء اللہ۔



مصنف نے آگے ص ۱۱۲ / پر کہا:

(یہاں سب سے اہم اور دقیق مسئلہ یہ ہیکہ شریعت کے اندر مختلف احکام پائے جاتے ہیں، جو ضروریات، حاجیات اور تحسینات کے اعتبار سے مرتبے میں متفاوت ہیں، اس طرح ان عام اصولوں کے درمیان جو لوگوں کے عام مصالح سے مربوط ہیں اور اس خاص حکم کے درمیان جو انسان کی ذاتی زندگی سے مربوط ہے، دونوں کے مابین مساوات ممکن نہیں ہے۔

مزید یہ کہ صحابہ اور خلفائے راشدین کا اجماع حجت ہے، اور یہ معلوم ہیکہ خلفائے راشدین کا عمل جو کہ محل اجماع ہے انکے دور میں بھی شریعت کے احکام کی تنفیذ تدریجی تھا)۔

تبصرہ:

ارشاد باری تعالی ہے: (الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا) ترجمہ: آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ (المائدہ: ۳)۔

اسکے بعد مصنف کا یہ قول دیکھیں: (اور یہ معلوم ہیکہ خلفائے راشدین کا عمل جو کہ محل اجماع ہے انکے دور میں بھی شریعت کے احکام کی تنفیذ تدریجی تھا)۔

اس سے مصنف کی گمراہی اور ہلاکت خیزی کا اندازہ لگا سکتے ہیں جس دے واضح ہوتا ہے کہ شریعت کے مواد اور احکام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مکمل نہیں ہوئی تھے!

یہ سوال کوئی کرسکتا ہے کہ خلفائے راشدین نے جو کچھ جاری کیا کیا ہم اس سے استفادہ نہیں کرسکتے؟ ایسا جواب یہی ہیکہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ کتاب وسنت ہی کی تشریح اور استنباط ہے، انہوں

نے اپنی طرف سے شریعت میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا ہے، اور نہ ہی وہ شریعت کو ناقص سمجھتے تھے کہ اسے پورا کیا ہو جیسا کہ مصنف کا دعوی ہے، اور مصنف کیلئے خلفائے راشدین کے عمل میں کوئی حجت نہیں ہے، بلکہ یہ قیاس فاسد ہے، ان کا عمل خود مصنف کی فکر کے خلاف ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت آئے گی۔

صحیح بخاری میں وارد ہوا ہے:

عن عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ:" إِنَّ أُنَاسًا كَانُوا يُؤْخَذُونَ بِالْوَحْيِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ، وَإِنَّمَا نَأْخُذُكُمُ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ أَعْمَالِكُمْ، فَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا أَمِنَّاهُ وَقَرَّبْنَاهُ وَلَيْسَ إِلَيْنَا مِنْ سَرِيرَتِهِ شَيْءٌ اللَّهُ يُحَاسِبُهُ فِي سَرِيرَتِهِ، وَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا سُوءًا لَمْ نَأْمَنْهُ وَلَمْ نُصَدِّقْهُ، وَإِنْ قَالَ إِنَّ سَرِيرَتَهُ حَسَنَةٌ".

ترجمہ: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کا وحی کے ذریعہ مواخذہ ہو جاتا تھا۔ لیکن اب وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا اور ہم صرف انہیں امور میں مواخذہ کریں گے جو تمہارے عمل سے ہمارے سامنے ظاہر ہوں گے۔ اس لیے جو کوئی ظاہر میں ہمارے سامنے خیر کرے گا، ہم اسے امن دیں گے اور اپنے قریب رکھیں گے۔ اس کے باطن سے ہمیں کوئی سروکار نہ ہوگا۔ اس کا حساب تو اللہ تعالیٰ کرے گا اور جو کوئی ہمارے سامنے ظاہر میں برائی کرے گا تو ہم بھی اسے امن نہیں دیں گے اور نہ ہم اس کی تصدیق کریں گے خواہ وہ یہی کہتا رہے کہ اس کا باطن اچھا ہے۔ (صحیح بخاری: ۲۶۴۱)۔

مزید ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُمَرَ: " انْطَلِقْ بِنَا إِلَى أُمِّ أَيْمَنَ، نَزُورُهَا كَمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزُورُهَا، فَلَمَّا انْتَهَيْنَا إِلَيْهَا بَكَتْ، فَقَالَا لَهَا: مَا يُبْكِيكِ؟ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِرَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: مَا أَبْكِي أَنْ لَا أَكُونَ أَعْلَمُ أَنَّ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِرَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَكِنْ أَبْكِي أَنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَاءِ، فَهَيَّجَتْهُمَا عَلَى الْبُكَاءِ فَجَعَلَا يَبْكِيَانِ مَعَهَا ".

ترجمہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ہمارے ساتھ چلو ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ملاقات کے لیے ہم ان سے ملیں گے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جایا کرتے تھے ان سے ملنے کے لیے۔ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ رونے لگیں دونوں صاحبوں نے کہا تم کیوں روتی ہو؟ اللہ جل جلالہ کے پاس جو سامان ہے اس کے رسول کے لیے وہ بہتر ہے۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا: میں اس لیے نہیں روتی کہ یہ بات نہیں جانتی لیکن میں اس وجہ سے روتی ہوں کہ اب آسمان سے وحی کا آنا بند ہو گیا۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا کے اس کہنے سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی رونا آیا وہ بھی ان کے ساتھ رونے لگے۔ (صحیح مسلم: ۲۴۵۴)۔



مصنف نے آگے ص ۱۱۲ / پر کہا:

(جدید اور پیش آمدہ بڑے بڑے مسائل میں غور وفکر کرنا جو کہ ہر زمانے میں پیش آتے رہتے ہیں، خواہ وہ اجماعی مسائل ہوں یا اختلافی، انکا تعلق تکمیل تدریجی ہی سے ہے، اور یہ ایسا عمل ہے جو اس وقت تک موقوف نہیں ہوگا جب تک روئے زمین پر تغیرات برپا ہوتے رہیں گے، اور ایسے فقہ کی ضرورت رہے گی جسکے ذریعے اللہ اور اسکے رسول کا حکم معلوم ہوگا)۔

تبصرہ:

جدید اور پیش آمدہ بڑے بڑے مسائل کو قواعد شریعت کی طرف لوٹایا جاتا ہے، اس وقت نہ تکمیل شریعت ہے اور نہ ہی اس میں تدریجی پہلو ہے، بلکہ یہ جملہ پہلے کے مقابلے نہیں زیادہ گمراہی پر مبنی ہے اور بھیانک جرم ہے۔

اس طرح مصنف نے یہاں پر خلفائے راشدین کے دور کے بعد بھی احکام شریعت کے تدریجی اور تکمیلی ہونے کا دعوی کیا ہے جس سے بدعت وضلالت اور الحاد و اباحیت کے دروازے کھلنے کیلئے مواقع فراہم کیا گیا ہے، دوسری طرف حکام کیلئے یہ جواز فراہم کیا ہے کہ احکام شریعت کی تنفیذ سے راہ فرار اختیار کر سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ انہیں یہ موقع فراہم کیا جارہا ہے کہ اپنی طرف سے بھی دستور سازی کر کے دین اسلام کی طرف منسوب کر سکتے ہیں، جو کہ کلی اور تفصیلی ہر اعتبار سے احکام شریعت کے مخالف ہے۔

اور اس کا آخری نتیجہ شریعت کو کلی طور پر معطل کرنا لازم آئے گا، اور مصنف کے پیر محمد عابد جابری نے اپنی کتاب " وجهة نظر نحو اعادة بناء قضايا الفكر العربي المعاصر " کے اندر یہی کیا ہے۔

مصنف نے آگے ص ۱۱۳/ پر کہا:

(اصول شریعت فیکٹریوں کی طرح ہیں جن کے اندر مستقل اور تسلسل کے ساتھ معلومات اور حقائق کی بنیاد پر احکامات بنتے رہتے ہیں، چنانچہ نشہ آور اشیاء کی حرمت کسی نص، قیاس یا اجماع کی روشنی میں کیا جاتا ہے، اسی طرح کچھ خاص ضوابط کی روشنی میں ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے جواز کا حکم صادر کیا جاتا ہے، اسی طرح اعضاء کی پیوندکاری کا مسئلہ اور اسی طرح بہت سارے جدید تجارتی مسائل، جن کے اندر ہی فرق ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ کون سا مسئلہ محل اجماع ہے اور کون سا محل خلاف)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف نے کس قدر فاسد قیاس اور کمزور حجت کا سہارا لیا ہے!

اصول شریعت کوئی فیکٹری نہیں ہے، بلکہ اسکے اندر خود ایسے اصول اور ضوابط پائے جاتے ہیں جن کی طرف مسلمان اپنے اختلافی اور پیش آمدہ مسائل میں رجوع کرتے ہیں، اور اللہ کی شریعت کی بیہودہ مثال نہیں دی جاتی ہے کہ جسے فاسد عقول کے سوا کوئی پسند نہ کرے۔

اور جن مثالوں کا ذکر مصنف نے کیا ہے ان سے یہ کہیں معلوم نہیں ہوتا کہ احکام شریعت کے اندر جدت پسندی اور تکمیل وتدریج کا پہلو پایا جاتا ہے، بلکہ یہ وہ مسائل ہیں جو لوگوں کے حالات میں تغیر ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، ان سے شرعی احکام کے اندر تطور اور تغیر لازم نہیں آتا بلکہ شریعت اپنے اصول وضوابط اور مقاصد کے ساتھ تمام جدید اور پیش آمدہ مسائل کو محیط ہے۔



مصنف نے آگے ص ۱۱۴ / پر کہا:

(تدریجی پہلو میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حکم شرعی کے فہم اور اسکے قبول کرنے کیلئے لوگوں کے اندر کتنی استعداد ہے، اور احکام شریعت کی تنفیذ میں کس قدر دنیوی مصلحت مضمر ہے، نیز اقتصادی رفاہیت، حقوق کے تحفظ، تعلقات کی گیرائی اور مشورے کی اہمیت کے اعتبار سے لوگوں کی خواہشات سے کس قدر موافق ہے)۔

تبصرہ:

قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہئے کہ مصنف کے نزدیک حکومتوں کے گرانے، جاہلی بغاوتوں اور انقلابوں اور ڈکٹیٹر شپ سے نبرد آزما ہونے نیز عدل وانصاف، آزادی اور حقوق کے مطالبے میں جمہوری طرز پر کوئی تنازل اور تدریج نہیں ہے، بلکہ فوری طور پر اور مکمل طریقے انکا پورا ہونا ضروری ہے۔

مگر جہاں تک اللہ کی شریعت، اسکے امر ونہی اور حدود کی تنفیذ کا تعلق ہے تو اس میں تدریج اور لوگوں کے خواطر اور خواہشات سب کا خیال کرنا ضروری ہے!

گویا مصنف کے نزدیک لوگوں کی رضامندی اور انکی خواہش اللہ کی رضامندی پر مقدم ہے!

شریعت سے یہ سارے تنازلات دراصل اقتدار کی بھوک ہے، اور ان کفار کی مکمل اطاعت ہے جو انہیں اسلام پسند کا نام دیتے ہیں، کیونکہ یہ اقتدار پر قابض ہونے کے بعد انہیں کے ایجنڈوں کو پورا کریں گے، جبکہ بحیثیت مسلمان کے مصنف پر واجب تھا کہ وہ سرخ منہج کو اختیار کرتا، لوگوں کی حق کی دعوت دیتا اور تکمیل وتدریج کے نام پر دین کے اندر کسی بھی مداہنت سے لوگوں کو آگاہ کرتا۔

ارشاد باری تعالی ہے:(فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ[8] وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ) ترجمہ: تو تم جھٹلانے والوں کا کہانہ ماننا[8] یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم نرمی اختیار کرو تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔ (القلم:۹)۔

امام مجاہد نے اسکی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ کہیں حق کو چھوڑ کر انکی طرف مائل ہو جاتے تو یہ آپ کو بھٹکا دیتے۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ اللہ تبارک وتعالی ہے فرمایا ہے:(وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذًا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا[73] وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا[74] إِذًا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا) ترجمہ: اور بے شک وہ قریب تھے کہ تجھے اس سے ضرور ہی بہکا دیں جو ہم نے تیری طرف وحی کی، تاکہ تو ہم پر اس کے سوا جھوٹ باندھ دے اور اس وقت وہ ضرور تجھے دلی دوست بنا لیتے۔[73] اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے تجھے ثابت قدم رکھا تو بلاشبہ یقینا تو قریب تھا کہ کچھ تھوڑا سا ان کی طرف مائل ہو جاتا۔[74] اس وقت ہم ضرور تجھے زندگی کے دگنے اور موت کے دگنے (عذاب) کا مزہ چکھاتے، پھر تو اپنے لیے ہمارے خلاف کوئی مددگار نہ پاتا۔(الاسراء:۷۵)۔

علامہ شنقیطی رحمہ اللہ نے کہا کہ دراصل ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا تھا کہ وحی کے علاوہ دوسری کوئی پیش کریں لیکن آپ نے سختی سے منع کر دیا اور کہا کہ اپنی طرف سے میں کچھ نہیں کہہ سکتا بلکہ میں اپنے رب کی طرف سے کی جانے والی وحی کی اتباع کرتا ہوں جیسا کہ ایک جگہ اللہ تبارک وتعالی ہے فرمایا ہے:(وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ

لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ) ترجمہ: اور جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے، کہتے ہیں کوئی قرآن اس کے سوا لے آ، یا اسے بدل دے۔ کہہ دے میرے لیے ممکن نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں، میں پیروی نہیں کرتا، مگر اسی کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے، بے شک میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ (یونس: ۱۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا) ترجمہ: اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی فرمائے اور جو لوگ خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم (سیدھے راستے سے) ہٹ جاؤ، بہت بڑا ہٹ جانا۔ (النساء: ۲۷)۔

اسی طرح اللہ کا یہ قول بھی ہے: (وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ) ترجمہ: اور ان لوگوں کی طرف مائل نہ ہونا جنھوں نے ظلم کیا، ورنہ تمھیں آگ آلپٹے گی اور تمھارے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست نہیں ہوں گے، پھر تمھیں مدد نہ دی جائے گی۔ (ھود: ۱۱۳)۔



نفاذ شریعت کو موخر کرنے کو لیکر مصنف کے شبہات!

مصنف نے آگے ص ۱۱۴/ پر کہا:

(تحقیق مناط "علت": امر بالمعروف کے باب میں ہمارے ائمہ اکثر اس دیہاتی کے واقعے سے استدلال کرتے ہیں جس نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا تھا، میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا ہے جسے اصولیین "تحقیق المناط" یعنی علت کی صراحت کہتے ہیں، یعنی اس حالت میں شریعت کیا کرے؟ کیا فوری طور پر حکم کی تنفیذ کر دی جائے جیسا کہ بعض صحابہ نے اس دیہاتی کو فوری ڈانٹ پلائی تھی اور اس سے پیشاب کرنے سے رک جانے کا مطالبہ کیا تھا، اور حقیقت میں اس شخص نے منکر کا ارتکاب کیا تھا اور جو فطری طور پر قبیح امر بھی تھا؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "تم میں سے اگر کوئی منکر کو دیکھے تو چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اسکی طاقت نہ ہو تو زبان سے، اور اگر اسکی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین حصہ ہے"۔ اور یہاں پر ہاتھ اور زبان سے اس منکر کو مٹانا ممکن تھا، اور جن لوگوں نے اس پر نکیر کیا انہوں نے زبان کا استعمال کیا تھا، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے روک دیا، اور اس معاملے کو کچھ وقت کیلئے چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس شخص نے جس منکر کے ارتکاب کی ابتداء کی تھی اسے پورا کر لیا، پھر آپ نے اس معاملے کو حکمت سے ڈیل کیا، اور اس شخص کو اس کی غلطی سے آگاہ کیا، اور جگہ کی صفائی کا حکم دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مہ مہ یعنی بس رک جاؤ کہہ کر منع کیا، جس کا مطلب سخت ڈانٹ ڈپٹ ہے، اور شریعت میں اصل یہ ہیکہ مسجد کو صاف ستھرا رکھا جائے، اور اسے ہر طرح کی تکلیف دہ چیزوں اور نجاستوں سے پاک رکھا جائے، اور اس شخص کے تعلق سے شریعت میں اصل یہ ہیکہ اس پر نکیر کی جائے، اور حسب

استطاعت اسے روکا جائے، لیکن بظاہر ایسا ہوا نہیں، اور اس واقعہ میں جو چیز تعجب خیز ہے وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر کرنے والوں پر ہی نکیر فرمادی، اور جو نرمی اور رعایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے حق میں اپنائی ان صحابہ کے بارے میں نہیں اپنائی، شاید ایسا انکے ایمان راسخ کی وجہ سے کیا تھا، کیونکہ اس شخص ایسی حرکت جان بوجھ کر نہیں کی تھی بلکہ وہ اسے ایک عام فطری امر سمجھتا تھا، جبکہ نکیر کرنے والوں نے شریعت پر اعتماد کر کے ایسا کیا تھا، اور یہ گمان کیا تھا کہ وہ ایسا کر کے صحیح اور صریح نصوص کی تنفیذ کر رہے ہیں، اور فی الواقع ایسا ہی تھا لیکن مسئلہ اسکے تنفیذ کا تھا، اور یہیں پر تنفیذ شریعت کی الجھن اور اسکی پیچیدگی کا پتہ چلتا ہے، کہ کیا احکام کو اسی طرح تنفیذ کر دی جائے جس طرح شریعت میں وارد ہوئے ہیں، جیسا کہ اس واقعے میں نکیر کرنے والوں نے کیا تھا؟ یا تنفیذ شریعت سے مراد کوئی خاص پہلو ہے جیسے کہ حدود و قصاص کی تنفیذ، جو کہ اس کے ارتکاب سے دوسروں کو روکے، بایں طور کہ اگر وہ جرم نہ ہوتا تو تنفیذ حد کی ضرورت ہی نہ ہوتی، اور اسکے لئے کچھ معروف عملی اور وقتی کارروائیاں ہیں۔

اور حد ایسے امور میں نافذ کیا جاتا ہے جس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہ ہو، بلکہ سنت نے شبہات کی بنیاد پر حد کے معاف کرنے پر ابھارا ہے، اور اسکے پیچھے نہ پڑنے کی ہدایت کی ہے، بلکہ اسکی پردہ پوشی کرنے کی رہنمائی کی ہے، کیوں کہ معاف کرنے میں حاکم غلطی کرے یہ بہتر ہے اس سے کہ وہ سزا دینے میں غلطی کرے۔ اور ابراہیم نخعی نے کہا کہ میں ثابت شدہ سو حدود کو معطل کردوں یہ میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے اس سے کہ میں کوئی ایسا حد قائم کروں جو ثابت نہ ہو۔

اور ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی کی سند سے نقل کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شبہات کی بنیاد پر میں حد کو معطل کردوں یہ میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے اس سے کہ میں شبہات کی

بنیاد اسے نافذ کروں۔

اور بسا اوقات شرعی حکم سے آگاہ رکھنا زیادہ قوی ہوتا ہے اسے نافذ کرنے سے، اور شبہہ کا تعلق کبھی ایک فرد سے ہوتا ہے اور کبھی وہ بہت سارے لوگوں کو محیط ہوتا ہے۔

یا تنفیذ شریعت کیلئے ضروری ہیکہ اس معاملے کا ٹھیک ٹھاک فہم ہو جو کسی فرد یا جماعت سے مربوط ہے، اور اس میں جو مناسب ہو اسکے اختیار کرنے میں اجتہاد کیا جائے، اور ساتھ ہی وقت کو بھی پورا حق دیا جائے گرچہ معاملے کی تنفیذ میں تاخیر ہو جائے، اور یہ اجتہاد کی ایک خاص قسم ہے جو خاص علمائے ربانیین ہی کو میسر ہے، جو نصوص شریعت اور اسکے قواعد سے واقف ہوتے ہیں اور ساتھ ہی ثقافتی، سیاسی اور سماجی طور پر بشری حالات وظروف کے ماہر بھی ہوتے ہیں)۔

تبصرہ:

اس کلام کے اندر باطل کی کئی شکلیں موجود ہیں، ایک ایک کر کے ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے:

۱- دیہاتی کے واقعے سے مصنف نے نفاذ شریعت میں تاخیر کرنے کے جواز پر استدلال کیا ہے، اور یہ مصنف کی صریح تلبیس کاری ہے، جس میں مصنف نے اپنے باطل فکر پر استدلال کیا ہے۔

مسجد میں پیشاب کرنا منکر عمل ہے، لیکن جب منکر واقع ہو جائے اور اس سے پورے طور پر بچنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں شریعت نے یہ اصول بتایا کہ بقدر امکان اس منکر کے مفسدہ کو کم کرنے کی کوشش کرو۔

ایک طرف مصنف نے یہ کہا کہ شریعت میں اصل مساجد کی صفائی ستھرائی ہے، تو پھر آخر مصنف نے یہ کیوں نہیں کہا کہ شریعت میں اصل یہ ہیکہ بقدر امکان مفسدہ اور شر کو کم کرنے اور دو مفسدہ میں

سے بڑے سے اجتناب کرتے ہوئے چھوٹے مفسدہ کے ارتکاب کا حکم آیا ہے، اور کتاب وسنت کے اندر اسکے بہت سارے شواہد ہیں۔

سوال یہ ہیکہ اس شخص کو پیشاب کرنے سے نہیں روکا گیا تو کیا اس سے نفاذ شریعت کا ترک لازم آتا ہے جیسا کہ مصنف کا گمان ہے؟!

اللہ نفس پرستی کو برباد کرے کس قدر بندے کیلئے یہ ہلاکت خیز ہے!

مصنف نے کس طرح یہ کہنے کی جسارت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل شریعت کی تنفیذ میں تاخیر کر دی تھی؟! اور اس بنیاد پر کوئی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتی کے واقعے میں اسلامی شریعت کی تنفیذ نہیں کی تھی!

اور سوال یہ بھی ہیکہ کیا یہاں دو دو شریعت ہے: ایک اصلی اور دوسری غیر اصلی یا دوسری فرعی؟!

جی ہاں مصنف نے یہی کہا ہے: (اور اس شخص کے تعلق سے شریعت میں اصل یہ ہیکہ اس پر نکیر کی جائے، اور حسب استطاعت اسے روکا جائے لیکن بظاہر ایسا ہوا نہیں، اور اس واقعہ میں جو چیز تعجب خیز ہے وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر کرنے والوں پر ہی نکیر فرما دی)۔

اسی طرح یہ بھی کہا جائے گا کہ شریعت میں اصل یہ ہیکہ بقدر امکان مفسدہ اور شر کو کم کرنے اور دو مفسدہ میں سے بڑے سے اجتناب کرتے ہوئے چھوٹے مفسدہ کے ارتکاب کر لیا گیا۔ کیونکہ پیشاب کرنے کی حالت میں روکنا نجاست کے پھیلنے کا مزید خطرہ تھا، اور اس سے اس شخص کو تکلیف بھی ہو سکتی تھی، اور اس سے کوئی مقصد بھی حاصل نہیں ہوتا، اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر کرنے والوں کو منع کر دیا، اس سے یہ کہیں بھی پتہ نہیں چلتا کہ اصل شریعت کے علاوہ کوئی دوسری شریعت بھی

ہے!

اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو منع کرتے ہوئے کوئی سوال نہیں کیا کہ کیوں منع کر رہے ہو بلکہ انہیں صرف روک دیا مصلحت راجحہ کی وجہ سے، یعنی بڑے مفسدہ سے بچنے کیلئے چھوٹے مفسدہ کو برداشت کرنے کی خاطر، نیز چھوٹی مصلحت کو چھوڑ کر بڑی مصلحت کو حاصل کرنے کی خاطر، اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ جاہل کے ساتھ نرمی اور شفقت کا مظاہرہ کرنا چاہئے، اور بغیر جھڑکے اسے کچھ ضروری چیزوں کی تعلیم بھی دینی چاہئے، اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور حسن اخلاق کا پتہ چلتا ہے۔(فتح الباری: ۱/ ۳۲۵)۔

۲- مصنف سے یہ بھی کہیں گے کہ مفاسد اور مصالح کو سمجھنے کیلئے واقع حال کے ساتھ شریعت کی جانکاری بھی ضروری ہے، اور اسکے اندر تنفیذ شریعت کو موخر کرنے یا اس سے لاپرواہی برتنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

مصنف نے کہا کہ: (اور یہیں پر تنفیذ شریعت کی الجھن اور اسکی پیچیدگی کا پتہ چلتا ہے، کہ کیا احکام کو اسی طرح تنفیذ کر دی جائے جس طرح شریعت میں وارد ہوئے ہیں، جیسا کہ اس واقعے میں نکیر کرنے والوں نے کیا تھا؟ یا تنفیذ شریعت سے مراد کوئی خاص پہلو ہے جیسے کہ حدود وقصاص کی تنفیذ)۔

یہاں پر مصنف نے تلبیس کاری کا مظاہرہ کیا ہے جسکا جواب درج ذیل ہے:

الحمدللہ شریعت میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے، اور نہ ہی اسکے تنفیذ میں کوئی پریشانی اور رکاوٹ ہے، اور نہ ہی ایسا ہے کہ اس پر عمل نہ کیا جاسکے، اور یہ شریعت نہ ہی کسی فلسفی کی عقلیات اور نہ ہی کسی متکلم کی فکریات اور نہ ہی کسی بدعتی کے تکلفات اور نہ ہی کسی منحرف کے تلبیسات کا محتاج ہے۔

الحمدللہ اسلامی شریعت کامل ہے، اس میں شرعی حدود سے لیکر تعزیرات تک سب شامل ہیں، احکام بیع وشراء سے لیکر معاملات ونکاح وطلاق اور دیگر تمام معاملات زندگی داخل ہیں، جو میں خالق کے حقوق اور مخلوق کے حقوق سب کی تفصیل موجود ہے، بلکہ زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق احکام موجود ہیں اور اکثر احکام کتاب وسنت سے منصوص ہیں۔

حقیقت یہ ہیکہ مصنف نے دیہاتی کے واقعے سے جس طرح نفاذ شریعت کے موخر کرنے یا ترک کرنے پر استدلال کیا ہے اسے محکم نصوص کو ترک کر کے متشابہ نصوص کے پیچھے پڑنا کہتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ) ترجمہ: وہی ہے جس نے تجھ پر یہ کتاب اتاری، جس میں سے کچھ آیات محکم ہیں، وہی کتاب کی اصل ہیں اور کچھ دوسری کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں، پھر جن لوگوں کے دلوں میں تو کجی ہے وہ اس میں سے ان کی پیروی کرتے ہیں جو کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں، فتنے کی تلاش کے لیے اور ان کی اصل مراد کی تلاش کے لیے، حالانکہ ان کی اصل مراد نہیں جانتا مگر اللہ اور جو علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت قبول نہیں کرتے مگر جو عقلوں والے ہیں۔ (آل عمران:٧)۔

اور حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: تَلَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

هَذِهِ الآيَةَ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلا أُولُو الأَلْبَابِ سورة آل عمران آية 7، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " فَإِذَا رَأَيْتِ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولَئِكِ الَّذِينَ سَمَّى اللَّهُ فَاحْذَرُوهُمْ ".

ترجمہ: عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی (هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ) یعنی" وہ وہی اللہ ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری ہے، اس میں محکم آیتیں ہیں اور وہی کتاب کا اصل دارومدار ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں ۔ سو وہ لوگ جن کے دلوں میں چڑ پن ہے ۔ وہ اس کے اسی حصے کے پیچھے لگ جاتے ہیں جو متشابہ ہیں، فتنے کی تلاش میں اور اس کی غلط تاویل کی تلاش میں ۔" آخر آیت (أولو الألباب) تک ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہوں تو یاد رکھو کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے (آیت بالا میں) ذکر فرمایا ہے ۔ اس لیے ان سے بچتے رہو ۔ (صحیح بخاری: ۴۵۴۷) ۔

مزید یہ کہ دیہاتی کے مذکورہ واقعے میں خود مصنف پر رد ہے اس کے اس گمان میں کہ نفاذ شریعت کو موخر کر سکتے ہیں، کیونکہ تنفیذ شریعت خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے، پھر کیسے

کوئی یہ گمان کرسکتا ہے کہ صحابہ کے عمل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کے درمیان تعارض ہے، کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اور صحابہ پر نکیر کرنا شریعت سے خارج ہے؟! اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اصل شریعت نہیں ہے؟! یہ الزامی جواب ہے جس سے مصنف ورطہ حیرت میں پڑ جائے گا، کیونکہ اسی کے ذہن میں اس طرح کے شیطانی وسوسے پیدا ہوئے تھے جیسا کہ مصنف نے خود اسکا اعتراف کیا ہے یہ کہہ کر کہ میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا ہے۔

مصنف نے اس واقعے سے سارے حدود کو جوڑ دیا ہے، اور وہ حدود جن کی تنفیذ کی ذمیداری حکام کے اوپر ہے انہیں قابل تاخیر اور تعطیل ٹھہرا دیا ہے، اور قیاس مع الفارق بلکہ فاسد قیاس ہے درج ذیل کچھ وجوہات کی بنا پر:

پہلی وجہ:

اصل علت کا صحیح نہ ہونا بایں طور کہ مصنف نے اس واقعے سے سارے حدود کو جوڑ دیا ہے۔

دوسری وجہ:

اس لئے حدود مفاسد نہیں ہیں، اور حدود کی تنفیذ میں مفاسد یا مصالح کو نہیں دیکھا جاتا ہے۔

مصنف نے کہا کہ: (اور حد ایسے امور میں نافذ کیا جاتا ہے جس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہ ہو، بلکہ سنت نے شبہات کی بنیاد پر حد کے معاف کرنے پر ابھارا ہے، اور اسکے پیچھے نہ پڑنے کی ہدایت کی ہے، بلکہ اسکی پردہ پوشی کرنے کی رہنمائی کی ہے، کیوں کہ معاف کرنے میں حاکم غلطی کرے یہ بہتر ہے اس سے کہ وہ سزا دینے میں غلطی کرے۔ اور ابراہیم نخعی نے کہا کہ میں ثابت شدہ سو حدود کو معطل کردوں یہ میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے اس سے کہ میں کوئی ایسا حد قائم کروں جو ثابت نہ ہو۔

اور ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی کی سند سے نقل کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شبہات کی بنیاد پر میں حد کو معطل کر دوں یہ میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے اس سے کہ میں شبہات کی بنیاد اسے نافذ کروں)۔

پہلی بات:

جہاں تک ابراہیم نخعی کے اثر کا تعلق ہے کہ: (میں ثابت شدہ سو حدود کو معطل کر دوں یہ میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے اس سے کہ میں کوئی ایسا حد قائم کروں جو ثابت نہ ہو)۔

تو یہاں پر قابل ملاحظہ امر یہ ہیکہ مصنف نے اسکا حوالہ راغب اصفہانی کی کتاب "محاضرات الادباء" کی دی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے لفظ "عطل" سے اپنی من پسند چیزوں کو تلاش کیا ہے، لیکن کسی معتبر مصادر میں نہ پا کر اسی غیر معتبر کتاب میں پایا، کیونکہ اس میں روایتوں کی تخریج اور صحت وضعف کا کوئی لحاظ نہیں ہے، بلکہ اس کتاب کی رجوع کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ روایت بغیر سند کے ہے، اس لئے بلا تردد کہا جا سکتا ہے کہ بغیر سند کے ہونے کی وجہ سے یہ روایت ثابت نہیں ہے، اور اگر اسے بفرض محال صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی یہ لفظ باطل اور امام نخعی کی طرف غیر مقبول ہے کیونکہ یہ قول شریعت کے مخالف ہے، کیونکہ کسی ثابت شدہ حد کو معطل کرنے کا دعوی کوئی مسلمان تو نہیں کر سکتا چہ جائے کہ کوئی امام ہو، کیونکہ جو حدود ثابت ہیں انہیں معطل کرنے کا دعوی کوئی مسلمان کیسے کر سکتا ہے، جبکہ سنت کے اندر اس پر وعید وارد ہوئی ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ، فَقَالَ: وَمَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ

أُسَامَةُ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ، قَالَ: إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللَّهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا ".

ترجمہ: عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مخزومیہ خاتون (فاطمہ بنت اسود) جس نے (غزوہ فتح کے موقع پر) چوری کرلی تھی، اس کے معاملہ نے قریش کو فکر میں ڈال دیا۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس معاملہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کون کرے! آخر یہ طے پایا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت عزیز ہیں۔ ان کے سوا اور کوئی اس کی ہمت نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اسامہ! کیا تو اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں مجھ سے سفارش کرتا ہے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا (جس میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پچھلی بہت سی امتیں اس لیے ہلاک ہوگئیں کہ جب ان کا کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے اور اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں۔ (صحیح بخاری: ۳۴۷۵)۔

کیا کوئی مسلمان کسی ثابت شدہ حد کو معطل کرنے کا دعوی کرسکتا ہے؟ اور ابراہیم نخعی تو بدرجہ اولی ایسا دعوی نہیں کرسکتے۔

اور جہاں تک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس اثر کا تعلق ہے کہ (شبہات کی بنیاد پر میں حد کو معطل کردوں یہ میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے اس سے کہ میں شبہات کی بنیاد اسے نافذ کروں)۔

تو یہ مرسل اثر ہے، ابن ابی شیبہ نے اسے ابراہیم نخعی کے واسطے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ ابراہیم کا سماع عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔

مزید یہ کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس اثر کے اندر تنفیذ شریعت کے ترک کرنے میں مصنف کا کوئی مقصد پورا نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہیکہ حق کی تلاش کرنا چاہیئے اور ان اسباب لو دیکھنا چاہیئے جن سے حد نافذ ہونے سے قبل اس میں کچھ تخفیف ہو جائے، اور اگر کچھ شبہات پائے جائیں تو اسے معاف کر دینا چاہیے کیونکہ اسکے ثبوت میں شبہہ پیدا ہو گیا ہے، اور شریعت کے اندر شبہات کی بنیاد پر حد نافذ نہیں کیا جاتا بلکہ شرعی اسباب کی بنیاد پر حد کو نافذ کیا جاتا ہے۔

دوسری وجہ:

امام نخعی، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یا دیگر علمائے امت ہوں، اس مسئلے میں سب کے نزدیک اس بات پر اتفاق ہیکہ شبہات کی بنیاد پر حد کو معاف کر دیا جائے گا، اسکے اندر حدود شرعیہ کی تنفیذ کی ممانعت کہیں نہیں ہے کہ مصنف جسکا رٹ لگائے ہوئے ہے اور اس سے قبل اسکے پیر و مرشد جابری نے لگا رکھی تھی۔

تیسری وجہ:

مصنف نے ان دونوں اثر سے استدلال کرنے میں بڑی توسع سے کام لیا ہے، یہاں تک کہ تمام احکام شریعت کو اس میں داخل کر دیا، ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ اسکا معروف اور مطلوب معنی کی وضاحت کرتا اسے حیلہ سازی کے ذریعے پورے سماج میں شبہہ کی بنیاد نافذ نہ کرنے پر حجت بنا لیا۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے عبدالرحمن عبدالخالق پر مصنف ہی کے شبہے کی طرح ایک شبہے کا رد کیا ہے، چنانچہ عبدالرحمن عبدالخالق نے" وجوب تطبیق الحدود الشرعیۃ" ص ۲۶ پر کہا کہ سزا دینے سے قبل

ضروری ہے کہ ہم جرائم کے اسباب کا خاتمہ کریں، چنانچہ اس وقت تک شرعی سزا نہ دیں جب تک جرم کے اسباب کا خاتمہ نہ کردیں، اور یہ عقل وحکمت سے بعید بھی ہیکہ جرائم کے اسباب کا خاتمہ کئے بغیر ہم شرعی حدود کی تنفیذ کریں۔

اس پر رد کرتے ہوئے شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ کلام بالکل حق کے مخالف اور سچائی سے دور ہے، میں نہیں جانتا کہ اہل علم میں سے کسی نے آج تک یہ بات کہی ہو سوائے ایک تاریخی روایت کے جس میں آتا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قحط سالی کے موقع پر چوری کی سزا سے توقف کرلیا تھا، اور اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اسے اجتہاد پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ کتاب وسنت کے نصوص تنفیذ حدود پر صریح ہیں، اسلئے ضروری ہیکہ آپ اپنے اس کلام سے رجوع کرلیں، اور کویت اور سعودی کے اخبارات میں اپنی غلطی کا اعلان کردیں، اور اس پر ایک کتابچہ لکھ دیں، اور جان لیں کہ حق کی رجوع کرنا بہت قدیم سنت ہے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ باطل میں اڑے رہنے سے حق کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے، اللہ ہم سب کو حق کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی ناراضگی کے اسباب سے دور رکھے۔ (مجموع الفتاوی للشیخ ابن باز: ۸/ ۲۴۴)۔

۳-مصنف نے کہا: (اور حد ایسے امور میں نافذ کیا جاتا ہے جس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہ ہو، بلکہ سنت نے شبہات کی بنیاد پر حد کے معاف کرنے پر ابھارا ہے، اور اسکے پیچھے نہ پڑنے کی ہدایت کی ہے)۔

یہ دھیان میں رہے کہ مصنف نے یہاں یہ مراد بالکل نہیں لیا ہے کہ شبہات کی بنیاد پر ایسے معین مسئلے میں حدود کو معاف کردیا جاتا ہے جس میں شرعی گواہی نہ پائی جاتی ہو، بلکہ یہاں پر مصنف نے یہ

مراد لیا ہے کہ شبہات کو بنیاد بنا کر ہر طرح کے حدود کو معاف کیا جا سکتا ہے، کیونکہ آگے مصنف نے ص ۱۱۶ پر کہا ہے کہ (شبہہ کا تعلق کبھی ایک فرد سے ہوتا ہے اور کبھی وہ بہت سارے لوگوں کو محیط ہوتا ہے)۔

جبکہ یہ کلام باطل ہے، شریعت کو منہدم کرنے والا اور نصوص کے ساتھ کھلواڑ کرنے والا ہے۔

کیونکہ حدود کی تنفیذ کرنا اللہ کا حق ہے، جب اسکا سبب موجود ہو تو اسکا قائم کرنا واجب ہے، اور یہ اسکے اوامر کی بجا آوری میں شامل ہے، اسکے اسباب کے حصول کی کوشش ہونی چاہیئے اور حکام کو اسے نافذ کرنا چاہیئے کیونکہ یہ انہیں کا فریضہ ہے۔

کیا وہ وضعی دستور جسکی دعوت مصنف دے رہا ہے، اور اس بات پر راضی ہیکہ اس میں اہل بدعت، منافقین، مرتدین اور نصاری سارے لوگ شامل ہو سکتے ہیں اگر یہ سب ایک ہی ملک میں ہوں، اور مصنف کی نظر میں اسکے لئے کوشش بھی کرنا چاہیئے، جب کہ زانی، قاتل، چور اور شرابی جیسے مجرمین پر اللہ کے حدود نافذ کرنے میں کوشش نہ کی جائے، کیا یہی انصاف ہے؟!

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: (أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ) ترجمہ: پھر کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے، ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔(المائدہ: ۵۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ) ترجمہ: اور وہ چیز جس میں تم نے اختلاف کیا، کوئی بھی چیز ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے، وہی اللہ میرا رب ہے، اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔(الشوری: ۱۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے :(فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا) ترجمہ: پس نہیں! تیرے رب کی قسم ہے! وہ مومن نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ تجھے اس میں فیصلہ کرنے والا مان لیں جو ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے، پھر اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں جو تو فیصلہ کرے اور تسلیم کرلیں، پوری طرح تسلیم کرنا۔(النساء:٦٥)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُصِيبَهُم بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ) ترجمہ: اور یہ کہ ان کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ کر جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر اور ان سے بچ کہ وہ تجھے کسی ایسے حکم سے بہکا دیں جو اللہ نے تیری طرف نازل کیا ہے، پھر اگر وہ پھر جائیں تو جان لے کہ اللہ یہی چاہتا ہے کہ انھیں ان کے کچھ گناہوں کی سزا پہنچائے اور بے شک بہت سے لوگ یقینا نافرمان ہیں۔(المائدہ:٤٩)۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے" وجوب الحکم بشرع اللہ ونبذ ما خالفہ" کے عنوان سے اپنے ایک رسالے میں کہا ہیکہ اللہ کی شریعت کی تنفیذ اور وحی کی روشنی میں فیصلے کرنا ان امور میں سے ہے جنہیں اللہ اور اسکے رسول نے واجب کیا ہے، اور یہ بھی اللہ کی عبودیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا متقاضی ہے، اور اس سے اعراض کرنا عذاب الہی کا موجب ہے، اسکا تعلق خواہ حکومت اور رعایا سے ہو یا مسلمانوں کے اپنے معاملات سے ہو، یا باہمی تنازعات سے ہو، یا بین الممالک امور سے ہو، یا جماعتوں کے درمیان یا افراد کے درمیان ہو، یہ حکم سب کیلئے عام ہے، کیونکہ اللہ ہی کیلئے ساری مخلوق

اور سارا فیصلہ ہے، اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اسکا کوئی ایمان نہیں ہے جو یہ اعتقاد رکھے کہ لوگوں کے فیصلے اور آراء اللہ اور اسکے رسول کے فیصلے سے بہتر ہیں، یا اسکے مثل اور مشابہ ہیں، یا وہ یہ جائز سمجھے کہ ان کی جگہ وضعی دستور اور بشری نظام لے سکتے ہیں، گرچہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کے احکام بہتر، زیادہ کامل اور زیادہ لائق عدل ہیں۔ سو تمام مسلمانوں، انکے امراء و حکام اور اہل حل وعقد پر واجب ہیکہ وہ اللہ سے ڈریں اور اپنے ملکوں میں اور تمام معاملات زندگی میں اللہ کی شریعت کو نافذ کریں، اور خود کو نیز اپنے ماتحتوں کو اللہ کی عذاب سے بچائیں، اور شریعت سے بیزاری کی وجہ سے جو ممالک عتاب الہی کا شکار ہوئے ہیں ان سے عبرت حاصل کریں، اور یہ جان لیں کہ ہمارے احوال اسی وقت درست ہوں گے جب ہم سیاسی، فکری ہر اعتبار سے اللہ کی طرف لوٹ جائیں گے اور صراط مستقیم پر قائم ہو جائیں گے جس کا کہ اللہ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے اور جس پر چلنے کی صورت میں اپنی جنت کا وعدہ کیا ہے۔

*شبہات کی بنیاد پر حدود کی معافی کا مطلب:

حدیثوں کے اندر شبہات کی بنیاد پر حدود کی معافی کا جو ذکر آیا ہے اس کا وہ مفہوم نہیں ہے جسے مصنف نے عام کرنے کی کوشش کی ہے، انہیں میں سے ایک حدیث یہ ہے:

عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " ادْرَءُوا الْحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ، فَإِنْ كَانَ لَهُ مَخْرَجٌ فَخَلُّوا سَبِيلَهُ ، فَإِنَّ الْإِمَامَ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعُقُوبَةِ ".

ترجمہ: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جہاں تک

تم سے ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو دفع کرو، اگر مجرم کے بچ نکلنے کی کوئی صورت ہو تو اسے چھوڑ دو، کیونکہ مجرم کو معاف کر دینے میں امام کا غلطی کرنا اسے سزا دینے میں غلطی کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۴۲۴، ضعیف جدا)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" ادْفَعُوا الْحُدُودَ مَا وَجَدْتُمْ لَهُ مَدْفَعًا".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم حدود کو دفع کرو، جہاں تک دفع کرنے کی گنجائش پاؤ"۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۵)۔

یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ مگر اسکا معنی معتبر ہے، اور یہ خطاب حکام، قضاۃ اور دیگر ذمہ داروں سے ہے، جنہیں یہ حکم ہے کہ وہ تنفیذ حد سے پہلے اسباب حد کے بارے میں اچھی طرح تحقیق کریں۔ اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ حد معاف کرنے کیلئے شبہات کی تلاش کریں۔

یہاں پر یہ تنبیہ ضروری ہیکہ مصنف نے یہاں بھی مستشرقین کے شاگرد اور چیلے محمد عابد جابری کی تقلید کی ہے، جو کہ الحاد اور شریعت دشمنی میں معروف ہے، اور جن شبہات کی تشہیر مصنف کر رہا ہے انہیں رائج کرنے والا یہی جابری ہے، جس نے اپنی کتاب "الدین والدولۃ وتطبیق الشریعۃ"، اور دوسری کتاب "وجھۃ نظر نحو اعادۃ بناء قضایا الفکر العربی المعاصر" کے اندر لکھا ہے۔ اور اسی جابری نے پہلے مذکورہ ضعیف حدیث کو بنیاد بنا کر حدود کے ترک کرنے پر استدلال کیا ہے، یہ دعوی کرتے ہوئے کہ ہمارے زمانے میں شبہات بہت زیادہ ہیں، کیونکہ دور حاضر کی زندگی بہت پیچیدہ ہے، ساتھ ہی سیاسی شبہات بھی ہیں کیونکہ سیاسی مقاصد کیلئے بھی لوگ اسے استعمال کر سکتے ہیں۔

مصنف نے کہا: (اور شبہہ کا تعلق کبھی ایک فرد سے ہوتا ہے اور کبھی وہ بہت سارے لوگوں کو محیط ہوتا ہے)۔

تنفیذ شریعت کا مطلب صرف حدود وقصاص کی تنفیذ کرنا ہی نہیں ہے جیسے کہ چوری کی حد، بلکہ دیگر احکام اور اصول بھی ہیں جنکی پابندی ضروری ہے، مثال کے طور پر سیاسی زندگی میں شورائیت کا اصول، اسی طرح سماجی زندگی میں (کاد الفقر ان یکون کفرا- قریب ہیکہ فقر ومحتاجگی کفر تک پہونچا دے) کے اصول کو نافذ کرنا، ان میں سے بعض اصول تو ایسے ہیں جو حدود کی تنفیذ سے پہلے ہوتے ہیں، بلکہ حدود کی تنفیذ میں ضروری ہیکہ (ادرءوا الحدود بالشبہات) والی حدیث کی روشنی میں منظم کیا جائے، اسکے علاوہ ایک دوسری حدیث اس سے بھی زیادہ واضح اور قوی ہے جس کا نص یہ ہے: (ادْرَءُوا الْحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ، فَإِنْ كَانَ لَهُ مَخْرَجٌ فَخَلُّوا سَبِيلَهُ ، فَإِنَّ الْإِمَامَ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعُقُوبَةِ ”ترجمہ: جہاں تک تم سے ہوسکے مسلمانوں سے حدود کو دفع کرو، اگر مجرم کے بچ نکلنے کی کوئی صورت ہو تو اسے چھوڑ دو، کیونکہ مجرم کو معاف کر دینے میں امام کا غلطی کرنا اسے سزا دینے میں غلطی کرنے سے کہیں بہتر ہے۔(سنن ترمذی: ۱۴۲۴، ضعیف جدا)۔

آپ دیکھیں کس طرح مصنف اور جابری دونوں کے طریقہ کار اور فکر میں یکسانیت پائی جاتی ہے!

جابری مزید کہتا ہے: مجھے اپنے دین، اور اپنے وجدان وعقل کے اعتبار سے یہ کہنے میں کوئی حرج محسوس نہیں ہے کہ شریعت اسلامیہ کی تنفیذ مکمل طور پر کبھی بھی کسی دن نہیں ہوئی ہے۔(الدین والدولة وتطبیق الشریعہ، ص ۲۰۳)۔

*مصنف کے نزدیک تنفیذ شریعت کا مفہوم:

مصنف کے نزدیک تنفیذ شریعت کا مفہوم وہی ہے جسکی اس نے ص ۱۱۶ پر صراحت کی ہے:
(تنفیذ شریعت کیلئے ضروری ہیکہ اس معاملے کا ٹھیک ٹھاک فہم ہو جو کسی فرد یا جماعت سے مربوط ہے، اور اس میں جو مناسب ہو اسکے اختیار کرنے میں اجتہاد کیا جائے، اور ساتھ ہی وقت کو بھی پورا حق دیا جائے گرچہ معاملے کی تنفیذ میں تاخیر ہو جائے، اور یہ اجتہاد کی ایک خاص قسم ہے جو خاص علمائے ربانیین ہی کو میسر ہے)۔

مصنف اپنے اس کلام کے ذریعے لوگوں کے دین اور شریعت میں تلبیس کاری کا مظاہرہ کر رہا ہے وہ دین اور شریعت جسے اللہ نے ہر کمی بیشی سے محفوظ رکھا ہے، اور جس کے اندر کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی پسند کی بات ڈالے، بلکہ اسی کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کا حکم ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (خذ الکتاب بقوۃ) ترجمہ: کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔ (مریم: ۱۲)۔ مزید ارشاد باری تعالی ہے: (فخذھا بقوۃ) ترجمہ: اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیں۔ (الاعراف: ۱۴۵)۔ بلکہ تمام مسلمانوں پر واجب ہیکہ وہ اللہ کی شریعت کو نافذ کریں، اس سے کسی کو راہ فرار اختیار کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

مگر مصنف نے شریعت کے اندر بھی ذمیداران قوم کو آزادی اور اختیار دینے کی بات کی ہے کہ جو وہ مناسب سمجھیں اسے اختیار کر سکتے ہیں، اگر چاہیں تو حدود کی تنفیذ کریں اور اگر چاہیں تو کہہ دیں کہ ابھی ہمارے یہاں تنفیذ شریعت مناسب نہیں ہے، جبکہ اللہ تعالی فرماتا ہے: (وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا) ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو تم منافقوں کو دیکھو گے کہ تم سے منہ موڑ لیتے ہیں، صاف منہ موڑنا۔ (النساء: ٦١)۔

مصنف نے آگے ص ۱۱۸ / پر کہا:

(نص شرعی اور اس کی تنفیذ میں بڑا فرق ہے، شریعت کچھ اور چیز ہے اور اسکے تنفیذ کچھ اور، اور یہی جوہری فرق ہے جس پر غور وفکر اور مناقشے کی ضرورت ہے، صحابہ سے بڑھ کر آخر زیادہ افضل، زیادہ دیندار اور دین کا زیادہ سمجھدار کون ہوسکتا ہے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بھی نکیر فرما دی یہ پیغام دیتے ہوئے کہ لوگوں کو اپنے مقام اور حیثیت کو دیکھ سلوک کریں، کیونکہ انہیں معلوم کہ وہ انکے اندر اللہ کے حکم کو لیکر غلطی پر ہیں یا درستگی پر)۔

تبصرہ:

یہ مجمل کلام ہے جو حق اور باطل دونوں کا محتمل ہے، اس سے صحیح معنی بھی مراد ہوسکتا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ، فَلَا تُنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ وَلَكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِكَ، فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَتُصِيبُ حُكْمَ اللَّهِ فِيهِمْ أَمْ لَا؟) ترجمہ: اور جب تو کسی قلعہ والوں کو گھیرے اور وہ تجھ سے یہ چاہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر تو ان کو باہر نکالے تو مت نکال تو ان کو اللہ کے حکم پر بلکہ نکال ان کو اپنے حکم پر اس لیے کہ تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تجھ سے ادا ہوتا ہے یا نہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۷۳۱)۔

اور اس سے باطل معنی بھی مراد ہوسکتا ہے، اور مصنف اسی باطل معنی کے گرد چکر لگانے والوں میں سے ہے، بایں طور کہ تنفیذ شریعت کیلئے کوئی امکان نہیں ہے، کیونکہ جو تنفیذ شریعت کا دعوی کرتے ہیں ان کے اندر خطا کا احتمال ہے، اور اہل شک اور اہل انحراف کھ نزدیک یہی بیت القصید

ہے جو شریعت سے منہ موڑ کر مغربی جمہوریت کے دلدادے ہیں۔

اس کا جواب درج ذیل ہے:

مسلمانوں کو اللہ کے اوامر کی پابندی کا حکم ہے گرچہ وہ اس میں غلطی کریں، کیونکہ اگر یہ غلطی اجتہاد کی بنیاد پر ہوگی تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، لیکن یہ کہنا بالکل جائز نہیں ہے کہ غلطی اور شک شبہے کے احتمال کی وجہ سے شریعت کی تنفیذ ہی نہ کی جائے۔



مصنف کالوگوں کو تحکیم شریعت سے خوفزدہ کرنا

مصنف نے آگے ص ۱۱۹/ پر کہا:

(افراد اور قوموں کی نفسیاتی اور فکری حقیقت کو سمجھنا، اور یہ کہ وہ شریعت کے کس قدر متحمل ہو سکتے ہیں، اور شریعت انکے لئے کس قدر قابل اصلاح اور مناسب ہو سکتی ہے، یہ بہت ہی دقیق فقہ ہے جس کے سمجھنے میں نقطہ ہائے نظر مختلف ہیں۔

عملی تنفیذ پہلے اصل نصوص کی معرفت پر مشتمل ہوتا ہے، اور دوسرے اس تاریخی حالات کا علم جس میں فیصلے کی تنفیذ ہوتی ہے، جس میں قبول کرنے اور رد عمل کے استعداد کا علم بھی شامل ہے، اور آیا وہ اسکی وجہ سے سب کیلئے نقصان دہ ہو سکتا ہے، یا زندگی کے دھارے کو الٹ سکتا ہے، یا بتدریج اصلاح کے عمل کو الجھن میں ڈال سکتا ہے۔

مسائل اور شدید تنازعات کو بڑھا کر راہ حیات کو پیچیدہ بنا سکتا ہے، جو جماعت کے بندھن کے ٹوٹنے، یا ترقی اور معیشت کے زوال یا دشمنوں کے تسلط کا باعث بن سکتا ہے۔

یا خود شریعت کے خلاف ہو کر اور اس کے داعیوں کے تعلق سے بدگمانی میں مبتلا ہو کر اس کی راہ کو الجھا سکتا ہے۔ اور یہ اعتقاد کر لینا کہ یہ اب ماضی کا حصہ بن چکا ہے، اسکی تنفیذ کی کوشش چھوڑ دینی چاہئے، کیونکہ اسکی تنفیذ جتنی مقدار میں دیکھنے کو مل رہی ہے اس میں احوال وظروف کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، اور نہ ہی اس میں اس قدر تفقہ سے کام لیا گیا ہے جتنا کہ ضرورت ہے)۔

تبصرہ:

مصنف نے یہاں پر جس اسلوب کو اپنایا ہے یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے منافقین شریعت کے

تعلق سے بدگمانی اور افواہ پھیلاتے ہیں، اور مومنوں کو تحکیم شریعت سے خوفزدہ کرتے ہیں، چنانچہ اسی طرح مصنف نے بھی یہاں پر کوئی دس امور ایسے گنائے ہیں جن کا مقصد لوگوں کو شریعت مخالف پروپیگنڈہ اور اس سے خوفزدہ کرنا ہے!

لیکن اس طرح کے جتنے بھی افواہ پھیلالیں یک منافقین امت مگر وہ کبھی اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہیں ہوں گے، مصنف کے ان دسوں افواہوں اور پروپیگنڈوں کا ذکر ذیل کہہ کر رہا ہوں:

۱-اس تاریخی حالات کا علم جس میں فیصلے کی تنفیذ ہوتی ہے۔

۲-آیا وہ اسکی وجہ سے سب کیلئے نقصان دہ ہوسکتا ہے۔

۳-یا زندگی کے دھارے کو الٹ سکتا ہے۔ ۴-یا بتدریج اصلاح کے عمل کو الجھن میں ڈال سکتا ہے۔

۵-مسائل اور شدید تنازعات کو بڑھا کر راہ حیات کو پیچیدہ بنا سکتا ہے۔

۶-جو جماعت کے بندھن کے ٹوٹنے کا سبب ہوسکتا ہے۔

۷-یا ترقی اور معیشت کے زوال کا سبب بن سکتا ہے۔

۸-یا دشمنوں کے تسلط کا باعث بن سکتا ہے۔

۹-یا خود شریعت کے خلاف ہو کر اسکی راہ الجھا سکتا ہے۔

۱۰-یا اس کے داعیوں کے تعلق سے بدگمانی میں مبتلا ہو کر اس کی راہ کو الجھا سکتا ہے۔اور یہ اعتقاد کر لینا کہ یہ اب ماضی کا حصہ بن چکا ہے جسے اب ترک کر دینا چاہیے۔

سوال یہ ہیکہ کیا رب العالمین کی شریعت سے لوگوں کو نقصان پہنچے گا اور زندگی کو الجھا دے گی

اور انکے لئے مشکلات کھڑا کردے گی؟!!

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ تحکیم شریعت کے تعلق سے مصنف کے اسلوب اور علمائے ربانیین کے اسلوب کا موازنہ کریں فرق واضح ہوجائے گا، چنانچہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے کہا، جیسا کہ گزر چکا ہے:

اللہ کی شریعت کی تنفیذ اور وحی کی روشنی میں فیصلے کرنا ان امور میں سے ہے جنہیں اللہ اور اسکے رسول نے واجب کیا ہے، اور یہ بھی اللہ کی عبودیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا متقاضی ہے، اور اس سے اعراض کرنا عذاب الہی کا موجب ہے، اسکا تعلق خواہ حکومت اور رعایا سے ہو یا مسلمانوں کے اپنے معاملات سے ہو، یا باہمی تنازعات سے ہو، یا بین الممالک امور سے ہو، یا جماعتوں کے درمیان یا افراد کے درمیان ہو، یہ حکم سب کیلئے عام ہے، کیونکہ اللہ ہی کیلئے ساری مخلوق اور سارا فیصلہ ہے، اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اسکا کوئی ایمان نہیں ہے جو یہ اعتقاد رکھے کہ لوگوں کے فیصلے اور آراء اللہ اور اسکے رسول کے فیصلے سے بہتر ہیں، یا اسکے مثل اور مشابہ ہیں، یا وہ یہ جائز سمجھے کہ ان کی جگہ وضعی دستور اور بشری نظام لے سکتے ہیں، گرچہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کے احکام بہتر، زیادہ کامل اور زیادہ لائق عدل ہیں۔

سو تمام مسلمانوں، انکے امراء و حکام اور اہل حل وعقد پر واجب ہیکہ وہ اللہ سے ڈریں اور اپنے ملکوں میں اور تمام معاملات زندگی میں اللہ کی شریعت کو نافذ کریں، اور خود کو نیز اپنے ماتحتوں کو اللہ کی عذاب سے بچائیں، اور شریعت سے بیزاری کی وجہ سے جو ممالک عتاب الہی کا شکار ہوئے ہیں ان سے عبرت حاصل کریں، اور یہ جان لیں کہ ہمارے احوال اسی وقت درست ہوں گے جب ہم سیاسی، فکری ہر اعتبار سے اللہ کی طرف لوٹ جائیں گے اور صراط مستقیم پر قائم ہوجائیں گے جس کا کہ اللہ

نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے اور جس پر چلنے کی صورت میں اپنی جنت کا وعدہ کیا ہے۔

مصنف نے کہا: (کیونکہ اسکی تنفیذ جتنی مقدار میں دیکھنے کو مل رہی ہے اس میں احوال وظروف کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، اور نہ ہی اس میں اس قدر تفقہ سے کام لیا گیا ہے جتنا کہ ضرورت ہے)۔

مصنف سے سوال یہ ہیکہ آخر اس وقت تحکیم شریعت کا مشاہدہ کتنی مقدار میں کیا ہے؟ اور یہ مشاہدہ کہاں کیا ہے؟ اور کس ملک میں؟

آخر مصنف تلمیح واشارے سے کام کیوں لے رہا ہے، صراحت سے اپنی بات کیوں نہیں رکھتا؟ کتاب کے مقدمے میں مصنف نے تو آخر یہی دعوی کیا ہے کہ غیر جانبدار ہو کر لکھے گا، کسی خاص ظروف اور کسی خاص ملک کو ٹارگٹ نہیں کرے گا؟!

پھر آخر یہاں کیوں برا بھلا کہہ رہا ہے اس ملک کو جو شریعت کی تنفیذ کر رہا ہے یہ کہہ کر کہ اس نے شریعت کی تنفیذ میں ظروف واحوال کا لحاظ نہیں رکھا اور اور نہ ہی اس میں اس قدر تفقہ سے کام لیا جتنا کہ ضرورت ہے؟ اور دنیا میں یہی تنہا ملک ہے جو شریعت کی تنفیذ کر رہا ہے جیسا کہ ہمیں معلوم ہے۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے کہا کہ اس ملک سے دشمنی رکھنا حق اور توحید سے دشمنی رکھنا ہے، ہمارے ادرگرد عراق، سیریا، مصر اور دیگر ممالک ہیں آخر یہاں پر حکومتی سطح پر توحید کی دعوت موجود ہے، شریعت کی تنفیذ کہاں پر ہو رہی ہے، اور شرک کے اڈوں اور مزاروں کو کہاں گرایا جا رہا ہے؟ اس ملک کے سوا کون ہے جو شریعت کی تنفیذ کر رہا ہے؟ دعا ہیکہ اللہ تعالی ہمیں مزید توفیق دے اور ہر کمی اور شر کو دور کرے اور ہر خیر کے کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔(" اهداف الحملات الاعلامية ضد حكام وعلماء بلاد الحرمين " نامی کیسٹ)۔

مزید کہا کہ والحمد للہ یہ ایک اسلامی ملک ہے، جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتا ہے اور مسلمانوں کے اندر شریعت کی تنفیذ کرتا ہے۔

ایک دوسری جگہ عبد الرحمن عبد الخالق کے رد کرتے ہوئے کہا کہ تم نے اپنی کتاب "خطوط رئیسیۃ لبعث الامۃ الاسلامیۃ" کے ص ۱۲۷ پر کہا کہ (ہمارے اسلامی ملکوں میں شریعت کی پرچھائیں بھی نہیں ہیں سوائے چند خانگی قوانین کے، اور جہاں تک مالی معاملات، سیاسی اور ملکی قوانین کا تعلق ہے تو بلا استثناء ہمارے ممالک مغربی یا مشرقی قوانین کے تابع ہیں، اسی طرح سے اخلاقی جرائم اور حدود سے متعلق سارے قوانین امپورٹڈ ہیں)۔

تحکیم شریعت سے متعلق اس طرح مطلق طور پر کہنا بالکل درست نہیں ہے کیونکہ مملکت سعودی عرب کے اندر شریعت کی تنفیذ ہوتی ہے، یہاں شرعی حدود نافذ کئے جاتے ہیں، مملکہ کے تمام گوشوں میں شرعی عدالتیں قائم ہیں، لیکن معصوم کوئی نہیں ہے، مجھے خبر ملی ہے کہ برونای کے سلطان نے بھی شریعت کی تنفیذ کا حکم جاری کیا ہے، بہر حال ضروری ہیکہ تم اپنی اس عبارت پر نظر ثانی کرو، اور اسے کویت اور سعودی کے اخبارات میں نشر کرو، ہاں اگر مطلق کہنے کے بجائے اکثر کی بات کرتے تو موضوع ٹھیک ہو جاتا کیوں کہ یہی غالب ہے، اللہ ہمارے ہدایت اور توفیق نصیب فرمائے۔ (مجموع الفتاوی للشیخ ابن باز: ۸ / ۲۴۲)۔

آپ دیکھیں کہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ برونای کی حکومت سے شریعت کی تنفیذ کی خبر سن کر یا قدر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں، اور لوگوں کو تنفیذ شریعت کی ترغیب دے رہے ہیں، جبکہ مصنف تحکیم شریعت سے لوگوں کو متنفر کر رہا ہے اور جو اسکی تنفیذ کر رہا ہے مصنف اسکی مذمت کر رہا ہے۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے مملکت سعودی عرب کے بارے میں کہا کہ یہ ملک جیسا کہ آپ لوگوں

معلوم ہے، الحمدللہ اسلامی شریعت کی تنفیذ کررہا ہے۔(اهداف الحملات الاعلامیة ضد حکام وعلماء بلاد الحرمین نامی کیسٹ)۔

مزید آپ نے کہا کہ میں اللہ کو اور آپ لوگوں کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اس وقت دنیا میں مملکت سعودی عرب کے سوا نہیں جانتا کہ کوئی دوسرا ملک شریعت کی تنفیذ کررہا ہے، اور بلاشبہ یہ ہمارے اوپر اللہ کی نعمت ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم اسکی حفاظت کریں اور مزید کی خواہش کریں، کیونکہ میں کمال کا دعوی نہیں کرتا، بلاشبہ ہمارے اندر بھی کمیاں ہیں، لیکن الحمد للہ دوسرے ملکوں کے اعتبار سے ہمارا ملک بہتر ہے۔(وجوب طاعة السلطان للعرینی ص ۴۸)۔

شیخ ابراہیم بن عبید آل عبدالمحسن جوکہ علمائے بریدہ میں سے ہیں اور ایک مشہور مورخ ہیں، کہتے ہیں کہ یہ مملکت سلفی ملک ہے، جہاں دین اسلام مضبوطی سے قائم ہے، جس نے بدعات وخرافات کا خاتمہ کیا ہے، بت پرستی، اولیاء صالحین کی قبروں اور مزاروں کو برابر کیا ہے، مزید ملک نے ترقی بھی کی ہے، اگر یہی صورت حال اموی اور عباسی دور میں ہوتی تو تاریخ اسلام میں اسے سراہا جاتا اور کتابیں بھرجاتیں، اس ملک کے شرف کیلئے ملک عبدالعزیز کا یہ قول کافی ہیکہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم وہابی ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہیکہ ہم سلفی ہیں، اپنے دین کے پابند ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول کے متبع ہیں، ہمارے اور دیگر مسلمان بھائیوں کے درمیان یہی کتاب وسنت ہی فیصل ہیں۔(تذکرۃ اولی النھی والعرفان بایام الواحد الدیان وذکر حوادث الزمان: ۴/ ۲۹۰)۔

مصنف نے کہا:(مسائل اور شدید تنازعات کو بڑھا کر راہ حیات کو پیچیدہ بنا سکتا ہے، جو جماعت کے بندھن کے ٹوٹنے، یا ترقی اور معیشت کے زوال یا دشمنوں کے تسلط کا باعث بن سکتا ہے)۔

اس پر ہم کہیں گے کہ آخر مصنف کو کب سے جماعت کے اتحاد کی فکر ہوگئی جبکہ وہ اپنی اس کتاب

اور بغاوت و انقلاب پر ابھارنے کی کوشش میں ہے؟ یا مصنف کے نزدیک یہی باغی جماعت ہی مطلوب ہے اور دوسروں کے متفرق اور منتشر ہونے پر کوئی پرواہ نہیں ہے؟! اگر یہی سوچ ہے تو پھر یہ مسلمانوں کے ساتھ نصح خیر خواہی نہیں ہے، واللہ المستعان۔



مصنف نے آگے ص ۱۲۰ / پر کہا:

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیہاتی کو منع کرنے پر قادر تھے، کعبہ کو منہدم کر کے اسے ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کرنے پر بھی قادر تھے، اسی طرح منافقین کے قتل پر بھی قادر تھے، مگر ان سب کو ترک کر دیا؛ اسلئے کہ اس سے مزید مفسدہ کا خطرہ اور عظیم مصلحت کا فقدان تھا، لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد- صلی اللہ علیہ وسلم- اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔ دراصل یہ بہت بڑا میڈیائی مفسدہ تھا جس سے آپ نے سازش کاروں کی سازش کو ناکام بنا دیا، اسی طرح کعبہ کے اندر تبدیلی سے ممکن تھا لوگوں کے دلوں میں کدورت اور نفرت پیدا ہو جاتی، یا یہ سمجھ بیٹھتے کہ ایسا کر کے یہ جاہ ومنزلت کے خواہاں ہیں، اور یہ بھی ممکن تھا کہ کعبہ کے تعلق سے جو ہیبت اور حرمت وعظمت تھی وہ متزلزل ہو جاتی)۔

تبصرہ:

اس کی تردید کیلئے دیہاتی کے واقعے پر جواب پہلے دیا جا چکا ہے اسے دیکھ سکتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی عمل اور قول خود شریعت اور وحی الہی ہے، اس سے تنفیذ شریعت کے ترک یا تاخیر پر استدلال آخر کیسے کر سکتے ہیں!

بلکہ اسے خود قرآن میں ثابت کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ) ترجمہ: اور انھیں گالی نہ دو جنھیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، پس وہ زیادتی کرتے ہوئے کچھ جانے بغیر اللہ کو گالی دیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر امت کے لیے ان کا عمل مزین کر دیا ہے، پھر ان کے رب ہی کی طرف

ان کا لوٹنا ہے تو وہ انھیں بتائے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔(الانعام:۱۰۸)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو قتل نہیں کیا، یہی اس وقت اسلامی شریعت کا تقاضہ تھا، اور اس وحی کا بھی تقاضہ تھا جو آپ پر نازل ہوتی تھی، تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں، اور پھر دین اسلام سے متنفر ہو جائیں، اس میں شریعت کے کسی حکم میں نہ تو تاخیر پائی جاتی ہے اور نہ ہی ترک، بلکہ یہی شریعت کا تقاضہ تھا، کیوں کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان منافقین کے بارے میں وحی کے ذریعے اطلاع دے دی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو خلفاء وملوک اور حکام آئے انہیں صرف ظاہر پر فیصلہ کرنے کا حکم ہے، صحیح بخاری میں وارد ہوا ہے:

عن عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُتْبَةَ، قَالَ:سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ:" إِنَّ أُنَاسًا كَانُوا يُؤْخَذُونَ بِالْوَحْيِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ، وَإِنَّمَا نَأْخُذُكُمُ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ أَعْمَالِكُمْ، فَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا أَمِنَّاهُ وَقَرَّبْنَاهُ وَلَيْسَ إِلَيْنَا مِنْ سَرِيرَتِهِ شَيْءٌ اللَّهُ يُحَاسِبُهُ فِي سَرِيرَتِهِ، وَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا سُوءًا لَمْ نَأْمَنْهُ وَلَمْ نُصَدِّقْهُ، وَإِنْ قَالَ إِنَّ سَرِيرَتَهُ حَسَنَةٌ".

ترجمہ: عبداللہ بن عتبہ سے مروی ہیکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کا وحی کے ذریعہ مواخذہ ہو جاتا تھا۔لیکن اب وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا اور ہم صرف انہیں امور میں مواخذہ کریں گے جو تمہارے عمل سے ہمارے سامنے ظاہر ہوں گے۔ اس لیے جو کوئی ظاہر میں ہمارے سامنے خیر کرے گا، ہم اسے امن دیں گے اور اپنے قریب رکھیں گے۔اس کے باطن سے ہمیں کوئی سروکار نہ ہوگا۔اس کا حساب تو اللہ تعالیٰ کرے گا اور جو کوئی ہمارے

سامنے ظاہر میں برائی کرے گا تو ہم بھی اسے امن نہیں دیں گے اور نہ ہم اس کی تصدیق کریں گے خواہ وہ یہی کہتا رہے کہ اس کا باطن اچھا ہے۔(صحیح بخاری: ۲۶۴۱)۔

اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کوئی حاکم تنفیذ شریعت سے قاصر اور کمزوری ہے تو اسے عاجز کہیں گے نہ کہ شریعت، اس عاجزی اور کمزوری کو شریعت کی طرف منسوب نہیں کریں گے، وہ نجاشی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی وہ عاجز ہی تھا اسی لئے قابل ملامت نہیں تھا، مگر کوئی اس واقعے سے یہ استدلال کرنے نہیں بیٹھ جائے گا کہ تنفیذ شریعت حاکم کے اختیار میں ہے وہ چاہے تو نافذ کرے اور اگر چاہے تو ترک کر دے جیسا کہ مصنف نے کیا ہے۔(اس تفصیل کے لئے دیکھیں: مجموع الفتاوی لابن تیمیہ: ۱۹/ ۲۱۷)۔



مصنف کا ضروریات خمسہ پر مزید کچھ ضروریات کو اضافہ!

مصنف نے آگے ص ۱۲۱ / پر کہا:

(کلیات وجزئیات: شروع ہی سے بنیادی کلیات اور جامع اصول معروف رہے ہیں، جیسے کہ توحید کا حکم، شرک اور شریک بنانے سے منع کرنا، یہ سب سے بڑا بنیادا اصول رہا ہے جو کہ طرف انبیاء دعوت دیتے رہے ہیں، اسی میں رسولوں، کتابوں اور آخرت نیز دیگر امور پر ایمان لانا بھی ہے۔

دوسرے کا تعلق کلیات سے ہے، جن پر انسانی زندگی اور اسکی سلامتی کی بنیاد ہے، لوگوں کی ضروریات، انکی مصلحتیں اور زندگی کے دیگر تقاضوں کی حفاظت کے ذریعے، جیسے کہ عدل وانصاف، انسانی عزت وکرامت کا تحفظ، انکی آزادی اور دیگر حقوق کی حفاظت، اسی میں سماج کے دیگر تقاضوں کا تحفظ بھی شامل ہے، جیسے کہ آزادی، انسانی عزت وکرامت اور بحیثیت قوم اور امت کے معاشرے کا تحفظ، اور سیاست شرعیہ کا تقاضہ ہیکہ ان عظیم اصولوں کو دوسروں پر مقدم کیا جائے، گرچہ اس سے بعض جزئیات اور تفصیلات کا ترک کرنا لازم آئے، او پر میں شواہد کے ساتھ گفتگو کرنے کی کوشش کروں گا)۔

تبصرہ:

یہ کچھ مزید ضروریات تھے جن کا اضافہ مصنف نے کیا ہے، پہلے میں سمجھتا تھا کہ یہ مصنف کا اضافہ ہے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ اس بدعت کا ایجاد پہلے ہی مصنف کے مرشد محمد عابد جابری کر چکا ہے جسکی گمراہیوں اور انحرافات کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

مصنف کی یہ وضاحت کہ شریعت کے بعض جزئیات اور تفصیلات ترک کئے جاسکتے ہیں!

مصنف نے آگے ص ۱۲۲/ پر کہا:

(اور سیاست شرعیہ کا تقاضہ ہیکہ ان عظیم اصولوں کو دوسروں پر مقدم کیا جائے، گرچہ اس سے بعض جزئیات اور تفصیلات کا ترک کرنا لازم آئے، اور پر میں شواہد کے ساتھ گفتگو کرنے کی کوشش کروں گا)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف نے پوری صراحت سے کہا کہ کچھ عظیم اصولوں کی خاطر بعض جزئیات اور تفصیلات کو ترک کر سکتے ہیں، اور جس میں کچھ نئے ضروریات کا اضافہ کیا ہے جیسے کہ (عدل وانصاف، انسانی عزت وکرامت کا تحفظ، ان کی آزادی اور دیگر تمام حقوق کی حفاظت، ساتھ ہی بحیثیت قوم اور امت کے معاشرے کا تحفظ اور انسانی آزادی اور اسکی عزت وکرامت کا تحفظ)۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان ضروریات جدیدہ کی خاطر مصنف کے نزدیک شریعت کے بعض جزئیات اور تفصیلات کا ترک کرنا جائز ہے۔

مصنف نے بعض مصطلحات کا بار بار اعادہ کیا ہے جیسے کہ اسلام کا مقاصدی فہم، ضروریات کبری کی معرفت اور انکا تحفظ، کلیات وجزئیات کی معرفت، قرآن وسنت کے تفاصیل میں پڑے بغیر انکے اقدار کا فہم حاصل کرنا۔ یہ سارے الفاظ جن کا اعادہ مصنف نے بار بار کیا ہے عقلانی مکتب فکر سے تعلق

رکھتے ہیں، جو سو سال پہلے معتزلہ کے اصولوں پر قائم ہوا ہے، جہاں پر کتاب وسنت کے نصوص کی تردید کی جاتی ہے من گھڑت شبہات کے ذریعے، اور یہ کتاب وسنت کے اوامر ونواہی کو جزئیات اور قشور کہتے ہیں !!

اور یہاں پر مصنف نے جو منہج اختیار کیا ہے اسی منہج پر بہت پہلے سے معاندین شریعت اعدائے اسلام چلتے آئے ہیں، لیکن یہاں مصنف کے ساتھ عجیب معاملہ یہ ہیکہ اس نے اسی شریعت مخالف منہج کو اصولوں اور مناہج کی چادر سے ڈھانکنے کی کوشش کی ہے تاکہ جو ان سنگین مسائل میں جانکاری نہیں رکھتے ان کے یہاں مصنف کی یہ تلبیس کاری چل جائے۔

مصنف کے مذکورہ تلبیسی کلام کا جواب اختصار کے ساتھ ذیل میں چند وجوہات سے دیا جارہا ہے:

پہلی وجہ:

اللہ نے قرآن کے اندر محکم اور متشابہ دونوں کا ذکر کیا ہے، اور جو علمائے راسخین ہیں وہ دونوں پر ایمان لاتے ہیں، اور دونوں طرح کے نصوص میں تطبیق دیتے ہیں، لیکن جو منحرف اور گمراہ ہوتے ہیں وہ متشابہ نصوص کے پیچھے پڑتے ہیں اور محکم نصوص کو ترک کر دیتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے :(هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ) ترجمہ: وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں تو جن لوگوں کے

دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں دست گاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔ (آل عمران: ۷)۔

دوسری وجہ:

اللہ تعالی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور احکام کی بجا آوری میں تساہل برتنے کی ذرا بھی رخصت اور چھوٹ نہیں دی ہے، نہ ہی بڑے معاملات میں اور نہ ہی چھوٹے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ) ترجمہ: سو لازم ہے کہ وہ لوگ ڈریں جو اس کا حکم ماننے سے پیچھے رہتے ہیں کہ انھیں کوئی فتنہ آپہنچے، یا انھیں دردناک عذاب آپہنچے۔ (النور: ۶۳)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا) ترجمہ: اور کبھی بھی نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں کہ ان کے لیے ان کے معاملے میں اختیار ہو اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو یقینا وہ گمراہ ہو گیا، واضح گمراہ ہونا۔ (الاحزاب: ۳۶)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو، یقینا اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

(الحجرات:۱)۔

اسکے علاوہ اللہ تعالی نے بہت ساری جگہوں پر اپنی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔

تیسری وجہ:

ارشاد باری تعالی ہے:(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کے پیچھے مت چلو، یقینا وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ (البقرہ:۲۰۸)۔

یعنی اسلام کے تمام احکام اور اوامر کی بجا آوری کرو، اسکے کسی بھی حکم کو ترک نہ کرو، جیسا کہ اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر نے رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے او پر ایمان لانے والوں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ اپنی استطاعت بھر کل احکام کو بجا لائیں کل ممنوعات سے بچ جائیں کامل شریعت پر عمل کریں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵۶۵)۔

چوتھی وجہ:

اس تحقیق اور جدید دعوے سے کفر اور شریعت سے اعراض کا دروازہ کھلے گا، کیونکہ کوئی بھی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ جن بڑے مقاصد کو آپ نے بیان کیا میں ان کی موافقت نہیں کروں گا اسلئے کہ اس سے بھی اہم مقاصد ہیں، پھر وہ نوع انسانی کی حفاظت اور انسانی معاشرے میں ہم آہنگی کھ ساتھ رہنا اور دیگر ان مقاصد کو گنانا شروع کردے جنہیں مصنف نے گنایا ہے، اور باطنی ملاحدہ اپنے کفر وزندقہ

کو اسی چور دروازے سے مسلمانوں میں پھیلاتے ہیں۔

پانچویں وجہ:

یہی کفار، زنادقہ اور شریعت کے منکرین کا مسلک رہا ہے، بطور خاص جو اسماء وصفات اور افعال باری کی تاویل کرتے ہیں نیز ان نصوص کی تاریخ کرتے ہیں جو آخرت کے بارے میں وارد ہوئے ہیں۔

چھٹی وجہ:

علمائے اصول فقہ نے ان فاسد اصولوں کو کہیں بیان نہیں کیا ہے، بلکہ اس سے اس طرح کے اصولوں سے ڈرایا ہے۔

ساتویں وجہ:

مصنف کا یہ منہج صحابہ کے اس منہج کے یکسر خلاف ہے جس کی اتباع تا قیامت واجب ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ) ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ (التوبہ: ۱۰۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ

وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيلِ الۡمُؤۡمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصۡلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتۡ مَصِيرًا)
ترجمہ: اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ (النساء: ۱۱۵)۔

آٹھویں وجہ:

مصنف کی یہ رائے ائمہ دین کے اقوال کے خلاف ہے جن کا اس بات پر اتفاق ہیکہ اللہ اور اسکے رسول کے کلام کو ہر کسی کے قول اور رائے پر مقدم کیا جائے گا۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد وغیرہ سے اس تعلق سے آثار بہت زیادہ مروی ہیں۔

نویں وجہ:

علمائے امت اس عقلانی منہج پر کبھی نہیں چلے ہیں، بلکہ وہ ہمیشہ نصوص شرعیہ کی تعظیم کرتے رہے ہیں نصوص کے درمیان تطبیق دیتے رہے ہیں اور انہیں آپس میں ایک دوسرے سے متعارض نہیں دکھایا ہے۔

دسویں وجہ:

اسکے نتیجے کی معرفت، کیونکہ اس سے تحکیم شریعت میں تاخیر اور بندوں کے دلوں میں اوامر ونواہی کی ناقدری لازم آتی ہے، اللہ کے دشمنوں اور اسکے دوستوں کا برابر ہونا لازم آتا ہے، اسی طرح جو لوگ اللہ کی شریعت کی پابندی کرتے ہیں اور جو اس سے اعراض کرتے ہیں، جو اسکے داعی ہیں اور جو اس سے جنگ کرنے والے ہیں، ان سب میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا ہے۔ مزید ان سب سے بلند مقاصد کی خاطر شریعت کے تفاصیل اور جزئیات کا مطالبہ نہیں کرسکتے، ایسے برے نتائج اور گھاٹے

سودے کیلئے تباہی ہی تباہی ہو۔

گیارہویں وجہ:

اسلام کے مقاصدی فہم پر اعتماد کرنا معاصر اشتراکی ملاحدہ کا مسلک ہے جسے وہ مسلمانوں کے خلاف بطور حیلہ استعمال کرتے ہیں، د۔احمد ادریس الطعان کا" المدخل المقاصدی والمناورۃ العلمانیۃ" نام کا ایک تحقیقی مقالہ ہے جس کے اندر مولف نے ملاحدہ کے ان الفاظ اور مصطلحات کا تتبع کیا ہے جن کے ذریعے وہ شریعت کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہیں، ایک جگہ مولف نے کہا کہ (جس عبث شکل میں مقاصد کا استعمال یہ لا دینی ملاحدہ کرتے ہیں کیا یہ بلا حدود وضوابط مرونت اور قابل اعتماد ہیں؟ اور آخر ہیں وہ معیار جو ان مقاصد کو متعین کرتے ہیں؟ اور ان تک پہونچنا کیسے ممکن ہوگا؟ اور اس میں مرجعیت کسے حاصل ہے؟

دراصل علمائے اسلام اور ان لا دینی ملاحدہ کے مقاصد کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ متقدمین علمائے اسلام شارع کے مقاصد اور نص شرعی سے اسکے مفہوم پر بحث کرتے تھے جبکہ آج کے مغربی ملاحدہ اپنے مقاصد، اپنے عقلوں کی مراد اور اپنے آئیڈیالوجی کے مطالب ومفاہیم کے بارے میں بحث کرتے ہیں، یہی بنیادی فرق ہے جس کے بارے میں ہم نے دوسری جگہوں پر گفتگو کی ہے۔اور معلوم رہے کہ" مقاصد" کوئی ایسا کلمہ نہیں ہے جسے بطور شعار کے استعمال کیا جائے بلکہ یہ اصولی لفظ ہے جسکے کچھ ضوابط اور معیار ہیں جو اسے منضبط رکھتے ہیں، تاکہ اسکے ذریعے نصوص شرعیہ کی تاریخ بندی نہ کی جائے اور اسی گھما پھرا کر غلط معنوں میں استعمال کیا جائے، کیوں کہ شریعت گمان اور ظن وتخمین پر مبنی ہیں۔(نظریۃ المقاصد للدکتور الریسونی ص ۲۷۷)۔



مصنف نے آگے ص ۱۲۲ / پر کہا:

(یہ بدقسمتی ہے کہ اکثر لوگ فروعات اور جزئیات کا اہتمام اصول اور کلیات کے مقابلے کہیں زیادہ ہوتے ہیں، اور فکری نظام میں اسی خلل کی وجہ سے کلی اصولوں پر زیادتی ہوتی ہے اور انہیں نظر انداز رکھا جاتا ہے، یا ان پر گفتگو کرنے کو تحصیل حاصل سمجھا جاتا ہے، یا اسے میدان سے بھاگنا شمار کرتے ہیں، چنانچہ فروعی اور غیر قطعی امور میں معرکہ کارزار گرم رہتا ہے، یا ایسے چھوٹے غیر اہم مسائل میں لوگ الجھے رہتے ہیں جن کا انسانی زندگی پر کوئی اثر نہیں ہوتا ہے، جبکہ کلی اصولوں کو لیکر شعور کی کمی پائی جاتی ہے اور لوگ اسکا اہتمام نہیں کرتے۔

عراق کے اندر کیا تنفیذ شریعت ظاہر نص کے مطابق کیا گیا بایں طور کہ اموال غنیمت کو فاتح فوجیوں میں تقسیم کر دیا گیا خواہ انکا تعلق جائداد منقولہ یا غیر منقولہ سے ہو، اور کیا بعض صحابہ نے اسی کا مشورہ دیا تھا کہ عام طور پر ان فوجیوں کا میلان اسی جانب ہوتا ہے جنھوں نے میدان میں قربانیاں پیش کی ہوتی ہیں اور جن کے ہاتھوں میں اسلحہ ہوتا ہے؟! یا وہاں پر تنفیذ شریعت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی رائے پر ہوئی تھی جس کے مطابق آئندہ نسلوں کی مصلحت میں خراج کا نظام لاگو کیا اور یہ تاریخی بات کہی کہ بعد میں آنے والے مسلمانوں کا کیا ہوگا جو آکر دیکھیں گے کہ زمین تو عجمیوں میں پہلے سے تقسیم شدہ ہے! اسلئے یہ کوئی مناسب رائے نہیں ہے، اور کہا کہ اگر عراق کی زمین یہاں کے لوگوں میں اور شام کی زمین وہاں کے لوگوں میں تقسیم کر دی جائے تو پھر سرحدوں کا انتظام کیسے ہوگا؟ اور ان ملکوں اور دوسرے خطے میں پائے جانے والے بچوں اور بیواؤں کا کیا ہوگا؟!)۔

تبصرہ:

مصنف نے کہا کہ: (اور فکری نظام میں اسی خلل کی وجہ سے کلی اصولوں پر زیادتی ہوتی ہے)۔

حقیقت یہ ہیکہ علمائے امت میں سے کسی نے بھی وحدت اسلامی، اجتماعیت اور شریعت پر یہ جسارت اور زیادتی نہیں کی ہوگی جو زیادتی مصنف نے کی ہے، جس نے کہ حزبی تکثیریت، مغربی جمہوریت، حریت اور تنفیذ شریعت کو موخر کرنے کو لیکر خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے!



مصنف نے آگے ص ۱۲۳ / پر کہا:

(سرزمین عراق پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے خراج کے فرض کرنے کو لیکر خوب گرما گرم بحث ہوئی جیسا کہ تاریخی کتابوں میں مدون ہے، یہاں تک کہ صحابہ بغیر کسی جبر واکراہ کے خالص مثالی علمی مشوروں کی روشنی میں قانع ہو گئے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خراج کے وضع کا حکم دیا)۔

تبصرہ:

دراصل اسکا تعلق اصولی مسائل سے نہیں تھا بلکہ اجتہادی مسائل سے تھا، اور یہ بات معمولی علم رکھنے والوں کو بھی معلوم ہے، کیوں کہ یہاں پر نہ تو اصل توحید اور ایمان کی مخالفت ہے اور نہ ہی ضروریات خمسہ کی مخالفت ہے، گرچہ دنیا پرست اقتدار کے بھوکوں نے اسے بڑے مسائل میں شمار کر رکھا ہے!!



مصنف نے آگے ص ۱۲۳/ پر کہا:

(چور کا حد کیا شریعت کے اندر تمام احوال وظروف میں نافذ کرنے کا حکم آیا ہے ہر اس شخص پر جو نصاب بھر یا اس سے زیادہ کا مال چوری کر لے جیسا کہ شرعی نصوص کا تقاضہ ہے؟! یا کچھ خاص معاشی حالت میں اسے معاف بھی کیا جائے گا جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قحط سالی کے موقع پر کیا تھا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے)۔

تبصرہ:

اس پر ہم یہی کہیں گے کہ چوری کے حد کا مسئلہ کتاب وسنت کے اندر دلائل کے ساتھ تفصیل سے مذکور ہے، البتہ قطع ید کے شروط سے متعلق بعض اجتہادی اختلاف ضرور ہے۔

لیکن سوال یہ ہیکہ مصنف اس واقعے کو نقل کر کے کیا کہنا چاہتا ہے؟

دراصل مصنف یہ چاہتا ہے کہ موجودہ حالات ایسے حدود کے متحمل نہیں ہیں اس لئے انہیں معطل رکھا جائے، اور یہی اعدائے دین وملت ملاحدہ، لادینی اور لبرل طبقے کی دعوت اور سوچ ہے۔

حقیقت یہ ہیکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کسی شرعی نص کو معطل نہیں کیا تھا اور نہ ہی کسی حرام کو حلال کیا تھا، اور نہ ہی کسی حلال کو حرام کیا تھا، اور نہ ہی یہ سمجھا تھا کہ اس مسئلے سے متعلق وارد نصوص ملغی ہیں، اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کبھی نہیں کہا کہ چور پر حد کی تنفیذ کرنا صرف عہد نبوی کیلئے مناسب تھا اب اس وقت اسکی صلاحیت باقی نہیں رہ گئی ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کبھی نہیں کہا کہ قرآن کے اندر نزول وحی کے وقت اور لوگوں کے شعور اور مستوی کا لحاظ رکھا گیا ہے اب اس وقت ہم دیگر زیادہ اہم اور ترقی یافتہ احکام نافذ کریں

گے جو ہمارے زمانہ کے موافق اور صورت حال کے مطابق ہوں گے جیسا کہ مصنف کا دعوی ہے!

اس پر شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا تفصیلی کلام گزر چکا ہے جسے افادیت کی خاطر دوبارہ نقل کر رہے ہیں:

شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے عبد الرحمن عبد الخالق پر مصنف ہی کے شبہے کی طرح ایک شبہے کا رد کیا ہے، چنانچہ عبد الرحمن عبد الخالق نے" وجوب تطبیق الحدود الشرعیة"ص ۲۶ پر کہا کہ سزا دینے سے قبل ضروری ہے کہ ہم جرائم کے اسباب کا خاتمہ کریں، چنانچہ اس وقت تک شرعی سزا نہ دیں جب تک جرم کے اسباب کا خاتمہ نہ کر دیں، اور یہ عقل وحکمت سے بعید بھی ہیکہ جرائم کے اسباب کا خاتمہ کئے بغیر ہم شرعی حدود کی تنفیذ کریں۔

اس پر رد کرتے ہوئے شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ کلام بالکل حق کے مخالف اور سچائی سے دور ہے، میں نہیں جانتا کہ اہل علم میں سے کسی نے آج تک یہ بات کہی ہو سوائے ایک تاریخی روایت کے جس میں آتا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قحط سالی کے موقع پر چوری کی سزا سے توقف کر لیا تھا، اور اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اسے اجتہاد پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ کتاب وسنت کے نصوص تنفیذ حدود پر صریح ہیں، اسلئے ضروری ہیکہ آپ اپنے اس کلام سے رجوع کر لیں، اور کویت اور سعودی کے اخبارات میں اپنی غلطی کا اعلان کر دیں، اور اس پر ایک کتابچہ لکھ دیں، اور جان لیں کہ حق کی رجوع کرنا بہت قدیم سنت ہے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ باطل میں اڑے رہنے سے حق کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے، اللہ ہم سب کو حق کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی ناراضگی کے اسباب سے دور رکھے۔ (مجموع الفتاوی للشیخ ابن باز: ۸/ ۲۴۴)۔

یہاں پر شیخ نے اس واقعے کے ثبوت کی صورت میں اسے اجتہاد پر محمول کیا ہے اور اسے مطلق

طور پر محمول نہیں کیا ہے۔

جو لوگ احکام شریعت پر عمل کرنے کو موقوف ہونے کے قائل ہیں ایسے لوگوں پر ایک اسکالر نے زبردست رد کیا ہے اور اسکے لئے" الضوابط الشرعیہ لوقف العمل بنصوص القرآن والسنۃ" نام کی ایک کتاب لکھی ہے۔



مصنف نے آگے ص ۱۲۴ / پر کہا:

(تنفیذ شریعت کا مطلب کیا کتابیہ عورت سے نکاح کا جواز ہے، جیسا کہ قرآن میں وارد ہوا ہے؟ یا اس سے ممانعت ہے جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کیا تھا اور زانیہ سے نکاح ہونے کے خوف کو حجت بنایا تھا؟ یا یہ کہ اہل ذمہ کی عورتوں سے شادی کرلیں اور مومنہ عورتوں سے بے رغبت ہوجائیں؟ نفاذ شریعت کا مطلب کیا شرابی کو کوڑا مارنا ہے جیسا کہ عہد نبوی میں بلا تحدید مارا جاتا تھا، بلکہ کسی کو ہاتھ سے کسی کو کپڑے سے اور کسی کو جوتے سے مارا جاتا تھا؟

یا وہ نتیجہ ہے جسکی شکایت خالد بن ولید نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے کی تھی جب لوگ شراب خوری میں منہمک ہوگئے اور سزا کو ہلکا سمجھنے لگے تو آپ نے صحابہ سے اس سلسلے میں مشورہ کیا، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب آدمی مدہوش ہوجاتا ہے تو ہذیان بننے لگتا ہے اور جب ہذیان بکتا ہے تو بہتان تراشی کرتا ہے، اس طرح اس پر اسی کوڑے تہمت کے بھی لگنے چاہئے، چنانچہ اسی وجہ یہ اختلاف موجود ہیکہ شرابی کو چالیس کوڑے مارے جائیں گے یا اسی کوڑے؟

تنفیذ شریعت کیا تین طلاق کو ایک نافذ کرنے کا نام ہے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھا؟ یا اسے تین نافذ کردینے کا نام ہے جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا رجحان تھا؟ جیسا کہ صحیح مسلم کے اندر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: (كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ: وَاحِدَةً، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: " إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ، فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ۔ ترجمہ: طلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ

خلافت میں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی دو برس تک ایسا امر تھا کہ جب کوئی ایک بارگی تین طلاق دیتا تھا تو وہ ایک ہی شمار کی جاتی تھی، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگوں نے جلدی کرنا شروع کی اس میں جس میں ان کو مہلت ملی تھی سو ہم اس کو اگر جاری کر دیں تو مناسب ہے، پھر انہوں نے جاری کر دیا (یعنی حکم دے دیا کہ جو ایک بارگی تین طلاق دے تو تینوں واقع ہو گئیں)۔

تبصرہ:

مذکورہ اہم مسائل کے ساتھ مصنف نے اس طرح بھونڈے انداز میں اچھال کر تعطیل شریعت کیلئے راہ ہموار کر سکے، اور تنفیذ شریعت کے اہتمام سے لوگوں کو بھڑکا سکے، یہ دعوی کر کے کہ تم سے پہلے جو خلفاء گزرے ہیں انہوں نے بعض احکام کو معطل کیا تھا، جبکہ یہ سراسر جھوٹ اور باطل ہے اسے ہر وہ شخص جانتا ہے جو تھوڑا بھی تاریخ اسلامی کی جانکاری رکھتا ہوگا۔

مجھے لگتا ہے کہ مصنف کچھ اشتراکی بددینوں، بداخلاق ملاحدہ اور لبرل اسکالروں سے کافی متاثر ہے جو کھلے عام تنفیذ شریعت سے نبرد آزما رہتے ہیں، اور ہمہ وقت اپنے شبہات نقل کرتے رہتے ہیں، اور اپنی کتابوں کو سیاہ کرتے رہتے ہیں، اور آخر میں کہتے ہیں کہ اس وقت تنفیذ شریعت محال ہے، اور ترک تنفیذ ہی کو حق تسلیم کر لیتے ہیں۔ نسال اللہ العافیہ والسلامۃ، ارشاد باری تعالی ہے: (أَتَوَاصَوْا بِهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ) ترجمہ: کیا انھوں نے ایک دوسرے کو اس (بات) کی وصیت کی ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ (خود ہی) سرکش لوگ ہیں۔ (الذاریات: ۵۳)۔



مصنف نے سعودی عرب کی بار بار عیب جوئی کی ہے

مصنف نے آگے ص ۱۲۵ / پر کہا:

(ممکن ہے کوئی ملک نفاذ شریعت کا اعلان کر دے اس کی قداست کا استغلا ل کرتے ہوئے اور پبلک کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر، پھر دھیرے دھیرے نفاذ شریعت کی قیمت سیاسی شعار بن جائے، شریعت کے اہم معانی میں عدل و انصاف کا ہونا، لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنا، حقوق کی ادائیگی، کمزور کی مدد اور پبلک پراپرٹی کا تحفظ اور لوگوں کے جان و مال اور انکی عزت وآبرو کو ظلم وزیادتی یا قید وبند یا قتل سے حفاظت کرنا ہے۔

اور کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی ملک اسلامی ہو جبکہ وہ اسکا کوئی اعلان نہ کرے کہ وہ اس طرح ہے، کیوں کہ وہاں بلند شرعی مقاصد کو پورا کیا جاتا ہے۔

چنانچہ اسلامی سماج کے اندر شریعت کو واضح طور پر مرجع ہونے کا اعلان کرنا اور یہ کہ اسی کو قوانین پر بالا دستی حاصل ہوگی اس سے عوام کو بھروسہ اور اطمینان ہوتا ہے، اور پھر سلیکشن سے ہٹ کر شریعت کے ساتھ مکمل طور پر معاملہ کرنا ایک ناگزیر ضرورت بن جاتی ہے)۔

تبصرہ:

نفاذ شریعت سے متعلق اس فصل کا یہی خلاصہ ہیکہ مصنف بار بار مملکت سعودی عرب کی عیب جوئی اور رادارے کنائے میں طعن وطنز کرتا ہے، جبکہ میری نظر میں یہی ایک ایسا ملک ہے جہاں پر قولی اور عملی ہر اعتبار سے شریعت کی تنفیذ ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے اعدائے مملکہ اندر اور باہر دونوں

سطح پر اسے مطعون کرتے ہیں، اور افسوس اسی بات کا ہیکہ مصنف بھی انہیں اعدائے مملکہ کے ساتھ شریک کار ہے اسے مطعون کرنے میں کہ مملکت سعودی عرب شریعت کے تقدیس کا استغلا ل کرتا ہے اور اسکے ذریعے عوام کی رضا حاصل کرتا ہے!!

مصنف نے کہا کہ (اور کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی ملک اسلامی ہو جبکہ وہ اسکا کوئی اعلان نہ کرے کہ وہ اس طرح ہے، کیوں کہ وہاں بلند شرعی مقاصد کو پورا کیا جاتا ہے)۔

یعنی جو لوگ شریعت کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہیں انکے بارے میں مصنف کا قدر خوش فہمی کی بات کرتا ہے۔

لیکن دوسری طرف سعودی عرب پر طعن و تشنیع کرتا نظر آتا ہے کہ یہ ملک نفاذ شریعت کا اعلان کر کے اپنی عوام کی رضا حاصل کرتا ہے؟!

سوال یہ ہیکہ کیا مصنف نے دلوں کو چیر کر دیکھا ہیکہ لوگوں کے کیا مقاصد اور نیتیں ہیں؟!

مصنف کو کیا یہ نہیں معلوم ہیکہ آغاز میں بہت سارے قبر پرست یہ چاہتے قبروں پر قبے کو چھوڑ دیا جائے اور شرک و بدعات کے داعیوں کو شرک و بدعات پھیلانے کیلئے آزاد چھوڑ دیا جائے؟!

کیا مصنف کو یہ بھی معلوم نہیں ہیکہ عوام کی اکثریت تسامح اور ہر چیز کی آزادی چاہتی ہے، حتی کہ نماز اور زکاۃ میں بھی آسانی اور آزادی چاہتی ہے؟!

کیا مصنف کو یہ بھی معلوم نہیں کہ حدود و قصاص کی تنفیذ اکثر لوگوں کی خواہشات کئ خلاف ہے؟

ان سب کی مخالفت کے باوجود سعودی عرب کے حکام نے شریعت کو نافذ کیا اور انہوں نے اکثریت کے خواہشات اور انکے رضا کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اور نہ ہی اعلان شریعت کے تقدیس کا کوئی استغلا ل کیا بلکہ انہوں نے ایسا عقیدہ اور شریعت سمجھ کر کیا، اور انہوں نے ہمیشہ لوگوں کے

سامنے محفلوں میں اسکی صراحت بھی کی ہے، الحمدللہ علی ھذہ النعمہ۔

مصنف کا یہ عمل اور سوچ بالکل ان منافقین جیسا ہے جنکے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے:(وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ) ترجمہ: اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو تجھ پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں، پھر اگر انھیں ان میں سے دے دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر انھیں ان میں سے نہ دیا جائے تو اسی وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔(التوبہ:۵۸)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے :(الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ) ترجمہ: وہ لوگ جو صدقات میں خوش دلی سے حصہ لینے والے مومنوں پر طعن کرتے ہیں اور ان پر بھی جو اپنی محنت کے سوا کچھ نہیں پاتے، سو وہ ان سے مذاق کرتے ہیں۔ اللہ نے ان سے مذاق کیا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔(التوبہ:۷۹)۔

مصنف پر واجب تھا کہ وہ اپنے ملک کے ساتھ کھڑا ہوتا مگر اس نے ایسا نہ کرکے اس کی نیتوں اور مقاصد ہی پر سوالات کھڑے کر رہا ہے اور اسے استغلالی ملک بتا رہا ہے جو دین وشریعت کو گویا سیاسی مقصد سے نافذ کرتے ہیں!

جبکہ آج مسلمانوں کی یہی آرزو اور خواہش ہیکہ حکومتیں شریعت کا نفاذ کریں خواہ اس میں کوتاہی اور کمی ہی کیوں نہ پائی جائے، یہی اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ بھی ہے۔

اس کے بعد مصنف ایسے ممالک کی مدح سرائی کر رہا ہے جو شریعت کا نفاذ نہیں کر رہے ہیں یہ کہہ کر وہ شریعت کے اعلی مقاصد کو پورا کر رہے ہیں۔

(کتنی احمقانہ اور عجیب بات ہیکہ ایک طرف شریعت کا نفاذ نہ کرکے جرم کا مرتکب ہو رہے ہیں اور دوسری طرف وہ شریعت کے اعلی مقاصد کو پورا بھی کر رہے ہیں ۔مترجم)۔

مصنف جیسے ان تمام لوگوں سے جو نفاذ شریعت کے موخر کرنے کو جائز سمجھتے ہیں کہیں گے:

وہ مسائل جن کی ضرورت روز آنہ پڑتی ہے، جھگڑا کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کرنا ہے، مجرمین پر سزا نافذ کرنا ہے اس طرح آج کے حکام کیلئے دو آپشن ہوتے ہیں: یا تو وہ علمائے شریعت کی طرف رجوع کرکے کتاب وسنت کی روشنی میں شریعت کا نفاذ کریں، یا وہ کتاب وسنت سے اعراض کرکے ویسے دستور و قانون کی طرف رجوع کریں جنہیں انہوں نے خود بنایا ہو اور اسی کے مطابق فیصلے کریں!

اب سوال یہ ہیکہ مصنف ان دونوں میں سے کس کا مشورہ دے گا نفاذ شریعت کا یا وضعی دستور کا؟

معلوم رہے کہ مصنف نے اسی دوسرے آپشن کو چنا ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔



مصنف نے آگے ص ۱۲۷ / پر کہا:

(دوسرا: ملک کی شناخت کا مسئلہ کہ وہ انقلاب کے بعد دینی ہو یا شہری جمہوری، اور شہری کی اصطلاح میں بہت ہی وسیع اور لچکیلا پنی موجود ہے، اور اعتبار بھی دستور اور ان احکام کا ہوتا ہے جو سیاسی تحریک کو منضبط کر کے رکھے، اور اکثر اسلام پسندوں کے نزدیک شہری حکومت اور دینی حکومت میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

اور حکومت کو اسلامائز کرنے کا مطلب یہی ہیکہ دینی اقدار کی پابندی کی جائے اور شریعت کے دائرے میں زندگی گزاری جائے، اور جہاں تک شہری حکومت کا تعلق ہے تو اس میں پوری قوم ایسے انسانی معاشرتی نظام کی پابندی کرتی ہے جو سماج کے تمام طبقات کے موافق ہوتا ہے اور یہ سب اپنے اختیار اور رضامندی سے ملک کے شہری ہوتے ہیں۔

البتہ دینی حکومت کی اصطلاح ذرا مبہم ہے، کیونکہ تاریخی اعتبار سے یہ دین پرستوں کی حکومت سے مربوط ہے، جبکہ اسلامی فکر کے اندر اس کا تصور نہیں ہے، کیونکہ دین پرست طبقہ نہ تو شریعت ساز ہے اور نہ ہی اسے اقتدار یا سیاست پر قابض ہونے کا اختیار ہے)۔

تبصرہ:

مصنف نے کہا کہ (دینی حکومت کی اصطلاح ذرا مبہم ہے)۔

سوال یہ ہیکہ مصنف آخر ایک طرف دینی حکومت کے مبہم ہونے اور شہری جمہوری حکومت کی اصطلاح کے واضح اور وسیع ہونے کی بات کیوں کر رہا ہے؟! جبکہ ہمارے لئے یہ بالکل جائز کہ ہم ایسے مصطلحات کے ذریعے شریعت کا محکمہ کریں جن کے مفاہیم اور مدلولات میں لوگوں کا اختلاف ہو،

جس طرح کہ ان متعدد مفاہیم کے محتمل الفاظ پر اعتماد بھی نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ ان میں کچھ تو شریعت کے موافق ہیں اور کچھ مخالف ہیں، اور کچھ مجمل ہیں، ایسی صورت میں مقاصد کی طرف رجوع کریں گے؛ ان میں جو شریعت کے موافق ہوگا اسے لے لیں گے اور جو مخالف ہوگا اسے رد کردیں گے۔



مصنف نے آگے ص ۱۲۸/ پر کہا:

(اسلامی شریعت میں، تاریخ اور فکر اسلامی میں کہیں بھی دینی بنیاد پرست حکومت کا تصور نہیں پایا جاتا ہے، بلکہ دور حاضر کے ایک مشہور اسلامی مفکر ابو الاعلی مودودی جو فکر حاکمیت کے علم بردار ہیں انہوں نے دینی حکومت پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے اور خیال ظاہر کیا ہیکہ اسلام کے اندر ایسے نظام حکمرانی کا کوئی تصور نہیں ہے جسکی اسلام تائید کرتا ہو، بلکہ یہ ایک گمراہ کن دخیل (امپورٹڈ) فکر ہے، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دین کے نام پر دوبارہ ظلم واستبداد کے پائیدار بنانے میں اہم کردار ادا کرے۔

جبکہ "شہری جمہوری حکومت" کے اندر حکمران طبقہ اور حکومتی اداروں کے درمیان ایک معاشرتی معاہدہ ہوتا ہے جو عدل و انصاف اور اقتدار کی تقسیم ہر قائم ہوتا ہے، اور اسلامی حکومت اسلامی مقاصد اور اسکے اصولوں کے اعتبار سے اسی کا ایک حصہ ہے۔

چنانچہ حکومت اور اسکے ادارے عوام کے ارادوں اور انکی خواہشوں کی ترجمانی کرتے ہیں اور یہ ایک خالص شہری معاہدے کے مطابق عوام کا نائب ہوتی ہے، جس کے ضمن میں کچھ شرائط ہوتے ہیں جن کا پورا کرنا، انکی نگرانی اور محاسبہ کرنا واجب ہوتا ہے، جبکہ اللہ نے اپنے بارے میں فرمایا ہے: (لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ) ترجمہ: اس سے نہیں پوچھا جاتا اس کے متعلق جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جاتا ہے۔ (الانبیاء: ۲۳)۔

گویا دیگر تمام لوگ ذمہ دار ہیں، اور اسلام کے اندر حکومت انسانی ہوتی ہے کھنوتی دین پرست نہیں ہوتی ہے، اور ظلم واستبداد کی سب سے بری قسم یہ ہیکہ اسے دین کے نام پر روا رکھا جائے، اور لوگوں کو اسے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے، بصورت دیگر انہیں دنیوی سزاؤں سے دوچار کیا

جائے،ساتھ ہی اسے اخروی محرومی کی وعید بھی سنائی جاتی ہے)۔

تبصرہ:

مصنف نے دینی حکومت کی اصطلاح کے بطلان پر اس بات سے استدلال کیا ہیکہ مودودی نے دینی حکومت پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے اور خیال ظاہر کیا ہیکہ اسلام کے اندر ایسے نظام حکمرانی کا کوئی تصور نہیں ہے جسکی اسلام تائید کرتا ہو، بلکہ یہ ایک گمراہ کن دخیل (امپورٹڈ) فکر ہے، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دین کے نام پر دوبارہ ظلم واستبداد کے پائیدار بنانے میں اہم کردار ادا کرے۔اور یہ استبداد کی سب سے بری قسم ہے!!

سوال یہ ہیکہ نظام حکمرانی کے مسئلے میں کیا مودودی کا کلام فیصل ہے؟ مودودی کے بارے میں معروف ہیکہ وہ اخوان المسلمون کے سرکرداں رہنماؤں میں شمار ہوتے ہیں، انکی بھی وہی فکر ہے جو اخوانیوں کی ہے، انہوں نے بھی تفہیم القرآن نام سے ایک منحرف تفسیر کی ہے۔

پھر مصنف نے شہری جمہوری حکومت کے بارے میں کہا کہ اس کے اندر حکمران طبقہ اور حکومتی اداروں کے درمیان ایک معاشرتی معاہدہ ہوتا ہے جو عدل و انصاف اور اقتدار کی تقسیم پر قائم ہوتا ہے۔اور اسکے اندر مقننہ، عدلیہ اور منتظمہ تینوں ادارے الگ الگ آزاد ہوتے ہیں، اور اس پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے فعل اور سورہ حدید کی ایک آیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے استدلال کیا ہے۔

اور خلاصہ مصنف ہی کے کلام میں یہی ہیکہ (ضروری ہیکہ انقلاب کے بعد ایک شہری جمہوری حکومت قائم کی جائے نہ کہ مذکورہ مفاہیم میں کوئی دینی حکومت)۔

گو یا مصنف کے نزدیک موجودہ دور نفاذ شریعت کا متقاضی نہیں ہے؛ کیونکہ ایسی صورت میں دین کے نام پر ظلم واستبداد روا رکھا جاتا ہے!!

جبکہ یہ کلام باطل اور فاسد ہے درج ذیل وجوہات کی بنا پر:

۱- اسلامی حکومت کو مصنف کو ایسے مبہم مغربی نام سے پکارا ہے جس میں حق اور باطل دونوں کا احتمال ہے جیسے کہ تھیوکریسی (جوکہ ایک ایسا نظام حکمرانی ہے جس میں دیندار طبقہ اللہ اور دین کے نام پر حکومت کرتا ہے۔مترجم)۔

۲- ایسے محتمل اصطلاحات کے ذریعے باطل کیلئے جواز کی صورت پیدا کی جاتی ہے۔

۳- یہ مسلمانوں کے دین میں انکے ساتھ تلبیس کاری ہے، کیونکہ مسلمانوں کی حکومت کا دین اسلام ہے، یہ اللہ کی شریعت کے پابند ہیں، اور انکے یہاں نصاری جیسے فاسد حالات نہیں ہیں، اور یہ معلوم رہے کہ دین اور اقتدار دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

علامہ الوسی رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: (وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ) ترجمہ: اور اگر اللہ کا لوگوں کو ان کے بعض کو بعض کے ساتھ ہٹانا نہ ہوتا تو یقینا زمین برباد ہو جاتی اور لیکن اللہ جہانوں پر بڑے فضل والا ہے۔(البقرہ:۲۵۱)۔

اسکے بعد اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ اس آیت میں حکومت و بادشاہت کی فضیلت معلوم ہوتی ہے بایں طور کہ اگر بادشاہت نہ ہوتو دنیا کے معاملات درست نہیں رہ سکتے، اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ دین اور اقتدار و بادشاہت دونوں جڑواں ہیں یعنی دونوں کا آپسی گہرا تعلق ہے، کیونکہ ان میں سے ایک کے جانے سے دوسرے کا جانا مقدر ہوتا ہے، اسلئے کہ دین بنیاد ہے اور بادشاہت اسکا

محافظ ہے، اور جسکی کوئی بنیاد نہ ہو اس کا منہدم ہونا مقدر ہے، اور جس کا کوئی محافظ نہ ہو اس کا ضائع ہونا مقدر ہے۔ (روح المعانی: ۱/ ۱۷۴)۔

ملک سعود بن عبد العزیز کو اپنی ایک نصیحت میں شیخ عبد اللہ بن حمید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ کی حکومت الحمد للہ ایک دینی اور اسلامی حکومت ہے، اس حکومت کو پائیداری اور استقامت اسی وقت تک رہے گی جب تک اس دین کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہیں گے، اور سیف وسنان اور زبان کے ذریعے اس کا دفاع کرتے رہیں گے، نیز اسکے مخالفین سے جہاد کرتے رہیں گے، کیونکہ دین اور بادشاہت دونوں کا آپسی گہرا تعلق ہے، دونوں ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہوسکتے: اسلام بادشاہت کی بنیاد اور اسکا ستون ہے اور بادشاہت اسلام کے اوامر کی تنفیذ کرتی ہے اور اسکا دفاع کرتی ہے ہر اس شخص سے جو اسکی بنیادیں کھوکھلی کرنا چاہتا ہو، کیوں کہ اسلام کے جانے یا کمزور ہونے سے بادشاہت کے بھی چلے جانے یا کمزور ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ (الدرر السنیہ فی الأجوبۃ النجدیۃ: ۱۵/ ۴۳۱)۔

۴- اگر کوئی مسلمانوں میں ایسا پایا جائے جو گمراہ نصاری کی مشابہت اختیار کرتے ہوئے کسی ظلم، چوری اور لوگوں پر زیادتی کرے اور پھر اسے دین اسلامی کی طرف منسوب کردے، تو یہ اس بات کا متقاضی نہیں ہے کہ ہم حکومت واقتدار سے دین ہی کو نکال پھینک دیں، جب کہ دین اسلام ایسے افعال سے بری ہے، سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ایسے ہی اجتہادی غلطی سرزد ہوگئی تھی جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے براءت کا اظہار کرلیا تھا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ إِلَى بَنِي جَذِيمَةَ فَدَعَاهُمْ إِلَى الإِسْلَامِ، فَلَمْ يُحْسِنُوا أَنْ،

يَقُولُوا: أَسْلَمْنَا، فَجَعَلُوا يَقُولُونَ صَبَأْنَا صَبَأْنَا، فَجَعَلَ خَالِدٌ يَقْتُلُ مِنْهُمْ وَيَأْسِرُ، وَدَفَعَ إِلَى كُلِّ رَجُلٍ مِنَّا أَسِيرَهُ، حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمٌ أَمَرَ خَالِدٌ أَنْ يَقْتُلَ كُلُّ رَجُلٍ مِنَّا أَسِيرَهُ، فَقُلْتُ: وَاللَّهِ لَا أَقْتُلُ أَسِيرِي، وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِي أَسِيرَهُ، حَتَّى قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْنَاهُ، فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ، فَقَالَ: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَرَّتَيْنِ".

ترجمہ: زہری نے روایت کیا، انہیں سالم نے اور ان سے ان کے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنی جذیمہ کی طرف بھیجا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں اسلام کی دعوت دی لیکن انہیں (أسلمنا) "ہم اسلام لائے" کہنا نہیں آتا تھا، اس کے بجائے وہ (صبأنا، صبأنا) "ہم بے دین ہو گئے، یعنی اپنے آبائی دین سے ہٹ گئے" کہنے لگے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کرنا اور قید کرنا شروع کر دیا اور پھر ہم میں سے ہر شخص کو اس کا قیدی اس کی حفاظت کے لیے دے دیا پھر جب ایک دن خالد رضی اللہ عنہ نے ہم سب کو حکم دیا کہ ہم اپنے قیدیوں کو قتل کر دیں۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور نہ میرے ساتھیوں میں کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے گا آخر جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے صورت حال بیان کیا تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اے اللہ! میں اس فعل سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں، جو خالد نے کیا۔ دو مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا۔ (صحیح بخاری: ۴۳۳۹)۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام حالات میں وحی کے مطابق ہی فیصلہ کرتے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ

وَلَا تَكُنۡ لِلۡخَآئِنِينَ خَصِيمًا) ترجمہ: یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔(النساء:۱۰۵)۔

امام بخاری نے کتاب الاعتصام کے اندر کہا: بَابُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْأَلُ مِمَّا لَمْ يُنْزَلْ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فَيَقُولُ: (لاَ أَدْرِي)۔ باب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مسئلہ رائے یا قیاس سے نہیں بتلایا۔

پھر اس باب کے تحت نقل کیا: (أَوْ لَمْ يُجِبْ حَتَّى يُنْزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ، وَلَمْ يَقُلْ بِرَأْيٍ وَلاَ بِقِيَاسٍ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: {بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ}. ترجمہ: بلکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی بات پوچھی جاتی جس بارے میں وحی نہ اتری ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے میں نہیں جانتا یا وحی اترنے تک خاموش رہتے کچھ جواب نہ دیتے کیونکہ اللہ پاک نے (سورۃ نساء میں) فرمایا تاکہ اللہ، جیسا تجھ کو بتلائے اس کے موافق تو حکم دے۔انتہی۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کیلئے اسوہ اور نمونہ ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا) ترجمہ: بلاشبہ یقینا تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے، اس کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔(الاحزاب:۲۱)۔

۵-مصنف نے کہا: (جبکہ "شہری جمہوری حکومت" کے اندر حکمران طبقہ اور حکومتی اداروں کے درمیان ایک معاشرتی معاہدہ ہوتا ہے...... چنانچہ حکومت اور اسکے ادارے عوام کے ارادوں اور انکی خواہشوں کی ترجمانی کرتے ہیں اور یہ ایک خالص شہری معاہدے کے مطابق عوام کا نائب ہوتی

ہے)۔

اس طرح کے قول کا بطلان کئی جگہ ہو چکا ہے، یہاں بھی مصنف نے معاشرتی معاہدہ کے مغربی نظریئے کا پرزور دفاع کیا ہے۔

بلکہ مصنف کا آخری کلام واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتا ہیکہ مصنف نفاذ شریعت سے امت کو بھٹکانا چاہتا ہے۔



مصنف نے آگے ص ۱۲۹ / پر کہا:

(اسلئے ضروری ہیکہ حکومت کے تینوں اداروں کو مستقل طور پر الگ الگ آزاد کر دیا جائے یعنی مقننہ، عدلیہ اور منتظمہ کو؛ تاکہ مرکزی حکومت متوازن اور کرپشن سے پاک رہ سکے)۔

تبصرہ:

ہم کہیں گے:

پہلی چیز:

مصنف نے کہا کہ (حکومت کے تینوں اداروں کو مستقل طور پر الگ الگ آزاد کر دیا جائے یعنی مقننہ، عدلیہ اور منتظمہ کو) یہ شہری جمہوری حکومت کے ضروری امور میں شامل نہیں ہے جیسا کہ مصنف کا دعوی ہے، مصنف کی تعبیر کھ اعتبار سے. بہت ساری ایسی جمہوری حکومتیں ہیں جو مرکزی بھی ہیں مگر مذکورہ تینوں ادارے ایک دوسرے میں متداخل ہیں، حتی کہ جمہوریت پسندوں کے یہاں بھی یہ ادارے مستقل نہیں ہیں، بلکہ سیاسی بنیادوں پر حیلوں اور مکاریوں کے ذریعے ان اداروں سے یہ سیادت دان کھلواڑ کرتے رہتے ہیں۔

دوسری چیز:

شریعت اسلامیہ ان تمام تقسیمات اور تکلفات سے دور ہے جن کی تصویر کشی مصنف نے قارئین کے سامنے کی ہے تاکہ انہیں جمہوری سول حکومت کی طرف مائل کر سکے۔



مصنف نے آگے ص ۱۲۹ / پر کہا:

(حکومت کے ان اداروں کا استقلال فقہ عمری راشدی ہے، جو سیدنا عمر کے اس خطاب میں جھلکتا ہے جو آپ نے امیر شام معاویہ کے پاس بھیجا تھا کہ عبادہ بن صامت پر آپ کو کوئی اختیار نہیں ہوگا جو کہ اس وقت فلسطین کے قاضی تھے)۔

تبصرہ:

قضاء کے معاملے میں اسلام کے اندر اسی طرح عمل ہوتا آیا ہے اور یہ فقہ اور قضا نیز احکام سلطانی کے باب میں تفصیل سے مل جائے گا، ویسے مصنف نے اپنے اس کلام سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ معاملہ معطل ہے، اور یہ کہ اقتدار صرف ایک شخص کے اختیار میں ہے۔

دوسرے یہ کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایسی بات کہی تھی اسکا ایک سبب تھا جسے اس روایت کے اندر بیان کیا گیا ہے:

عَنْ قَبِيصَةَ، أَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ الْأَنْصَارِيَّ النَّقِيبَ صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، غَزَا مَعَ مُعَاوِيَةَ أَرْضَ الرُّومِ، فَنَظَرَ إِلَى النَّاسِ وَهُمْ يَتَبَايَعُونَ كِسَرَ الذَّهَبِ بِالدَّنَانِيرِ، وَكِسَرَ الْفِضَّةِ بِالدَّرَاهِمِ، فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ تَأْكُلُونَ الرِّبَا، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا تَبْتَاعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ لَا زِيَادَةَ بَيْنَهُمَا وَلَا نَظِرَةَ" فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ: يَا أَبَا الْوَلِيدِ لَا أَرَى الرِّبَا فِي هَذَا إِلَّا مَا كَانَ مِنْ نَظِرَةٍ، فَقَالَ عُبَادَةُ: أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتُحَدِّثُنِي عَنْ رَأْيِكَ، لَئِنْ

أَخْرَجَنِي اللَّهُ لَا أُسَاكِنُكَ بِأَرْضٍ لَكَ عَلَيَّ فِيهَا إِمْرَةٌ، فَلَمَّا قَفَلَ لَحِقَ بِالْمَدِينَةِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: مَا أَقْدَمَكَ يَا أَبَا الْوَلِيدِ؟ فَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ، وَمَا قَالَ مِنْ مُسَاكَنَتِهِ، فَقَالَ: ارْجِعْ يَا أَبَا الْوَلِيدِ إِلَى أَرْضِكَ، فَقَبَحَ اللَّهُ أَرْضًا لَسْتَ فِيهَا، وَأَمْثَالُكَ وَكَتَبَ إِلَى مُعَاوِيَةَ: لَا إِمْرَةَ لَكَ عَلَيْهِ، وَاحْمِلِ النَّاسَ عَلَى مَا قَالَ فَإِنَّهُ هُوَ الْأَمْرُ.

ترجمہ: قبیصہ سے روایت ہے کہ عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ نے (جوکہ عقبہ کی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والے صحابی ہیں) معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سرزمین روم میں جہاد کیا، وہاں لوگوں کو دیکھا کہ وہ سونے کے ٹکڑوں کو دینار (اشرفی) کے بدلے اور چاندی کے ٹکڑوں کو درہم کے بدلے بیچتے ہیں، تو کہا: لوگو! تم سود کھاتے ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: "تم سونے کو سونے سے نہ بیچو مگر برابر برابر، نہ تو اس میں زیادتی ہو اور نہ ادھار"، تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ابوالولید! میری رائے میں تو یہ سود نہیں ہے، یعنی نقدا نقد میں تفاضل (کمی بیشی) جائز ہے، ہاں اگر ادھار ہے تو وہ سود ہے، عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ سے حدیث رسول بیان کر رہا ہوں اور آپ اپنی رائے بیان کر رہے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں سے صحیح سالم نکال دیا تو میں کسی ایسی سرزمین میں نہیں رہ سکتا جہاں میرے اوپر آپ کی حکمرانی چلے، پھر جب وہ واپس لوٹے تو مدینہ چلے گئے، تو ان سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ابوالولید! مدینہ آنے کا سبب کیا ہے؟ تو انہوں نے ان سے پورا واقعہ بیان کیا، اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کے زیر انتظام علاقہ میں نہ رہنے کی جو بات کہی تھی اسے بھی بیان کیا، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "ابوالولید! آپ اپنی سرزمین کی طرف واپس لوٹ جائیں، اللہ اس سرزمین میں کوئی بھلائی نہ رکھے جس میں آپ اور آپ

جیسے لوگ نہ ہوں"، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ عبادہ پر آپ کا حکم نہیں چلے گا، آپ لوگوں کو ترغیب دیں کہ وہ عبادہ کی بات پر چلیں کیونکہ شرعی حکم دراصل وہی ہے جو انہوں نے بیان کیا۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸)۔

اور حقیقت یہ ہے کہ مصنف نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا جو قول نقل کیا ہے وہ سنن ابن ماجہ میں ہے جو کہ مرسل ہے قبیصہ سے جنکی ملاقات عبادہ بن صامت سے ثابت نہیں ہے، اور اصل حدیث صحیح مسلم کے اندر وارد ہوئی ہے جس میں وہ الفاظ موجود نہیں ہیں جنہیں مصنف نے نقل کیا ہے۔

پھر اگر اس قول کو صحیح مان لیا جائے تو اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلاحیتوں کو خاص کر رکھا تھا اور عبادہ بن صامت کو انکے تابع نہیں رکھا تھا، لیکن اس سے یہ کہیں نہیں ثابت ہوتا کہ وہ حاکم عام سے بھی آزاد تھے بلکہ وہ حاکم عام کے تابع تھے، اسی پر شرعی نصوص صراحت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں، اور علماء نے احکام سلطانی کے باب میں اس کی صراحت بھی کی ہے جسکے بارے میں مصنف کا دعوی ہیکہ یہ کسروی وراثت ہے۔



مصنف نے آگے ص ۱۲۹ / پر کہا:

(قانون ساز ادارہ کتاب ہے، عدلیہ میزان ہے اور منتظمہ حدید ہے)۔

تبصرہ:

یہ مصنف کی طرف سے ذاتی رائے، خواہشات اور نفس پرستی پر مبنی تفسیر ہے، بلکہ شریعت اسلامیہ پر بہتان ہے، ارشاد باری تعالی ہے:(إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا) ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ہماری آیات کے بارے میں ٹیڑھے چلتے ہیں، وہ ہم پر مخفی نہیں رہتے۔(فصلت:۴۰)۔

بلکہ یہ مصنف کی طرف سے وضعی دستور کو وحی الہی کے برابر قرار دینے کی جسارت ہے، کتاب تو قرآن وسنت ہے اور یہ وحی ہے، جبکہ میزان سے مراد عدل و انصاف ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے سورہ حدید کے اندر فرمایا ہے:(لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ) ترجمہ: بلا شبہ یقینا ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو کو نازل کیا، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں، اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت لڑائی (کا سامان) ہے اور لوگوں کے لیے بہت سے فائدے ہیں اور تاکہ اللہ جان لے کہ کون دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقینا اللہ بڑی قوت والا، سب پر غالب ہے۔(الحدید:۲۵)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ دین بغیر کتاب، میزان اور حدید کے قائم نہیں ہوسکتا جیسا

کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ) ترجمہ: بلا شبہ یقینا ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو کو نازل کیا، تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں، اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت لڑائی (کا سامان) ہے اور لوگوں کے لیے بہت سے فائدے ہیں اور تا کہ اللہ جان لے کہ کون دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقینا اللہ بڑی قوت والا، سب پر غالب ہے۔ (الحدید: ۲۵)۔

چنانچہ کتاب کے ذریعے علم اور دین قائم رہتا ہے، اور میزان کے ذریعے حقوق قائم ہوتے ہیں، جب کہ حدید کے ذریعے کافروں اور منافقوں پر حدود قائم ہوتے ہیں؛ اسی لئے بعد کے زمانوں میں کتاب علماء اور عابدوں کو دے دیا گیا، میزان وزراء اور اہل دیوان کو دے دیا گیا، اور حدید امراء اور فوجیوں کو دے دیا گیا۔ (مجموع الفتاوی: ۳۵/ ۳۶)۔

اور ابن کثیر نے کہا کہ کتاب سے مراد نقل مصدق ہے اور میزان عدل ہے، اسے مجاہد اور قتادہ وغیرہ نے کہا ہے، اور یہی وہ حق ہے جسکی گواہی صحیح عقول دیتے ہیں جو کمزور آراء سے پاک ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (أَفَمَنْ كَانَ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِنْهُ) ترجمہ: تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہو اور اس کی طرف سے ایک گواہ اس کی تائید کر رہا ہے۔ (ھود: ۱۷)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا

يَعْلَمُونَ) ترجمہ: پس آپ یک سوہو کر اپنا منھ دین کی طرف متوجہ کردیں۔اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے بنائے کو بدلنا نہیں، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔(الروم:۳۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ) ترجمہ: اور آسمان، اس نے اسے اونچا اٹھایا اور اس نے ترازو رکھی۔(الرحمن:۷)۔

اسی لئے سورہ حدید والی آیت کے اندر حق اور عدل کا ذکر کیا ہے، جس میں رسولوں کی اتباع اور اطاعت کی جاتی ہے، اور انکے جن فرامین کی بجا آوری کی جاتی ہے انہیں میں وہ حق بھی ہے جسکے بعد کوئی حق نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے:(وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ) ترجمہ: آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے، اس کے کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔(الانعام:۱۱۵)۔

یعنی خبروں میں سچا اور اوامر ونواہی میں عدل پر مبنی ہے۔(تفسیر ابن کثیر:۸ / ۲۸)۔

ابن جریر نے ابن زید کا قول نقل کیا کہ میزان کے ذریعے لوگ اپنی زندگی میں معاشی اعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ تعامل کرتے ہیں، میزان کے ساتھ میں دین کرتے ہیں، اور کہا کہ کتاب کے اندر لوگوں کا وہ دین ہے جسکی روشنی میں وہ واجبات کو انجام دیتے ہیں اور منہیات کو ترک کرتے ہیں، اس طرح کتاب آخرت کیلئے اور میزان دنیا کیلئے ہے۔(تفسیر طبری:۲۲ / ۴۲۴)۔

اور قرطبی نے کہا کہ میزان سے مراد عدل ہے جسے ابن عباس اور اکثر مفسرین نے کہا ہے، عدل کو میزان کہا گیا کیونکہ میزان عدل وانصاف کا آلہ ہے، اور کہا گیا کہ میزان کی وضاحت کتاب کے

اندر آئی ہے کہ انسان کو کس چیز پر عمل کرنا ہے۔ اور قتادہ نے کہا کہ میزان سے مراد عدل ہے جس کے ذریعے امر و نہی کو انجام دیا جاتا ہے۔ اسکے بعد قرطبی نے کہا کہ یہ سارے اقوال معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے متقارب ہیں۔ انتہی۔

اور مصنف نے جو یہ دعوی کیا کہ قانون ساز ادارہ کتاب ہے، تو معلوم ہونا چاہئے کہ جمہوریت پسند جس دستور پر قائم ہیں وہ کتاب اور قرآن کے بالکل مخالف ہے جب کہ مصنف انکی مکمل موافقت کرتا ہے اور انکے دستور کو تسلیم کرتا ہے جیسا کہ مصنف نے آگے ص ۱۳۶ پر کہا کہ (اگر کسی ملک کے لوگ شریعت کے علاوہ کوئی دوسرا دستور اختیار کریں تو عیب انکھ اختیار کرنے میں ہے، عیب اس نظام (جمہوریت) میں نہیں ہے جو کہ عوام کی خواہشات کا آئینہ دار ہے)۔ اسی بات کو مصنف نے آگے ص ۱۷۴ پر کہا کہ (ضروری ہیکہ مستقبل تمام لوگوں کیلئے ہو، جی ہاں، ہر کوئی راضی نہیں ہوسکتا، سب کی رضا حاصل کرنا ایسا ٹارگٹ ہے جو کبھی بھی حاصل نہیں ہوسکتا! اسلئے حکمرانی اسی دستور کے مطابق ہونا چاہئے جس پر اہل بلد یعنی ملک کے عوام متفق ہوں، جن کا مرجع شریعت ہے کیونکہ ملک مسلم ہے)۔

سوال یہ ہیکہ یہ دستور جس پر لادینی، لبرل، رافضی، بدعتی اور احکام شریعت سے دور فاسق و فاجر سب متفق ہوتے ہیں، اسی طرح یہودی، عیسائی اور مجوسی بھی اگر یہ ملک کے شہری ہوں! اسی کو مصنف نے پسند کیا ہے اور اسکا دفاع بھی کرتا ہے!!

اور اسکے بعد مصنف نے جھوٹ و بہتان اور تلبیس کاری کرتے ہوئے اسی دستور کو کتاب سے تعبیر کر دیا ہے۔

جبکہ قانون سازی صرف اللہ کا حق ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ) ترجمہ: فیصلہ اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں، وہ حق

بیان کرتا ہے اور وہی فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔(الانعام:۵۷)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ) ترجمہ: پھر کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے، ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔(المائدہ:۵۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ) ترجمہ: اور وہ چیز جس میں تم نے اختلاف کیا، کوئی بھی چیز ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے، وہی اللہ میرا رب ہے، اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔(الشوری:۱۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا) ترجمہ: پس نہیں! تیرے رب کی قسم ہے! وہ مومن نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ تجھے اس میں فیصلہ کرنے والا مان لیں جو ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے، پھر اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں جو تو فیصلہ کرے اور تسلیم کرلیں، پوری طرح تسلیم کرنا۔(النساء:۶۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ) ترجمہ: اور یہ کہ ان کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ کر جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر اور ان سے بچ کہ وہ تجھے کسی ایسے حکم سے بہکا دیں جو اللہ نے تیری طرف نازل کیا ہے، پھر اگر وہ

پھر جائیں تو جان لے کہ اللہ یہی چاہتا ہے کہ انھیں ان کے کچھ گناہوں کی سزا پہنچائے اور بے شک بہت سے لوگ یقینا نافرمان ہیں۔(المائدہ:۴۹)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ)

ترجمہ:سن لو! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کا کام ہے،بہت برکت والا ہے اللہ جو سارے جہانوں کا رب ہے۔(الاعراف:۵۴)۔



لڑکپن کی خوشی اور مصنف کے نزدیک اس کی مناسبت

مصنف نے آگے ص ۱۳۱/ پر کہا:

(تیسرا: جمہوری حل اور اسلامی سیاسی نظام: مسلط ڈکٹیٹر شپ کا سقوط بڑے ہی شادمانی اور خوشی کا سبب ہے، یہ وہ لمحات ہوتے ہیں جب ایک انسان صرف خوشی وشادمانی اور پر کیف فضا میں مسرور ہوتا ہے، ایسے موقع پر انسان کو چاہئے کہ وہ تمام حسابات سے دور رہ کر صرف لڑکپن کی خوشی سے لطف اندوز ہو، اور ان لوگوں کی پریشانیوں کو یاد کریں جو ان ڈکٹیٹروں کے زیر تسلط زمانے تک رہے اور جنہوں نے مزاحمت کاری کے دوران بڑی بھاری قیمت چکائی، ان میں جو زندہ ہیں وہ لائق فخر اور شکر کے مستحق ہیں، لیکن جو چل بسے انکے لئے اللہ کا یہ قول کافی ہے: (وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ) ترجمہ: اور بلاشبہ یقیناً اگر تم اللہ کے راستے میں قتل کر دیے جاؤ، یا فوت ہو جاؤ تو یقیناً اللہ کی طرف سے تھوڑی سی بخشش اور رحمت اس سے کہیں بہتر ہے جو لوگ جمع کرتے ہیں۔ (آل عمران: ۱۵۷)۔

تبصرہ:

مصنف نے یہاں تک ڈکٹیٹر شپ کے سقوط پر خوشی اور شادمانی کے اظہار کی بات کی ہے تو یقیناً اگر وہ طاغوتی حکومت ہے تو اس کے سقوط پر خوشی بجا ہے، بلکہ اس پر اللہ کیلئے سجدہ شکر ہونا چاہئے جس نے مسلمانوں کو اس سے راحت بخشی، لیکن ایسے مقام پر بھی مصنف نے شکر نعمت کا ذکر نہیں کیا، بلکہ کہا کہ (ایسے موقع پر انسان کو چاہئے کہ وہ تمام حسابات سے دور رہ کر صرف لڑکپن کی خوشی سے لطف

اندوز ہو)۔یعنی لڑکپن کی خوشی مصنف کے نزدیک بہتر ہے البتہ اللہ کا شکر اور حمد بیان کرنا مصنف کے قاموس میں نہیں ہے، جبکہ اللہ تعالی فرماتا ہے: (قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ) ترجمہ: کہہ دیں (یہ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت ہی سے ہے، سو اسی کے ساتھ پھر لازم ہے کہ وہ خوش ہوں۔ یہ اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔(یونس: ۵۸)۔

اور جہاں تک مصنف کا آیت کریمہ سے اس بات پر استدلال کرنا کہ جو انقلابات اور بغاوتوں میں مارے جاتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں تو یہ سب سے باطل استدلال ہے، اسی طرح کی حرکت مصنف نے مقدمے کے اندر بھی کی ہے کہ جو شہادت کے شرعا مستحق نہیں انہیں اس لقب سے مصنف نے نوازا ہے۔



مصنف نے آگے ص ۱۳۱ / پر کہا:

(بہت سارے لوگ جمہوریت کے عیوب گناتے رہتے ہیں، مگر یہ ٹھیک ان لوگوں کیلئے ہے جو جمہوریت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور اسکے سائے میں رہ کر اسکے فلسفے کا تجربہ کیا ہے، ان لوگوں کیلئے ٹھیک نہیں ہے جنہوں نے اس کے بارے میں صرف سن رکھا ہے اور اسی بنیاد پر اسکے نام کو بگاڑنے پر لگے رہتے ہیں، جبکہ انکے لئے مناسب یہ تھا کہ یہ ڈکٹیٹر شپ اور استبدادی نظاموں کے عیوب گناتے جو کہ شر وفساد کا مجموعہ ہے، حالانکہ جمہوریت کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہی مناسب حل ہے یا جیسا کہ جمہوریت کے بارے میں چرچل نے کہا کہ یہ سب سے کم برائی والا نظام ہے)۔

تبصرہ:

مصنف نے یہاں پر لوگوں کے سامنے صرف دو آپشن دیئے ہیں: یا تو وہ جمہوریت اختیار کریں جو کہ چرچل کے مطابق مناسب حل ہے، یا پھر استبدادی نظاموں کے تحت زندگی کاٹیں، پھر مصنف نے جمہوری نظام کا تزکیہ کیا اور اسے خوبصورت بنا کر پیش کیا ہے۔

اور وہ مسلمان جنہیں اللہ نے مغربی جمہوریت سے عافیت میں رکھا ہے انہیں مصنف نے یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنے ملکوں کے استبدادی یعنی شاہی نظاموں کے عیوب گنائیں، اس طرح مصنف نے شاہی نظام حکمرانی کو ڈکٹیٹر شپ اور استبدادی نظام سے تعبیر کیا ہے، اور یہ بھی مشورہ دیا ہیکہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ جمہوریت کے محاسن کو سیکھیں!! کیونکہ مصنف کے نزدیک جمہوری نظام شاہی نظام سے بہتر ہے اور اسکے لئے مصنف نے چرچل کے قول سے استدلال کیا ہے!!

اور مصنف عموما اپنی باتوں پر کفار اور ملحدین ہی کے اقوال سے استدلال کرتا ہے، علمائے

اسلام کے اقوال پر اعتماد نہیں کرتا۔

اس کلام کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مصنف مغربی جمہوریت کی طرف دعوت دے رہا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ جمہوریت اس شاہی نظام سے افضل ہے جسے استبدادی نظام سے متصف کیا ہے۔

میں یہاں پر قارئین کرام کو یاد دلاؤں گا کہ اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کے بارے میں یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ ان پر بادشاہ مقرر کر دیا جائے، لیکن اللہ کے اس پر کوئی نکیر نہیں کی، بلکہ ان پر بادشاہ متعین کر دیا، اور داود وسلیمان علیہما السلام دونوں انہیں میں نبی کے ساتھ بادشاہ بھی تھے، اور دونوں قاضی بھی تھے، یہاں بھی مقصد عدل وانصاف کو قائم کرنا اور اس شریعت کو نافذ کرنا تھا جسے اللہ نے اتارا تھا۔

* یہاں پر ہم اہل علم کے کچھ اقوال نقل کر رہے ہیں:

* "فتاوی الشیخ محمد بن ابراہیم" کے اندر" جمہوریت اور جمہوریت کی صدارت" کے عنوان سے ایک رپورٹ ہے جس میں شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کا جواب نقل ہیکہ یہ شرعی نہیں ہے، باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے، رسالت محمدیہ کے خلاف ہے، صحابہ اور مسلمانوں کے طریقے کے خلاف ہے، یہ محض فرنگیت ہے، تعجب کی بات یہ ہیکہ یہ نظام آج کل کمزور قسم کے مسلمانوں کے اندر بھی پایا جانے لگا ہے، یہ شاہی نظام پر استبداد استبداد کا رٹ لگاتے ہیں، اگر وہ ظلم کریں گے تو اللہ انکا حساب کرے گا، صحابہ کے زمانے ایسے امام پائے گئے جس نے شراب پی رکھی تھی، یہ لوگ دراصل جہالت کا شکار ہیں، بلکہ دین سے کلی طور پر جاہل ہیں، یہ خوارج اور معتزلہ کے اصول پر چل رہے ہیں، اور استبداد پر

جو یہ کلام کرتے ہیں یہ یورپ کی تقلید میں کرتے ہیں، دراصل وہ جب دیکھتے ہیں کہ مسلمان چوری پر ہاتھ کاٹ دیتے ہیں تو اسے وحشیانہ عمل کہتے ہیں، اور ایسے نظام کو استبدادی نظام کہہ کر بدنام کرتے ہیں، پھر وہ دین وعقائد اور نوجوانوں کے جذبات سے کھلواڑ کرتے ہیں، ان سب کا مقصد ان پر مادیت کو غالب کرنا ہوتا ہے۔(فتاوی الشیخ محمد بن ابراہیم: ۱۲/ ۱۷۳)۔

مذکورہ کلام میں بڑے اختصار کے ساتھ مصنف جیسے جمہوریت کے دلدادوں پر بہترین رد موجود ہے:

۱-جمہوریت شرعی نہیں ہے بلکہ سنت محمدیہ اور صحابہ اور مسلمانوں کے طریقے کے خلاف ہے۔

۲-اس میں تشریعی اعتبار سے فرنگی کفار کی مشابہت ہے اور اللہ کی شریعت کے مقابلے جمہور عوام کی رائے کی تقدیس اور اسے مقدم کیا جاتا ہے۔اور حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی قوم میں سے ہو جائے گا۔

۳-جو دینی حکومت کے مخالفین ہیں وہ اسلامی حکومت کو استبداد وظلم سے متہم کرتے ہیں، ان پر اس طور پر رد کیا گیا کہ جو ظالم ہو گا اس کا رب اس پر محاسبہ کرے گا، اس سے خلافت اور اسلامی حکومت پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا، صحابہ کے دور میں ایسے امام پائے گئے جس نے شراب پی رکھی تھی مگر اس سے خلافت پر کوئی اعتراض نہیں آیا اور نہ ہی ان پر قیصر وکسری کے نظام حکمرانی ہونے کا متہم کیا گیا۔

۴-یہ ایک بڑی جہالت ہے، کیونکہ حکومت ایک عظیم الہی نعمت ہے، اسکی مخالفت کرنا اس نعمت اور خیر کی مخالفت ہے، کیونکہ مخالفت اور بغاوت سے نظام زندگی درہم برہم ہو جاتی ہے اور دین ودنیا کے معاملات معطل ہو جاتے ہیں۔

۵-اس طرح کی دعوت دینا خوارج اور معتزلہ کا طریقہ ہے، یہ بات شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کی

ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف کا طرح بدعتیوں کے فاسد آراء کا، داعی بن بیٹھا ہے۔

۶- جمہوریت کے داعیان کا تناقض اور کھلواڑ سامنے آتا ہے کہ جب کسی اسلامی ملک میں چوری پر حد نافذ کیا جاتا ہے تو یہ اسے وحشیانہ عمل کہتے ہیں جیسا کہ مصنف نے بھی ص ۱۱۹ پر تنفیذ شریعت کے تعلق سے کہا کہ جس مقدار میں شریعت کی تنفیذ ہوتی ہے اس میں بھی حالات وظروف کو مدنظر نہیں رکھا گیا ہے۔

۷- جمہوریت کے داعیان جب کسی ایسے ملک پر اعتراض کرتے ہیں جہاں پر شریعت کی تنفیذ ہوتی ہے تو وہ ظلم واستبداد اور دولت کی تقسیم کو موضوع بحث بناتے ہیں، توحید وسنت کے نفاذ اور شرک وبدعات کے خاتمے پر گفتگو نہیں کرتے ہیں!

۸- یہ جمہوریت کے دلدادے نفس پرست اور جذبات سے کھلواڑ کرتے ہیں، یہ دین اور عقائد کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہیں، یہ لوگوں کے اعتقاد کی تصحیح کی بات نہیں کرتے، بطور خاص نوجوان نسل کے عقول اور انکے عقائد ومناہج سے کھیلتے ہیں، یہاں تک کہ انکی برین واشنگ کرکے انہیں علمائے امت اور حکام کے خلاف جری بناتے ہیں اور پھر انہیں کو خروج وبغاوت پر ابھارتے ہیں۔

۹- جمہوریت کے دلدادے یہ سب خبیث مادیت کے اثر اور غلبے کی وجہ سے کرتے ہیں۔

شیخ عبداللہ بن حمید رحمہ اللہ نے ملک سعود بن عبدالعزیز کو نصیحت کرتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ جو دین کا مخالفت ہوتا ہے وہ مسلمانوں اور مسلمانوں کے حکام کا بھی مخالف ہوتا ہے، اور جو حکام کا مخالف ہوتا ہے وہ دین کا بھی مخالف ہوتا ہے، گرچہ وہ اسلام کی نصرت ومدد کا اظہار کرے، کیوں کہ اسلام انسان کو ہر اس عمل سے روکتا ہے جو شرعی سیاست کو نقصان پہونچائے، اسی لئے جو اسلام کی مدد کے بہانے حاکم وقت کے خلاف خروج کرتا ہے وہ جھوٹا ہوتا ہے۔ (الدرر السنیہ: ۱۵/ ۲۸)۔

مصنف نے آگے ص ۱۳۴ / پر کہا:

(فقہ اسلامی کے ادلہ میں ایک اجماع بھی ہے، یہ اجماع کبھی تقریبی ہوتا ہے اس معنی میں کہ یہ اغلبیت کی رائے ہوتی ہے، اور اجماع کے بعد جمہور کی رائے یا جمہور علماء کی رائے ہے، اور غالبا یہی درست بات ہے، اور کبھی اسی کو "سواد اعظم" سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے جیسا کہ بعض آثار میں وارد ہوا ہے، غزوہ احد کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثریت کی رائے پر عمل کیا تھا اور ہزیمت کا سامنا کیا تھا، اور اسی کے بعد یہ آیت نازل ہوئی تھی: (وشاورهم في الأمر) ترجمہ: اور معاملات میں ان سے مشورہ لیا کریں۔ (آل عمران: ۱۵۹)۔ اور جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مسلمان جسے اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ایم دوسرے پر زمین پر اللہ کا گواہ بنایا ہے، اس طرح شہادت کو لوگوں سے جوڑ دیا ہے۔ اور سواد اعظم والی حدیث گرچہ ضعیف ہے مگر اسکا معنی معتبر ہے، اور علماء نے اکثر کو ہی ترجیح دی ہے)۔

تبصرہ:

اس کلام کے اندر مصنف کی طرف سے تلبیس کاری اور حقائق کو الٹ پلٹ کر کے پیش کیا گیا ہے:

پہلی چیز:

جمہور کی رائے یا جمہور علماء کی رائے سے مراد جمہوریت والی اکثریت نہیں ہے، اور نہ ہی اسکا مفہوم یہ ہیکہ مختلف گروہوں اور جماعتوں کے آراء واقوال کو قبول کیا جائے خواہ وہ گمراہ ہوں یا کافر۔

دوسری چیز:

جمہوری نظام کی تصحیح اور اسے خوشنما بنانے کیلئے آثار ونصوص سے استدلال کرنا مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ اور فریب ہے؛ کیونکہ ان نصوص سے مراد کتاب وسنت کے ماہرین علمائے کرام ہیں، اور جہاں تک مغربی جمہوریت کا تعلق ہے تو اس میں مسلم کافر اور بدعتی سب رہتے ہیں، آخری صورت میں ان نصوص سے اللہ کے دشمنوں کے آراء واقوال پر کیسے استدلال کر سکتے ہیں؟!

تیسری چیز:

اہل علم کے نزدیک اجماع کا مطلب قابل اعتماد علماء کا اجماع ہے، لیکن یہاں مصنف نے جمہور عوام کی رائے کو مراد لیا ہے خواہ وہ جاہل اور درجاہل ہی کیوں نہ ہوں، مصنف اس مسئلے میں جمہور علماء کی رائے کا اعتبار نہیں کرے گا گرچہ ساتھ علماء کا اتفاق ہی کیوں نہ ہو، بلکہ جمہور جاہل عوام کی رائے کو قبول کرے گا گرچہ وہ وحی الہی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔



مصنف نے آگے ص ۱۳۴/ پر کہا:

(غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ حکمرانی قوم کی طرف سے نیابت ہے، اسی لئے اسکے اختیار وانتخاب کا اسے حق ہے، اسی طرح اسے شرط لگانے کا بھی حق ہے، اسی طرح اسے ولایت یعنی حاکم بنانے اور اسے معزول کرنے کا بھی حق ہے)۔

تبصرہ:

آج تک علمائے امت میں سے کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ حاکم کے منتخب کرنے، شرط لگانے اور اسے معزول کرنے میں امت کے تمام افراد یعنی جمہور عوام کو حق حاصل ہے، جیسا کہ مصنف نے اتنا لمبا چوڑا دعوی کر رکھا ہے، بلکہ یہ کلام ایسے شخص کا لگتا ہے جسے علمائے امت کے اقوال وآراء سے کوئی واقفیت نہ ہو۔

صحیح بخاری میں وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ وَهُوَ بِمِنًى فِي آخِرِ حَجَّةٍ حَجَّهَا عُمَرُ فَوَجَدَنِي، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: فَقُلْتُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ الْمَوْسِمَ يَجْمَعُ رَعَاعَ النَّاسِ ، وَإِنِّي أَرَى أَنْ تُمْهِلَ حَتَّى تَقْدَمَ الْمَدِينَةَ فَإِنَّهَا دَارُ الْهِجْرَةِ وَالسُّنَّةِ وَالسَّلَامَةِ وَتَخْلُصَ لِأَهْلِ الْفِقْهِ ، وَأَشْرَافِ النَّاسِ وَذَوِي رَأْيِهِمْ ، قَالَ عُمَرُ: " لَأَقُومَنَّ فِي أَوَّلِ مَقَامٍ أَقُومُهُ بِالْمَدِينَةِ ".

ترجمہ: ابن شہاب نے بیان کیا، کہا مجھ کو عبید اللہ بن عبد اللہ نے خبر دی اور انہیں ابن عباس

رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ منیٰ میں اپنے خیمہ کی طرف واپس آرہے تھے۔ یہ عمر رضی اللہ عنہ کے آخری حج کا واقعہ ہے تو ان کی مجھ سے ملاقات ہوگئی۔انہوں نے کہا کہ (عمر رضی اللہ عنہ حاجیوں کو خطاب کرنے والے تھے اس لیے) میں نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! موسم حج میں معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والے سب طرح کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور شوروغل بہت ہوتا ہے اس لیے میرا خیال ہے کہ آپ اپنا ارادہ موقوف کردیں اور مدینہ پہنچ کر (خطاب فرمائیں) کیونکہ وہ ہجرت اور سنت کا گھر ہے اور وہاں سمجھدار معزز اور صاحب عقل لوگ رہتے ہیں۔" اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم ٹھیک کہتے ہو، مدینہ پہنچتے ہی سب سے پہلی فرصت میں لوگوں کو خطاب کرنے کے لیے ضرور کھڑا ہوں گا۔(صحیح بخاری: ۳۹۲۸)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ شورائیت کو امت کے تمام افراد یا اکثر افراد یا جمہور عوام کی رائے پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ متقدمین سلف نے یہ مراد نہیں لیا ہے اور مرور زمانہ کے ساتھ کسی نے بھی ایسا نہیں کیا ہے، جیسا کہ یہ ممکن بھی نہیں ہے۔

اسکی دلیل یہ ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خلافت کی جانشینی کیلئے صحابہ میں سے صرف چھ لوگوں کو چنا تھا، اور شورائیت کو انہیں کے اندر محصور کردیا تھا، اس اہم معاملے کو مملکت کے ہر کسی کے اختیار میں نہیں دیا تھا جہاں یہودی، نصرانی اور منافق سب رہتے تھے، بلکہ آپ نے مسلمانوں کی اکثریت کو بھی یہ اختیار نہیں دیا تھا، اور آپ کے اس عمل کی موافقت صحابہ نے بھی کی تھی، اس طرح گویا صحابہ کا اجماع تھا کہ شورائیت کا حق اہل حل وعقد ہی ہیں جس میں صرف مخصوص اہل دانش اور اہل علم نیز اہل نظر وفکر اور اہل فضل حضرات آتے ہیں۔

مزید یہ کہ ہمیں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سنت پر عمل کرنے کا حکم بھی آیا ہے، جیسا کہ رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر قائم رہنا۔(سنن ابی داود:۴۶۰۷)۔

مزید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر ابو بکر و عمر کی اتباع لوگ کرلیں تو کامیاب رہیں گے۔(صحیح مسلم:۶۸۱)۔

اور جہاں تک کا اکثریت کی رائے لینے اور مشورہ کرنے کی بات ہے تو اللہ تعالی نے اکثریت کہ مذمت کی ہے، ارشاد باری تعالی ہے:(وَإِن تُطِعۡ أَكۡثَرَ مَن فِي ٱلۡأَرۡضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ وَإِنۡ هُمۡ إِلَّا يَخۡرُصُونَ) ترجمہ:اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کردیں وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں۔(الانعام:۱۱۶)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَمَآ أَكۡثَرُ ٱلنَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِينَ) ترجمہ:اور اکثر لوگ، خواہ تو حرص کرے، ہر گز ایمان لانے والے نہیں ہیں۔(یوسف:۱۰۳)۔

اور جمہور عوام کی رائے لینے اور ان سے مشورہ لینے کا مطلب ہوگا کہ ایک عالم اور جاہل کو، ایک سنی اور ایک بدعتی کو اور ایک مومن اور ایک کافر کو آپ برابر کررہے ہیں، اور یہ باطل ہے، اس کی دلیل یہ ہیکہ اللہ تعالی نے ان اب میں فرق کیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:(قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِي ٱلَّذِينَ يَعۡلَمُونَ وَٱلَّذِينَ لَا يَعۡلَمُونَۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُوْلُواْ ٱلۡأَلۡبَٰبِ) ترجمہ:کہہ دیں کہ کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ جو نہیں جانتے؟ نصیحت تو بس عقلوں والے ہی قبول کرتے ہیں۔(الزمر:۹)۔

اور مشورہ کی شرط لگانا بھی صحیح نہیں ہے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس قول سے کہ(جو

مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی سے بیعت لے تو اسکی بیعت نہیں کی جائے گی)۔

کیونکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس شخص کی تردید کرتے تھے جو یہ کہتا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت اچانک ہوئی تھی، اور آپ کے اس کلام سے استحقاق بیعت کیلئے مشورہ کی شرط پر استدلال نہیں کر سکتے، اسکی دلیل یہ ہے کہ آپ نے خلافت کو اپنے بعد چھ صحابہ کے درمیان محصور کر دیا، آپ نے ان چھ کے تعین میں تمام مسلمانوں سے مشورہ نہیں لیا تھا۔

اور شرعی طریقوں میں سے کسی بھی طریقے سے اگر ولایت منعقد ہو جائے تو پھر سمع وطاعت واجب ہو جاتی ہے، اور حاکم کے خلاف خروج کرنا حرام ہو جاتا ہے گرچہ وہ حاکم قتال کر کے غلبہ کے ذریعے اقتدار تک پہونچا ہو، اسکی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہیکہ" گرچہ تمہارا حاکم کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ بن جائے" ،" حاکم بن جائے" میں غلبہ اور تسلط کی طرف کنایہ ہے، بلکہ غلبہ کے ذریعے اقتدار کے ثبوت پر اہل علم کا اجماع ہے۔

اسی طرح مرور زمانہ کے ساتھ اہل علم میں سے کسی نے بھی مسلط حاکم اور منتخب حاکم کے حقوق کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے، عام نصوص سب کو عام ہیں۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے کہا کہ امامت کے ثبوت کیلئے یہ شرط نہیں ہیکہ ہر کوئی بیعت کرے، اور اسی طرح سمع وطاعت کیلئے یہ بھی شرط نہیں ہیکہ آدمی بیعت کرنے والوں میں شامل ہو، اہل حل وعقد جب بیعت کرلیں تو تمام شہر والوں پر بیعت واجب ہو جاتی ہے۔(السیل الجرار: ۴ / ۵۱۳)۔



مصنف نے آگے ص ۱۳۵ / پر کہا:

(اور معاویہ نے اپنے بیٹے یزید سے کہا کہ جہاں تک اہل عراق کا تعلق ہے تو وہ لوگ آپ نے امراء پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، لہذا اگروہ ہر دن اپنے امراء کی تبدیلی کیلئے کہیں تو ویسا کرتے رہنا۔ اور قرآن نے ہمیں دوسروں کے تجربات سے استفادہ کرنا سکھایا ہے، خندق کھودنے، منبر لگانے اور انگوٹھی بنانے کا فکرہ مسلمانوں نے دوسروں سے اخذ کیا ہے، یہ سب انسانی تجربات کی جگہیں ہیں، عبادت اور محض شریعت کی جگہیں نہیں ہیں، یہ تحریک کی جگہیں ہیں ساکن وثابت رہنے کی جگہیں نہیں ہیں۔ اس طرح جمہوریت انسانی تجربے کا نتیجہ ہے، اسکے متعدد صیغے ہیں، یہاں تک کہ آٹھ کبار فلاسفہ نے فرانسیسی میں ایک کتاب لکھی جسکا نام تھا: (جمہوریت کسی بھی ملک میں)۔

تبصرہ:

سوال یہ ہیکہ مصنف آخر کیسے معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کرسکتا ہے جبکہ اس سے پہلے آپ کی حکمرانی پر طعن و تشنیع کر چکا ہے یہ کہہ کر کہ وہ ظلم اور استبدادی تھے؟!! اور اس سے پہلے ص ۶۴ پر کہا کہ خلافت کے بعد جبری حکومت قائم ہوئی فتنے کے خاتمے کے نام پر، پھر اسی جبری حکومت میں ترقی ہوئی بنی امیہ سے ہوتے ہوئے عباسی دور تک، شخصی حکومت اور حق تلفیوں کے ساتھ۔

اسی طرح ص ۶۹ پر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بدنیتی کا الزام لگایا ہے، اور یہ کہ آپ نے بنی امیہ کے قیام کیلئے حالات وظروف کا استغلال کیا، اسی طرح کا الزام ص ۷۰ پر بھی لگایا ہے، اس لئے مصنف کا آپ کے قول سے استدلال کرنا باطل ہے، کیونکہ یہ نفس پرستی پر دلالت کرتا ہے۔

اور اگر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ کلام ثابت ہو جائے تو پھر اسکا مقابلہ عثمان اور ابن عمر رضی اللہ عنہما

کے اقوال سے کیا جائے گا، چنانچہ ابن سعد نے الطبقات میں نقل کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ مجھ سے عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے محصوری کے وقت اپنے گھر میں کہا کہ مغیرہ بن اخنس نے مجھے جو مشورہ دیا ہے اس پر تمہارا کیا خیال ہے؟ کہا کہ انہوں نے کیا کہا ہے؟ کہا کہ یہ لوگ مجھ سے معزولی کا مطالبہ کررہے ہیں۔اگر میں معزول ہوگیا تو یہ مجھے چھوڑ دیں گے اور اگر معزول نہیں ہوا تو مجھے قتل کردیں گے۔کہا کہ تو پھر میں نے کہا کہ کیا اگر آپ معزول ہو جائیں تو دنیا میں ہمیشہ رہیں گے؟ کہا کہ نہیں۔پھر پوچھا کہ کیا یہ جنت اور دوزخ کے مالک ہیں؟ کہا کہ نہیں۔پھر میں نے پوچھا کہ کیا اگر آپ معزول نہ ہو تو وہ قتل کرنے سے زیادہ کچھ کرسکتے ہیں؟ کہا کہ نہیں۔تو میں نے کہا کہ میں نہیں کہوں گا کہ آپ اسلام کے اندر یہ سنت قائم کریں کہ جب بھی کچھ لوگ اپنے امیر سے ناراض ہو جائیں تو اسکی معزولی کا مطالبہ کرنے لگیں، آپ اس قمیص کو بالکل نہ اتاریں جسے اللہ نے آپ کو پہنایا ہے۔ (الطبقات لابن سعد: ۳/ ٦٦)۔



مصنف نے آگے ص ۱۳۶ / پر کہا:

(بلا شبہ جمہوری نظام کئی مرحلوں میں استبدادی نظاموں سے بہتر ہے، اور اس میں جو سب سے اچھی بات ہے وہ عدل و انصاف، آپسی رضامندی اور اقتدار کیلئے رضا کارانہ جذبہ ہے، اور حکمرانی کے معاملے میں شریعت کے کچھ مقاصد ہیں، اور جب کوئی نظام شریعت کے ان مقاصد سے قریب تر ہوتا ہے تو وہ بھلائی اور درستگی سے قریب تر ہوتا ہے۔

اور حکمرانی کے عظیم مقاصد میں لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کا قائم کرنا ہے، اور یہ نفاذ شریعت کے خاص معانی میں سے ہے، اور یہی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضے میں بھی اصل مقصود ہے۔ اور عدل وانصاف اقتدار کی بنیاد ہے، جیسا کہ قرآن میں وارد ہوا ہے: (وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ) ترجمہ: اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ (النساء:۵۸)۔

اور مہدی آخر الزمان کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ آپ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جیسے کہ ظلم و جور سے بھری ہوئی تھی۔

بہت سارے ممالک میں دستور سے شریعت کا خاتمہ جمہوری نظام کے نتیجے میں نہیں ہے بلکہ یہ ڈکٹیٹر شپ اور استبدادی عمل ہے، امت تو اسلام کو چاہتی ہی ہے۔

اور اگر کوئی قوم شریعت کے علاوہ کوئی دوسرا دستور چاہتی ہے تو یہ نظام کی خامی نہیں ہے بلکہ یہ لوگوں کی اپنی خامی ہے، انہوں نے اسے اختیار کرنے میں گمراہی کا طریقہ اپنایا ہے، اسی لئے انبیاء کا کام لوگوں کو دین حق اور اخلاق کی دعوت کیلئے قانع کرنا تھا۔

اسلئے کسی معین واقعے سے تجاہل برتنا ٹھیک نہیں ہے بلکہ ضروری ہیکہ واقع کی معرفت حاصل کی

جائے پھر حکمت اور دعوت کے ذریعے اسکا علاج کیا جائے، نہ کہ جبر و اکراہ کے ذریعے، کیا بجبر لوگوں کو مومن بنایا جاسکتا ہے؟ یا لوگ قانع ہو کر مومن ہوں گے؟)۔

تبصرہ:

مصنف کا یہ کلام بہت ہی سنگین اور خطرناک ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مصنف جمہوری نظام میں اعتقاد رکھتا ہے، اور مصنف کے نزدیک اگر لوگ شریعت کو اختیار نہ کریں تو اس میں جمہوری نظام کی کوئی غلطی نہیں ہے، بلکہ لوگوں کی غلطی ہے!!

یہاں پر دوبارہ مصنف لوگوں کھ سامنے صرف دو آپشن رکھتا ہے: ایک جمہوریت اور دوسرا استبدادی نظام، اس طرح اسلامی نظام کو مکمل ملغی کر دیا ہے؛ اسلئے کہ اسکے نفاذ میں مصنف کچھ رکاوٹیں دیکھتا ہے۔

یہاں پر مصنف نے کہا کہ (بہت سارے ممالک میں دستور سے شریعت کا خاتمہ جمہوری نظام کے نتیجے میں نہیں ہے بلکہ یہ ڈکٹیٹر شپ اور استبدادی عمل ہے، امت تو اسلام کو چاہتی ہی ہے)۔

بعض ملکوں میں یہاں اس وقت یک انقلابی اور باغی لوگ حکومت کر رہے ہیں وہاں پر انہوں نے شریعت کا نفاذ نہیں کیا ہے، بلکہ انہوں نے صرف دستور میں شریعت کا اضافہ کر رکھا ہے جو کہ پہلے سے موجود تھا۔

اور مصنف کا دعوی ہیکہ جمہوری نظام ہی میں عدل وانصاف ممکن ہے۔

مصنف نے کہا: (اور عدل وانصاف اقتدار کی بنیاد ہے، جیسا کہ قرآن میں وارد ہوا ہے: (وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ) ترجمہ: اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو

انصاف سے فیصلہ کرو۔(النساء:۵۸)۔

مصنف کا اس آیت سے استدلال کرنا باطل ہے؛ اسلئے کہ اللہ تعالی نے عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے، اور عدل کہتے ہیں کہ جو شریعت کے مطابق ہو، اسکا تعلق صرف عقل سے نہیں ہے، عدل وانصاف صرف معاملات زندگی میں نہیں ہے بلکہ سب سے عظیم عدل اللہ کی توحید اور آدمی عبادت ہے، اسکے لئے دین کو خالص کرنا اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔



متعدد احزاب، جماعتوں اور سیاسی پارٹیوں کے وجود کا اقرار مصنف کی طرف سے

مصنف نے آگے ص ۱۳۷ / پر کہا:

(عالم اسلام میں بہت سارے قبائل، گروپ اور لیڈران پائے جاتے ہیں، ان سے صرف نظر کرنا مناسب نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ انہیں نظام میں ضم کیا جائے، اور بلا شبہ ادارہ جاتی سیاسی نظام کی طرف منتقل ہونا آسان کام نہیں ہے۔

سابقہ کلام کی بنیاد پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ شریعت نے سیاسی پروگراموں کے بنانے اور طریقہ کار کو اپنانے کی گنجائش رکھی ہے، اور ان میں سب سے افضل صحابہ اور خلفائے راشدین کی سنت کو بہتر مانا ہے، جو دراصل چند اہم امور پر قائم ہے: عدل و انصاف، آزادی، شورائیت، دولت اور دیگر تمام حقوق کا تحفظ)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف بے تکثیر یت کو ثابت کیا ہے گرچہ مخالف گروہوں کے نام کی صراحت نہیں ہے، یہ مصنف کی تلبیس کاری ہے، مگر مصنف نے اپنے قول "گروپ" میں اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے، مصنف کے نزدیک جمہوری نظام کے منتخب کرنے میں اور سیاسی کاز میں نیز امت کی قیادت کرنے میں متعدد پارٹیوں کو حق حاصل ہیکہ وہ اپنا اپنا کردار نبھائیں!!



مصنف کی طرف سے مظاہروں کی تائید

مصنف نے آگے ص ۱۳۷ / پر کہا:

(سیاسی اور شہری امور کے میدان میں کچھ لوگ سیاسی بدعات پر گفتگو کرتے ہیں، لیکن انہیں صرف مظاہرے اور دھرنا دینے کی بدعت، پرامن احتجاج کرنے یا پھر پارٹی سازی کی بدعت نظر آتی ہے، اور یہ مسلط ہونے، غصب کرنے، ظلم واستبداد اور موروثی حکمرانی پر یہ خاموش رہتے ہیں، جسے کہ بعض صحابہ نے سنت محمدیہ سے رومی سنت کی طرف منتقلی سمجھا تھا اور یہ کہ اسے اب ہرقلی اور کسروی بنا دیا گیا ہے، پھر ایک ساتھ دو ولی عہد نامزد کرنا جسکی بدعت عبدالملک بن مروان نے ایجاد کی تھی، اور جس پر سعید بن مسیب جیسے ائمہ سلف نکیر کی تھی)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف یہ نہیں چاہتا کہ لوگ دھرنا دینے اور مظاہرہ کرنے نیز پارٹی سازی کو بدعت کہا جائے، یہ ساری چیزیں مصنف کے نزدیک بدعت نہیں ہیں، اور کبار علمائے اہل سنت والجماعہ کو اپنے اس مخصوص جملے میں یاد کیا ہے: (کچھ لوگ سیاسی بدعات پر گفتگو کرتے ہیں، لیکن انہیں صرف مظاہرے اور دھرنا دینے کی بدعت، پرامن احتجاج کرنے یا پھر پارٹی سازی کی بدعت نظر آتی ہے، اور یہ مسلط ہونے، غصب کرنے، ظلم واستبداد اور موروثی حکمرانی پر یہ خاموش رہتے ہیں)۔

اور بلا شبہ علمائے اہل سنت والجماعہ نے یہ واضح کیا ہے کہ مظاہرہ اور دھرنا دینا اور پارٹی سازی کرنا بدعت ہے اس سے امت میں اختلاف پیدا ہوگا، اس پر انکے بہت سارے فتاوے مل جائیں

گے۔

اور مصنف کا جہاں تک کبار علمائے امت کے بارے میں یہ کہنا کہ (یہ لوگ مسلط ہونے،غصب کرنے،ظلم واستبداد اور موروثی حکمرانی پر خاموش رہتے ہیں) تو اس کا جواب درج ذیل ہے:

۱-مصنف پہلا شخص نہیں ہے جس نے علمائے راسخین پر طعن وتشنیع کیا ہے، بلکہ بہت سارے گمراہ اور بدعتی لوگوں نے اپنے تنقید اور طعن کا نشانہ بنایا ہے، چنانچہ مصنف نے کوئی نئی بات نہیں کی ہے، بلکہ اس نے اپنے اجداد کی سنت کو تازہ کیا ہے۔

۲-علمائے اہل سنت والجماعہ نے ان مسائل میں شرعی حکم کو واضح کیا ہے جن کے بارے میں مصنف کا گمان ہیکہ انہوں نے ان مسائل سے اعراض کیا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہیکہ یہی علمائے اہل سنت والجماعہ ہی ملوک وسلاطین کو سب سے زیادہ نصیحت کرتے ہیں، اور اپنے مخالفین کے ساتھ سب سے زیادہ یہی انصاف کرتے ہیں، انہوں نے دین کے احکامات میں سے کسی پر بھی خاموشی اختیار نہیں کی ہے۔

چنانچہ جہاں تک غلبے اور غصب کے ذریعے اقتدار حاصل کرنے کی بدعت کا تعلق ہے جس کے بارے میں مصنف کا گمان ہیکہ انہوں نے اس سے خاموشی اختیار کی ہے تو یہ مصنف کا بہتان اور صریح الزام ہے، کیونکہ اہل علم نے اس مسئلے کو بھی واضح کیا ہے اور اچھی طرح اس پر کلام کیا ہے، اور میں نے اس مسئلے میں انکے بعض اقوال کو بھی نقل کیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہیکہ یہ مسلمانوں کے خیر خواہ اور انکے لئے شفیق تھے، اور اس مسئلے میں بھی یہ سلف امت اور ائمہ دین کی اقتداء کرتے تھے۔

* شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمن بن حسن آل شیخ رحمہ اللہ نے کہا کہ اس فتنے کی بنیاد اور اسکے آغاز کے بارے میں تم لوگوں نے جان لیا، اور یہ کہ اس فتنے کے اٹھانے والوں کا کیا حکم ہے، پھر غلبہ اور

سیف وسنان کے ذریعے انہیں حکومت مل گئی، اور مسلمانوں کے اکثر ممالک پر قابض ہو گئے، اور اس طریقے سے انہیں امامت حاصل ہوگئی، جیسا کہ ہمیشہ سے اہل علم کا اسی پر عمل رہا ہے۔

اور اس فتنے کا آغاز آل مروان نے کیا کہ جنہوں نے حکمرانی کیلئے نہ تو بیعت لی اور نہ ہی کسی سے مشورہ، اور نہ ہی اہل علم اور اہل دین کی رضامندی، بلکہ غلبہ اور تسلط کے ذریعے اقتدار کو حاصل کرلیا، یہاں تک کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جو ہوا وہ ہوا، اور پھر تمام شہر اور ملک والے ان کے تابع ہو گئے، اور اسی بنیاد پر عباسی حکومت بھی قائم ہوئی، جو خراسان سے ابھری تھی، جسکا سرغنہ ایک فارسی آدمی تھا جسے ابومسلم کہا جاتا ہے، اس نے اپنے یہاں کے امیر پر بغاوت کردی اور عباسی حکومت کیلئے دعوت دینا شروع کردیا، تلوار اٹھا کر ہر اس شخص کو مارنا کاٹنا شروع کردیا جو اس سے انکار کرے، عراق کے امیر ابن ہبیرہ کو قتل کردیا، اور بھی بہت سارے لوگوں کو قتل کیا جن کی تعداد صرف اللہ ہی کو معلوم ہے، پھر عباسی کالے جھنڈوں کا ظہور ہوا، اور انہوں نے شہروں میں گھس کر قتل وخونریزی مچائی، اسکی گواہی دوسری اور تیسری صدی ہجری کے اہل علم اور ائمہ دین دیتے ہیں بطور خاص جنہیں بھی اس تاریخ سے کچھ بھی واقفیت ہے۔

اور ایسے مسئلے میں بھی اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ غلبہ اور تسلط کے ذریعے اقتدار حاصل کرنے والے کی بھی سمع وطاعت معروف میں واجب ہے، اسکی امامت بھی صحیح ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، آنکھ خلاف بھی خروج کرنے کو جائز نہیں سمجھتے کیونکہ اس سے امت میں اختلاف ہوگا، گرچہ حکام ظالم اور فاسق ہوں، جب تک کہ ان سے کفر صریح کا ارتکاب نہ ہو، اور ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ دین سے اس بارے میں نصوص بھرے پڑے ہیں۔ (الدرر السنیہ: ۸ / ۳۷۸)۔

* شیخ عبداللہ بن عبداللطیف نے کہا کہ انہیں احادیث کی روشنی میں صحابہ کرام نے عمل کیا اور یہ جانا کہ یہ وہ اصول ہیں جن کے بغیر اسلام قائم نہیں ہوسکتا، اور ان لوگوں نے خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز کو چھوڑ کر یزید بن معاویہ اور حجاج وغیرہ کو دیکھ لیا تھا، اسی لئے انہوں نے خروج و بغاوت کرنے اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے سے منع کر دیا، اور یہ سمجھا کہ مسلمانوں کے حکام کے خلاف خروج و بغاوت کرنا خوارج کا طریقہ ہے، اور اسی لئے حجاج کے ساتھ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حج کیا اور اس نے آپ کے پیر پر نیزہ مارا، تو آپ نے کہا گیا کہ کیا ہم حجاج کو معزول کر کے اس کے خلاف خروج کریں اور آپ سے بیعت کرلیں؟ تو آپ نے انہیں غلط ٹھہرایا اور کہا کہ میں سمع و طاعت سے ہاتھ نہیں کھینچ سکتا، اور پھر آپ نے اس پر کچھ حدیثوں سے استدلال کیا۔ (الدررالسنیہ: ۹ / ۹۳)۔

۳- اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہیکہ بوقت ضرورت حکام اور سلاطین کے متعدد ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے بایں طور کہ ہر خطے میں ایک حاکم ہو۔

اب کیا ان علمائے امت کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہے کہ انہوں نے مسلط ہونے، غصب کرنے، ظلم و استبداد اور موروثی حکمرانی پر خاموشی اختیار کی؟!!

اور مصنف کا یہ کہنا کہ: (جسے کہ بعض صحابہ نے سنت محمدیہ سے رومی سنت کی طرف منتقلی سمجھا تھا اور یہ کہ اسے اب ہرقلی اور کسروی بنا دیا گیا ہے)۔

یہاں پر مصنف نے بعض صحابہ سے مراد عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کو مراد لیا ہے جنہوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت کو لیکر اعتراض کیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ: ۸ / ۸۹)۔

لیکن مصنف نے اس روایت کو نہ تو نقل کیا اور نہ ہی اسکے درجے پر گفتگو کی ہے، اگر وہ ثابت بھی ہو جائے تو اس کا جواب درج ذیل صورتوں میں ہوسکتا ہے:

۱-مصنف نے جن اہل علم پر طعن و تشنیع کیا ہے انہیں کا یہ اتفاق ہیکہ موروثی حکومت امت کیلئے کہیں زیادہ کم نقصان دہ ہے اس مغربی جمہوری حکومت سے جس سے صرف فتنہ، اختلاف وتفرقہ اور قتل وخونریزی ہوتی ہے، علمائے اسلام اسے مشروع نہیں کہتے ہیں بلکہ اس پر غلبے والی حکومت کا حکم لگاتے ہیں، اور عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی نکیر کو اجتہاد پر محمول کیا جاتا ہے کیونکہ بہت سارے ان صحابہ نے انکی مخالفت کی جنہوں نے یزید سے بیعت کی تھی، بلکہ بعض صحابہ نے تو اسی کا مشورہ دیا تھا تاکہ امت کے اندر دوبارہ اختلاف نہ ہو۔

۲-بعض صحابہ کی طرف سے بیٹے سے بیعت لینے پر جو اعتراض کیا اور اسے فارس وروم کی سلطنت سے مشابہ قرار دیا تو اس وقت انکی رغبت یہ تھی کہ مسلمانوں میں سے کسی افضل اور لائق شخص کو منتخب کیا جائے، اور یہ تمکن اور امن کے وقت ہی ممکن ہے، اور اگر امن نہ ہو تو ایسی صورت میں اسے ضرورت کی خاطر برداشت کیا گیا ہے۔

۳-مصنف کے یہاں تضاد ہے، اپنی بات کو خود اپنی بات سے توڑ رہا ہے، چنانچہ مصنف نے ص ۱۳۸ پر کہا: (اگر ہمارے پاس کوئی آپشن نہ ہو تو ان کسروی موروثی نظام کو برداشت کرنا پڑے گا اور ساتھ ہی معاصر مغربی جمہوریت سے اگر کچھ ملتا ہے جیسے اظہار آزادی رائے اور مظاہرہ تو اسے بھی قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

پھر آخر مصنف نے صحابی کے اس قول سے احتجاج کیسے کرلیا جوکہ خود مصنف کی رائے کے خلاف ہے؟! چنانچہ عبد الرحمن بن ابی بکر روم وفارس کی طرح ہونے پر اعتراض کر رہے ہیں اور مصنف کہہ رہا ہے کہ (ہمارے پاس کوئی آپشن نہ ہو تو ان کسروی موروثی نظام کو برداشت کرنا پڑے گا!)۔

۴-مصنف نے جس خروج و بغاوت کی دعوت دینے کے طریقے پر چل نکلا ہے وہ کہیں زیادہ

قبیح ہے اس طریقے سے جسکی اس نے مذمت کی ہے، کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہیکہ تم لوگ چاہتے ہو کہ فارس و روم کی طرح ہو جاؤ، جو اپنے کسی ایسے حاکم کو نہیں چھوڑتے مگر اسے قتل کر دیتے۔ (کتاب السنہ للامام خلال: ۱/ ۳۸۶)۔

اور رومی جس طرح حکمرانی کرتے تھے وہ بعض منحرف مسلم حکمرانوں کے مقابلے کہیں زیادہ فاسد تھے۔

رومی بادشاہ ہرقل کو جب اسلام کی حقانیت معلوم ہوئی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا پتہ چلا تو اس نے اسلام لانے کا ارادہ ظاہر کیا تو اسکی قوم نے اسے خوفزدہ کر کے روک دیا چنانچہ وہ کفر ہی پر باقی رہا، یہ اکثریت اور جمہور عوام کی رائے قبول کرنے کی ایک مثال ہے۔

چنانچہ حقیقت میں جمہوریت ہی کسروی اور ہرقلی ہے؛ کیونکہ اس میں یہ گنجائش ہیکہ عورت بھی ملک کا سربراہ بن سکتی ہے، اس میں ملوک فارس کی مشابہت ہے، کیونکہ وہ لوگ عورتوں کو بھی ملک کا سربراہ بناتے تھے جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے:

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، قَالَ: لَقَدْ نَفَعَنِي اللَّهُ بِكَلِمَةٍ سَمِعْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّامَ الجَمَلِ بَعْدَ مَا كِدْتُ أَنْ أَلْحَقَ بِأَصْحَابِ الجَمَلِ فَأُقَاتِلَ مَعَهُمْ، قَالَ: لَمَّا بَلَغَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ أَهْلَ فَارِسَ قَدْ مَلَّكُوا عَلَيْهِمْ بِنْتَ كِسْرَى، قَالَ: "لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً".

ترجمہ: سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جنگ جمل کے موقع پر وہ جملہ میرے کام آ گیا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ میں ارادہ کر چکا تھا کہ اصحاب جمل، عائشہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے لشکر کے ساتھ شریک ہو کر (علی رضی اللہ عنہ کی) فوج سے لڑوں۔ انہوں نے بیان کیا کہ جب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ اہل فارس نے کسریٰ کی لڑکی کو وارث تخت وتاج بنایا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنا حکمران کسی عورت کو بنایا ہو۔ (صحیح بخاری: ۴۴۲۵)۔

مصنف نے کہا کہ: (پھر ایک ساتھ دو ولی عہد نامزد کرنا جسکی بدعت عبد الملک بن مروان نے ایجاد کی تھی، اور جس پر سعید بن مسیب جیسے ائمہ سلف نکیر کی تھی)۔

پہلی بات:

کیا مصنف بدعات کے خطرات کو کوئی اہمیت دیتا ہے جو اس طرح بدعت سے آگاہ کر رہا ہے؟!

دوسری بات:

کیا مصنف کے نزدیک ائمہ سلف کے اقوال کی کوئی اہمیت ہے یا یہ کہ انکے اقوال کو اپنی خواہش کے مطابق لیتا ہے اور جو خواہش کے مطابق نہ ہو اسے ترک کر دیتا ہے؟

تیسری بات:

مصنف نے دو ولی عہد نامزد کرنے پر نکیر کی ہے لیکن ایک پر نکیر نہیں کی ہے، شاید ان علمی ردود سے مصنف واقف ہے جن میں اہل سنت والجماعہ نے مصنف جیسوں کو جواب دیا ہے۔

اس پر قارئین کرام کو تعجب ہوگا، دراصل اسکی وجہ یہ ہیکہ ولی عہد نامزد کرنا ان خلفائے راشدین کی سنت ہے جن کی اتباع کرنے کا حکم ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے یہ کہہ کر: (فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ".) ترجمہ: تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس

سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے“۔(سنن ابی داود: ۴۶۰۷)۔

چنانچہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ بنے ولی عہدی کے ذریعے جنہیں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بنایا تھا، مصنف نے اسی لئے اس سے بچنے کی خاطر صرف دو ولی عہد نامزد کرنے کو اپنے تنقید کا نشانہ بنایا!! حالانکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد چھ لوگوں کو نامزد کیا تھا کہ انہیں میں سے کسی کو منتخب کر لیا جائے۔

مصنف سے یک سوال کر سکتے ہیں کہ کیا تم ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ولی عہدی پر نکیر کر سکتے ہو؟ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عمل کو کسروی موروثی عمل کیوں نہیں کہتے؟

جواب واضح ہے، اگر اسے کسروی کہے گا تو اسکی گمراہی واضح ہو جائے گی۔

البتہ ص ۶۰ پر یہ گمان کیا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وصیت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حق میں لوگوں سے مشورہ لینے کے بعد کی تھی؛ ایسا کہہ کر مصنف نے اعتراض سے بچنا چاہا ہے، حالانکہ یہ جھوٹ ہے، یہ کہیں ثابت نہیں ہیکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی اس وصیت میں کسی سے مشورہ کیا ہو۔

اور سعید بن مسیب کا عبد الملک بن مروان پر اعتراض کرنا بیعت کو ختم کر کے اس سے لڑائی کرنے کو جائز نہیں ٹھہرائے گا، اور نہ ہی اس سے مصنف کا نظریہ ثابت ہوتا ہے کہ انتخاب حاکم میں پوری امت کو حق ہے وہ جسے چاہے حاکم متعین کرے اور جسے چاہے معزول کرے۔



نظام حکمرانی کے بارے میں مصنف کا آپشن!

مصنف نے آگے ص ۱۳۸ / پر کہا:

(اگر ہمارے پاس کوئی آپشن نہ ہو تو ان کسروی موروثی نظام کو برداشت کرنا پڑے گا اور ساتھ ہی معاصر مغربی جمہوریت سے اگر کچھ ملتا ہے جیسے اظہار آزادی رائے اور مظاہرہ تو اسے بھی قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور انکے انکار کی صورت میں انکار بھی کر سکتے ہیں، اس شرط کے ساتھ کہ اس سے حقیقی مصالح پورے ہوتے ہوں، اور عدل و انصاف اور آزادی رائے کے اقدار کے موافق ہو، اور کسی نص قطعی کے مخالف نہ ہو اور ملکی دستور کے ضمن میں آتا ہو)۔

تبصرہ:

مصنف نے یہاں پر دو چیزوں کو ثابت کیا ہے:

پہلی چیز:

پہلی صدی ہجری سے لیکر آج تک کے تمام مسلمانوں کے حکام پر یہ الزام لگایا ہے کہ ان سب کی حکمرانی موروثی کسروی تھی، جب کہ یہ اہل اسلام پر صریح ظلم وزیادتی ہے، کیوں کہ مصنف نے مسلمانوں کے طرز حکمرانی یعنی ولی عہدی کو اور مغربی کفریہ جمہوریت کو برابر ٹھہرا دیا، تا کہ مغربی جمہوریت کا پرچار کر سکے، اور مسلمانوں کے طرز حکمرانی کو کسروی کہنے میں علمائے صحابہ اور تابعین کی مخالفت ہی ہے۔

پھر مصنف نے اسے ہرقلی کسروی کہہ کر اپنے قول کو توڑا ہے کیونکہ ایک جگہ صرف کسروی کہا

ہے، بلکہ اسی کتاب کے ص ٦٦ پر علمائے امت پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے احکام سلطانی کے باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ فارسی تہذیب کا اثر ہے، اس سے مصنف کے موقف کا کھل کر پتہ چلتا ہے کہ مصنف پہلی صدی ہجری سے لیکر آج تک کے مسلمانوں کے حکام کے بارے میں کیسی رائے رکھتا ہے، یعنی سب کو فارسی کسروی موروثی نظام سمجھتا ہے۔

یہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر فارس و روم کی طرف نسبت کرنا باعث مذمت ہے تو پھر یہ فرنگی جمہوریت جسے مصنف مسلمانوں کی نظر میں خوشنما بنا کر دکھایا ہے یہ بھی تو الحادی طریقہ ہے جسے کافر قوموں کی طرف سے امپورٹ کیا گیا ہے، پھر مصنف آخر کیسے ایک چیز کی مذمت کرتا ہے جس پر مسلمانوں زمانے سے قائم رہے ہیں جبکہ مغربی جمہوریت کے طرز کی مدح وستائش کرتا نظر آتا ہے اور اسکی مذمت نہیں کرتا؟!

دوسری چیز:

مصنف نے مظاہروں اور دیگر احتجاج کے وسائل کیلئے جو شروط رکھے ہیں کہ (اس شرط کے ساتھ کہ اس سے حقیقی مصالح پورے ہوتے ہوں، اور عدل وانصاف اور آزادی رائے کے اقدار کے موافق ہو، اور کسی نص قطعی کے مخالف نہ ہو اور ملکی دستور کے ضمن میں آتا ہو)۔

یہ سارے شرائط باطل اور شریعت مخالف ہیں، بطور خاص مصنف نے اسکے لئے قطعی نص کی عدم مخالفت کی شرط لگائی ہے، اور اس سے متواتر کو مراد لیا ہے جس سے خبر آحاد نکل جاتا ہے، اور مصنف کا یہ طریقہ خوارج اور معتزلہ نیز عقل پرستوں کا ہے اسلئے یہاں پر بھی مصنف سے آگاہ رہنے کی ضرورت ہے۔

اور جہاں تک مظاہروں کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ ہے تو اس پر میں کبار علماء کی کتابوں کا

حوالہ دوں گا، جیسے کہ شیخ ابن باز، ابن عثیمین، الفوزان، العباد اور البانی وغیرہ، بطور خاص دکتور عبد العزیز بن محمد السعید کی کتاب "النقض علی مجوزی المظاھرات"۔



آیت کریمہ کے مفہوم میں مصنف کی قبیح تحریف

مصنف نے آگے ص ۱۳۹ / پر کہا:

(چوتھا: حاکم اور محکوم کے درمیان کیا تعلق ہے؟ قرآن کریم پوری وضاحت کے ساتھ سمع وطاعت کے اصول کی طرف اشارہ کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔ (النساء:۵۹)۔

سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تنازعہ مخاطبین اور حکام کے مابین ہوں گے، اور ایسی صورت میں اللہ اور اسکے رسول کی طرف رجوع کرنے کو حل بتایا گیا ہے، یعنی کسی غیر جانبدار شرعی جہت سے فیصلہ کرانے کا حکم ہے یا پھر ایسی گفتگو کہ دعوت ہے جس سے آپسی اختلافات ختم ہو جائیں)۔

تبصرہ:

یہاں پر اللہ اور اسکے رسول کی طرف رجوع کرنے کے معنی میں مصنف نے صریح طور پر تحریف کی ہے یہ کہہ کر کہ (یعنی کسی غیر جانبدار قانونی جہت سے فیصلہ کرانے کا حکم ہے یا پھر ایسی گفتگو کہ دعوت ہے جس سے آپسی اختلافات ختم ہو جائیں)۔

جبکہ اہل علم کے نزدیک اسکا مفہوم درج ذیل ہے:

امام مجاہد نے اس آیت کے بارے میں کہا کہ اگر علماء کا آپس میں اختلاف ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف رجوع کریں، پھر اسکے بعد اس آیت کی تلاوت کی:(وَلَوۡ رَدُّوهُ إِلَى ٱلرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ ٱلَّذِينَ يَسۡتَنۢبِطُونَهُۥ مِنۡهُمۡ) ترجمہ: اور اگر وہ اسے رسول کی طرف اور اپنے حکم دینے والوں کی طرف لوٹاتے تو وہ لوگ اسے ضرور جان لیتے جو ان میں سے اس کا اصل مطلب نکالتے ہیں۔(النساء:۸۳)۔

میمون بن مہران نے کہا کہ اللہ کی طرف رجوع کرنے سے مراد اللہ کی کتاب کی طرف رجوع کرنا ہے اور رسول کی طرف رجوع کرنے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف رجوع کرنا ہے اور یہ جب تک آپ تا حیات تھے، لیکن وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف رجوع کرنا مراد ہے۔(الدر المنثور لسیوطی: ۴ / ۵۱۳)۔

اور ابن کثیر نے کہا کہ یہاں پر اللہ کی طرف سے حکم ہے کہ کسی بھی چیز میں اگر اختلاف ہو جائے خواہ اصول دین میں ہو یا فروع دین میں اسے کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف پھیر دو، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(وَمَا ٱخۡتَلَفۡتُمۡ فِيهِ مِن شَيۡءٖ فَحُكۡمُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِۚ) ترجمہ: اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہے۔(الشوری:۱۰)۔

پس کتاب وسنت جو حکم دے اور جس مسئلہ کی صحت کی شہادت دے وہی حق ہے باقی سب باطل ہے، قرآن فرماتا ہے کہ حق کے بعد جو ہے ضلالت وگمراہی ہے، اسی لیے یہاں بھی اس حکم کے ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو، یعنی اگر تم ایمان کے دعوے میں سچے ہو تو جس مسئلہ کا تمہیں علم نہ ہو یعنی جس مسئلہ میں اختلاف ہو، جس امر میں جدا جدا آراء ہوں ان سب کا فیصلہ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرو جو ان دونوں میں ہو مان لیا

کرو۔

پس ثابت ہوا کہ جو شخص اختلافی مسائل کا تصفیہ کتاب وسنت کی طرف سے نہ لے جائے وہ اللہ پر اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔(تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۴۶)۔

چنانچہ مصنف نے یہاں پر جو مراد بتایا ہے وہ بہت ہی قبیح تحریف ہے، اور لفظ کو فاسد معنی کی طرف پھیرنا ہے، کیونکہ یہ فیصلہ نہ تو کسی جہت کی طرف جائے گا اور نہ ہی گفتگو کی کسی میز پر جائے گا جیسا کہ مصنف کا گمان ہے، پھر مصنف نے اس جہت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے ایک شرعی جہت اور دوسرا غیر شرعی جہت یہ کہتے ہوئے کہ (کسی غیر جانبدار شرعی جہت سے فیصلہ کرانے کا حکم ہے یا پھر ایسی گفتگو کہ دعوت ہے جس سے آپسی اختلافات ختم ہو جائیں)۔

یہ اس بات پر وضاحت کے ساتھ دلالت کرتا ہے کہ مصنف بھی انہیں لوگوں کی صف میں ہے جو شریعت کے مطابق فیصلہ کرانے سے بھاگتے ہیں۔



مصنف نے آگے ص ۱۴۱/ پر کہا:

(نصوص سے اجمالی طور پر دو چیزوں کی تاکید ہوتی ہے: پہلی چیز بیعت، جو کہ طرفین کے درمیان ایک متفقہ عقد کا نام ہے، اور دوسرے تمام عقود کی طرح اس میں بھی رضامندی اور عدم جبر کی شرط ہوتی ہے، اور یہ بیع کے اس رضا کی شرط سے زیادہ اولی ہے جس میں املاک کی منتقلی ہوتی ہے، اور جس کے بارے میں قرآنی نص وارد ہے: (إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ) ترجمہ: مگر یہ کہ تمھاری آپس کی رضامندی سے تجارت کی کوئی صورت ہو۔ (النساء:۲۹)۔

اسی نص کی روشنی میں فقہاء نے اس باب میں بھی صحت عقد کیلئے تراضی کی شرط لگائی ہے، اور امام قرافی وغیرہ نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے، اور حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ، فَقَالَ: لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ) ترجمہ: بہتر حاکم تمہارے وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہیں وہ تمہارے لیے دعا کرتے ہیں اور تم ان کے لیے دعا کرتے ہو۔ اور برے حاکم تمہارے وہ ہیں جن کے تم دشمن ہو اور وہ تمہارے دشمن ہیں تم ان پر لعنت کرتے ہو وہ تم پر لعنت کرتے ہیں۔" لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسے برے حاکموں کو تلوار سے نہ دفع کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں جب تک وہ نماز کو تم میں قائم کرتے رہیں۔ (صحیح مسلم:۱۸۵۵)۔

تبصرہ:

مصنف نے بیعت سے متعلق احادیث کے مفہوم میں بھی تحریف کی ہے:

۱-مصنف نے کہا کہ نصوص کے اندر بیعت کی تاکید آئی ہے پھر اس بیعت کے مفہوم میں تحریف کی ہے چنانچہ کہا: (پہلی چیز بیعت، جو کہ طرفین کے درمیان ایک متفقہ عقد کا نام ہے، اور دوسرے تمام عقود کی طرح اس میں بھی رضامندی اور عدم جبر کی شرط ہوتی ہے)۔

۲-مصنف نے اس باب میں وارد دسیوں احادیث کو چھوڑ دیا ہے۔

۳-مصنف نے یہاں پر طرفین میں رضامندی سے مراد یہی لیا ہے کہ حاکم کی بیعت قابل فسخ ہے جیسا کہ مصنف نے ص ۸۴-۸۶ میں ثابت کیا ہے۔

مصنف نے اس تقیید پر کوئی دلیل نہیں پیش کی ہے، اور یہ کہ (ہر حال میں خوشی اور تکلیف میں بیعت پر باقی رہوں گا) اس کا کیا مفہوم ہے؟ کیونکہ جو مجبور ہو وہ راضی نہیں ہوتا! اسی طرح حق تلفی کے الفاظ بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حاکم سے ناراضگی فسخ عقد کو جائز نہیں کر سکتا!

۴-مصنف نے حاشیہ میں امام ماوردی کی کتاب الاحکام السلطانیہ، ص ۲۴ اور مقدمہ ابن خلدون، ص ۲۶۱ کا حوالہ دیا ہے، لیکن مراجعہ کے بعد دونوں کتابوں کے اندر وہ نصوص اور صراحت نہیں مل سکی ہے، بلکہ امام ماوردی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہیکہ بیعت منعقد ہو جائے گی، اور رضامندی کی شرط غیر معتبر ہے؛ اسلئے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیعت صحابہ کی رضامندی پر موقوف نہیں تھی۔ اور یہ وضاحت مصنف کے دعوی کے بالکل خلاف ہے۔

مصنف نے کہا کہ: (اسی نص کی روشنی میں فقہاء نے اس باب میں بھی صحت عقد کیلئے تراضی کی شرط لگائی ہے)۔

آیت یہاں مصنف نے کون سا باب مراد لیا ہے؟ اور کس اجماع کا دعوی کیا ہے؟ اور کس چیز پر

اجماع ہوا ہے؟ باب البیوع اور باب الامارہ الگ الگ باب ہیں۔

شرعی اعتبار سے اگر کسی حاکم سے بیعت کرلی جائے، تو شریعت کے اندر اس کی پابندی کرنے اور حکام کے ظلم پر صبر کرنے کا حکم آیا ہے جیسے کہ یہ حدیث:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَرْوِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ فَمِيتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ".

ترجمہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص اپنے حاکم سے بری بات دیکھے وہ صبر کرے اس لیے کہ جو جماعت سے بالشت بھر جدا ہو جائے اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔“ (صحیح مسلم: ۱۸۴۹)۔

اسی طرح آپ یہ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ تمام علاقوں کے تمام افراد آپ سے راضی ہو جائیں۔

پھر بھی مصنف کے اس فاسد استدلال پر یہ سوال کر سکتے ہیں کہ اگر ایک یا دو یا دس لوگ راضی نہ ہوں تو کیا بیعت کی عقد منعقد ہو جائے گی؟!

اور جہاں تک مصنف کا حدیث سے استدلال کرنے کا تعلق ہے تو یہ حدیث خود مصنف کے خلاف حجت ہے، کیونکہ مبغوض ہونے کے بعد بھی انہیں مسلمانوں کا حکام ہی کہا گیا ہے، اور انکی مخالفت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

لیکن مصنف نے پوری حدیث نقل نہیں کی ہے، جس میں یہ ساری وضاحت موجود ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "خِيَارُ

أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ، فَقَالَ: لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ وَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وُلَاتِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُونَهُ، فَاكْرَهُوا عَمَلَهُ وَلَا تَنْزِعُوا يَدًا مِنْ طَاعَةٍ".

ترجمہ: سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بہتر حاکم تمہارے وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہیں وہ تمہارے لیے دعا کرتے ہیں اور تم ان کے لیے دعا کرتے ہو۔ اور برے حاکم تمہارے وہ ہیں جن کے تم دشمن ہو اور وہ تمہارے دشمن ہیں تم ان پر لعنت کرتے ہو وہ تم پر لعنت کرتے ہیں۔" لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایسے برے حاکموں کو تلوار سے نہ دفع کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں جب تک وہ نماز کو تم میں قائم کرتے رہیں اور جب تم کوئی بات اپنے حاکموں سے دیکھو تو دل سے اس کو برا جانو لیکن ان کی اطاعت سے باہر نہ ہو۔" (یعنی بغاوت نہ کرو)۔ (صحیح مسلم: ۱۸۵۵)۔

ایک طرف یہ نبوی ہداہت اور مشفقانہ رہنمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ہر خیر کی رہنمائی کر دی اور ہر شر سے آگاہ کر دیا، اور دوسری طرف دیکھیں مصنف کو کہ جس طرح حدیث کے خلاف خروج و بغاوت اور فتنہ وفساد کی طرف دعوت دے رہا ہے۔



مصنف نے آگے ص ۱۴۱/ پر کہا:

(اس سے اشارہ اس باہمی تعلقات کی طرف ہے جس میں حقوق اور واجبات کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے، بایں طور کہ لوگ اپنے واجبات کی ادائیگی کا تصور نہیں کر سکتے اگر انہیں انکے حقوق سے محروم کر دیا جائے، اور اسی معنی کی تائید صحیحین کی وہ حدیث بھی کرتی ہے جس میں وارد ہوا ہے (يُهْلِكُ النَّاسَ هَذَا الْحَيُّ مِنْ قُرَيْشٍ، قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا، قَالَ: لَوْ أَنَّ النَّاسَ اعْتَزَلُوهُمْ) ترجمہ: اس قبیلہ قریش کے بعض آدمی لوگوں کو ہلاک و برباد کر دیں گے۔" صحابہ نے عرض کیا: ایسے وقت کے لیے آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کاش لوگ ان سے بس الگ ہی رہتے۔"

دوسرا: سمع وطاعت، اور یہ بیعت کے تابع ہے بشرطیکہ حاکم منتخب اور سب کی رضامندی سے بنا ہو، اور بیعت نہ ہونے کی صورت میں مفقود ہوگی جیسا کہ مسلط حاکم کے ساتھ ہوتا ہے۔

اسی لئے طاعت کے ذریعے ہی ایک دوسرے مسلط حاکم کی طرف منتقل ہو سکتے ہیں جیسا کہ فقہاء کا اصول ہے، برخلاف بیعت کے، کیونکہ بیعت کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "وَمَنْ بَايَعَ إِمَامًا فَأَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهِ وَثَمَرَةَ قَلْبِهِ، فَلْيُطِعْهُ إِنِ اسْتَطَاعَ ترجمہ: اور جس نے امام کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر دل کے اخلاص سے بیعت کی تو چاہیئے کہ اپنی طاقت کے مطابق اس کی اطاعت کرے۔ الحدیث۔

معتدل اور راجح صورت یہی ہیکہ متعارض احادیث کے درمیان جمع وتطبیق کی صورت پیدا کی جائے اور متقدمین اور متاخرین ائمہ دین کے اقوال کی بھی رعایت کی جائے، ساتھ ہی انجام اور نتائج کا بھی خیال کیا جائے، اور اس طرح کا حکم نصوص کے ظاہر سے نہیں لگایا جاسکتا کہ ان کے کچھ حصوں کو

کاٹ کران کے مقاصد اور قواعد وضوابط سے دور کر دیا جائے، اسی لئے ظالم اور فاسق حکام کے خلاف خروج و بغاوت کو لیکر علماء کے درمیان اختلاف ہے، کچھ اس سے منع کرتے ہیں اور کچھ جائز کہتے ہیں جبکہ کچھ تو اسے واجب کہتے ہیں، اور یہ سب حالات وظروف، طاقت وقدرت اور انجام ومقاصد پر منحصر ہے۔

اسلامی تاریخ میں بہت سارے مقامات اور تحریریں ہیں جنہوں نے حاکم اور محکوم کے درمیان تعلقات کو لیکر یکطرفہ فہم کو جنم دیا ہے، اور اسی بنیاد پر حکومتی محفلوں اور شاہی رسومات میں اسے پیش کیا جاتا ہے)۔

تبصرہ:

مصنف نے کہا: (بایں طور کہ لوگ اپنے واجبات کی ادائیگی کا تصور نہیں کر سکتے اگر انہیں انکے حقوق سے محروم کر دیا جائے)۔

یہ یقینا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے معارض ہے جو اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّهَا سَتَكُونُ بَعْدِي أَثَرَةٌ وَأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَا، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ تَأْمُرُ مَنْ أَدْرَكَ مِنَّا ذَلِكَ؟، قَالَ: تُؤَدُّونَ الْحَقَّ الَّذِي عَلَيْكُمْ وَتَسْأَلُونَ اللَّهَ الَّذِي لَكُمْ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میرے بعد حق تلفی ہو گی اور ایسی باتیں ہوں گی جن کو تم برا جانو گے۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول

اللہ! پھر ایسے وقت میں جو رہے اس کو آپ کیا حکم کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ادا کرو اس حق کو جو تم پر ہے (یعنی اطاعت اور فرمانبرداری) اور جو تمہارا حق ہے اس پروردگار سے مانگو (کہ اللہ اس کو ہدایت کرے یا اس کو بدل کر عادل حاکم تم کو دے دے)۔(صحیح مسلم: ۱۸۴۳)۔

مصنف نے یہاں بھی تحریف سے کام لیا ہے بایں طور کہ حدیث میں وارد طاعت کو صرف ایسے حاکم کے ساتھ خاص کر دیا ہے جسے لوگوں کی رضامندی کے ساتھ منتخب کیا گیا ہو۔اس سے اس حاکم کو نکال دیا ہے جو ولی عہدی کے ذریعے حاکم بنتا ہے یا جو غلبے کے ذریعے حاکم بنتا ہے۔

اور یہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" يُهْلِكُ النَّاسَ هَذَا الْحَيُّ مِنْ قُرَيْشٍ، قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا، قَالَ: لَوْ أَنَّ النَّاسَ اعْتَزَلُوهُمْ "۔

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس قبیلہ قریش کے بعض آدمی لوگوں کو ہلاک و برباد کر دیں گے۔" صحابہ نے عرض کیا: ایسے وقت کے لیے آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کاش لوگ ان سے بس الگ ہی رہتے۔"(صحیح بخاری: ۳۶۰۴)۔

تو اس استدلال پر تردید پہلے گزر چکی ہے۔

اسی طرح مصنف کے کلام میں باطل امر یہ بھی ہیکہ مصنف نے مسلط حاکم سے شرعی بیعت کو خارج کر دیا ہے، جیسا کہ مصنف نے کہا: (سمع وطاعت، اور یہ بیعت کے تابع ہے بشرطیکہ حاکم منتخب اور سب کی رضامندی سے بنا ہو، اور بیعت نہ ہونے کی صورت میں مفقود ہو گی جیسا کہ مسلط حاکم کے ساتھ

ہوتا ہے)۔

اس سے واضح ہوا کہ مسلط حاکم کی بیعت نہیں ہے، یہ عقیدہ بعض گمراہ فرقوں کا ہے، یہ اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ نہیں ہے۔

آگے مصنف نے کہا کہ: (اسی لئے طاعت کے ذریعے ہی ایک دوسرے مسلط حاکم کی طرف منتقل ہو سکتے ہیں جیسا کہ فقہاء کا اصول ہے، برخلاف بیعت کے کہ جب سارے لوگوں کی رضامندی سے واقع نہ ہو)۔

پھر اسکے بعد مصنف نے لمبا چوڑا دعوی کیا ہے کہ اس طرح کا حکم نصوص کے ظاہر سے نہیں لگایا جا سکتا کہ ان کے کچھ حصوں کو کاٹ کر ان کے مقاصد اور قواعد وضوابط سے دور کر دیا جائے)۔

مصنف سے کہا جائے گا کہ نصوص شرعیہ بذات خود قواعد وضوابط اور اصول و مقاصد کی حیثیت رکھتے ہیں، شرعی نصوص کو مصنف جیسے لوگوں کے مقاصد اور قواعد کی ضرورت نہیں ہے، کیا اگر ہم ایسے اہم معاملات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے استدلال نہیں کریں گے تو پھر مارکس، لینن جیسے کمنسٹوں اور ملحدوں کے اقوال سے کریں گے؟!

مصنف نے کہا کہ: (اسی لئے ظالم اور فاسق حکام کے خلاف خروج و بغاوت کو لیکر علماء کے درمیان اختلاف ہے، کچھ اس سے منع کرتے ہیں اور کچھ جائز کہتے ہیں جبکہ کچھ تو اسے واجب کہتے ہیں)۔

اس مسئلے پر گفتگو گزر چکی ہے اور اس میں سلف کا مذہب بھی واضح کیا گیا ہے، اور اس مسئلے میں اختلاف صرف اہل سنت والجماعہ اور معتزلہ وخوارج کے درمیان ہے، اور یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ مصنف کے نزدیک خروج و بغاوت کرنا جائز ہے، جیسا کہ مصنف نے ص ۱۶ پر واضح طور پر کہا کہ (یہ

معلوم رہے کہ متقدمین سلف اور ائمہ اور شارحین حدیث کی ایک جماعت کی رائے مختلف ہے، یہ لوگ فاسق اور ظالم حکام کے خلاف خروج و بغاوت کو جائز کہتے ہیں)۔

پھر مصنف نے ایک دوسرا الزام لگایا اپنے اس قول کے ذریعے کہ (اسلامی تاریخ میں بہت سارے مقامات اور تحریریں ہیں جنہوں نے حاکم اور محکوم کے درمیان تعلقات کو لیکر یکطرفہ فہم کو جنم دیا ہے، اور اسی بنیاد پر حکومتی محفلوں اور شاہی رسومات میں اسے پیش کیا جاتا ہے)۔

مصنف نے اس سے اشارہ دراصل اہل سنت والجماعہ کے اجماع کی طرف کیا ہے جو سلفی عقائد کی کتابوں میں موجود ہیں۔

اور مصنف نے مزید کہا: (اور اسی نے حاکم کو معبود تک بنانے میں مدد کیا ہے!) اور پھر اسکے لئے عبیدی حکومت سے ایک مثال بھی پیش کر دی ہے۔

یقیناً یہ سلف صالحین پر بہت بڑا الزام ہے۔ بروز قیامت ضرور اس پر سوال ہوگا۔



مصنف نے آگے ص ۱۴۳ / پر کہا:

(اورانہیں اقوال اورتحریروں نے حاکم کو بسا اوقات معبود تک بنانے میں مدد کی ہے، یہاں تک کہ ابن ہانی اندلسی نے معز فاطمی کے بارے میں کہا:

ما شئتَ لا ما شاءتِ الأقدارُ

فاحكُمْ فأنتَ الواحدُ القهّارُ

وكأنّما أنتَ النبيُّ محمّدٌ

وكأنّما أنصارُكَ الانصارُ

ترجمہ: جو آپ چاہیں نہ کہ وتقدیر چاہے۔آپ جو چاہیں فیصلہ کریں آپ ہی تنہا سب پر غالب ہیں۔گویا آپ نبی محمد ہیں،اورگویا آپ کے ساتھی انصار ہیں۔

تبصرہ:

اس کے جواب میں کہیں گے:

مصنف نے جس طرح مغربی جمہوریت کی طرف دعوت دی ہے اس سے یقیناانسانوں کو معبود بنانے میں مدد ملی ہے؛ کیونکہ مصنف نے انہیں اللہ اور اسکے رسول کے کلام سے بالکل الگ کردیا ہے،اور مصنف نے انہیں کی قانون ساز ادارہ کی روشنی میں عمل کرنے کو جائز قرار دیا ہے،اس طرح مصنف نے انسانی کلام کو کلام اللہ پر مقدم کر دیا ہے اور انسانوں کو مکمل قانون سازی کا اختیار دے دیا ہے!

بلکہ مصنف نے ص ۱۳۷ پر جمہوری دستور کی تصحیح کرتے ہوئے خود کہا کہ اگر جمہور عوام شریعت

کے علاوہ کوئی دستور اختیار کرلیں تو یہ نظام کے اندر کسی عیب کی وجہ سے نہیں ہے،،، آگے کہا کہ کیا لوگوں کو مجبور کر کے مومن بنایا جاسکتا ہے؟)۔

اور ساتھ میں مصنف سے بھی یہ سوال ہیکہ مصنف نے اپنی تائید میں جن باطنی ملحدین کے کفریہ اقوال کو نقل کیا ہے کیا اسے اہل سنت والجماعہ کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے؟!

کیونکہ علماء وفقہاء کا عبیدی باطنی حکومت کے کفر پر اجماع ہے، جیسا کہ ابن کثیر اور ذہبی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

محمد جابری کے باطنی اور الحادی افکار کو خیر خواہی کے لباس میں نقل کرتے ہوئے مصنف کو آخر شرم کیوں نہیں آتی کہ اس فریبی اسلوب اور مکارانہ اتہامات سے اہل سنت والجماعہ کے طریقے اور منہج کو بدنام ہوتا ہے؟! حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔



مصنف نے آگے ص ۱۴۳ / پر کہا:

(جولوگ اسلامی سیاسی جماعتوں پر حملہ کرتے ہیں حکام کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر اور پھر اسکے لئے سمع وطاعت اور خروج کی دلیلوں سے استدلال کرتے ہیں انہیں سن کر میں کبھی کبھی سوال کرتا ہوں کہ آخر اس وقت انکا موقف کیا ہوگا جب یہی جماعتیں انکا حاکم بن جائیں گی؟)

تبصرہ:

مصنف کے اس سوال کا جواب بہت پہلے ائمہ توحید اور اہل سنت والجماعہ نے دے دیا ہے، چنانچہ اہل علم نے کہا کہ اس طرح کی بدعتی اور گمراہ جماعتیں اگر حاکم بن جائیں اور لوگ جمع ہو جائیں تو ایسی صورت میں معروف کاموں میں سمع وطاعت واجب ہے، ساتھ ہی دین حق اور سنت کی وضاحت نیز لوگوں کو بدعت سے آگاہ کرنا بھی ضروری ہے، جیسا کہ امام احمد نے معتزلہ کے ساتھ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اشاعرہ اور صوفیاء کے ساتھ کیا۔

اور اہل سنت والجماعہ پر تمہارا یہ الزام لگانا کہ یہ جب اسلامی سیاسی جماعتوں پر حملہ کرتے ہیں حکام کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر، تو یہ نیتوں پر تمہاری طرف سے حملہ ہے، گویا مصنف نے لوگوں کے دلوں کو چیر کر دیکھا ہے، یہ یقینا جھوٹ، بہتان اور بدگمانی ہے، بلکہ مصنف خود اس کا مستحق ہے جو ملحدین، منافقین اور مجوسی روافض کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر یہ کارنامہ انجام دے رہا ہے، انکا دفاع کرتا ہے اور تکثیریت کے نام پر متعدد جماعتوں اور سیاسی پارٹیوں کے وجود کا حامی ہے۔

اسی طرح ان جماعتوں کے اندر جو فکری اور عقدی انحراف اور غلطیاں پائی جاتی ہیں انہیں ایکسپوز کرنا مسلمانوں کے ساتھ سب سے بڑی خیر خواہی ہے، جب کہ مصنف ایسے لوگوں پر طعن و تشنیع

کرتا ہے جو ان منحرف جماعتوں کو ایکسپوز کرتا ہے، مگر یہ بندہ اپنے عیوب پر نظر نہیں رکھتا، یہ کبھی اہل سنت والجماعہ پر نقد کرتا ہے تو کبھی سلف صالح کی عیب جوئی کرتا نظر آتا ہے اور کبھی مسلمانوں کی اس جماعت پر نقد کرتا ہے جو شریعت کا نفاذ کرتی ہے اور اپنے دین کو قائم کرتی ہے، میری مراد مملکت سعودی عرب ہے، چنانچہ مصنف اشارے کنائے میں اور کبھی صراحت کے ساتھ مملکہ کی عیب جوئی کرتا ہے اور بہت سارے بھولے نوجوانوں اور دھوکہ میں پڑے ہوئے لوگوں کو مملکہ کے خلاف ابھارتا ہے اور مملکہ میں فتنہ وفساد اور خروج و بغاوت بھڑکانے کا خواب دیکھتا ہے، پھر آخر یہ بندہ جو کام خود کرتا ہے اس پر نکیر کیوں کر کرسکتا ہے، ساتھ ہی یہ بھی معلوم رہے کہ جو لوگ ان منحرف جماعتوں پر نکیر کرتے ہیں وہ دلیل و برہان کے ساتھ نکیر کرتے ہیں جبکہ مصنف مملکہ پر طعن و تشنیع اپنی خواہشات نفس اور بہتان تراشی کی بنیاد پر کرتا ہے!



مصنف نے آگے ص ۱۴۳ / پر کہا:

(بعض لوگ حدیث رسول: "گرچہ وہ تمہاری پشت پر کوڑا برسائے اور تمہارا مال ضبط کرلے تو بھی سمع کرو"، اصل حدیث شیخین نے روایت کی ہے لیکن اس میں یہ زیادتی موجود نہیں ہے، اس زیادتی کو امام مسلم روایت کرنے میں منفرد ہیں، اسے ممطور ابو سلام حبشی قال قال حذیفہ کے طریق سے نقل کیا ہے، اور یہ سند ابو سلام اور حذیفہ کے درمیان منقطع ہے، اسی لئے دارقطنی نے کتاب التتبع میں کہا کہ یہ میرے نزدیک مرسل ہے، ابو سلام کا سماع حذیفہ سے ثابت نہیں ہے، اور نہ ہی انکے ساتھیوں سے جو عراق میں وارد ہوئے؛ کیونکہ حذیفہ رضی اللہ عنہ شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے چند رات قبل ہی وفات ہو چکے تھے، اور اس حدیث کی سند میں کہا کہ" حذیفہ نے کہا"، یہ حدیث کے مرسل ہونے پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح نووی اور دارقطنی نے اس روایت کے مرسل ہونے میں موافقت کی ہے، لیکن پہلی سند سے یہ متن صحیح ہے، لیکن پہلی سند کے اندر یہ متنازعہ فیہ زیادتی نہیں ہے)۔

تبصرہ:

اس روایت کی تضعیف کی کوشش کا درج ذیل جواب دیا گیا ہے:

پہلا:

بہت ساری حدیثیں اس حدیث کے معنی کی صحت پر دلالت کرتی ہیں، اس مسئلے میں یہ کوئی واحد دلیل نہیں ہے، اور مصنف اس حدیث کی تضعیف کی کوشش بیکار ہے، کیونکہ حدیث کی تضعیف معنوی اعتبار سے کسی نے نہیں کی ہے۔

دوسرا:

امام مسلم کا صحیح کے اندر لانا خود اس حدیث کی صحت پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ اس حدیث کے کئی شواہد ہیں، انہیں میں سے مسند احمد اور سنن ابی داود کی یہ روایت بھی ہے: (إِنْ كَانَ لِلَّهِ خَلِيفَةٌ فِي الْأَرْضِ، فَضَرَبَ ظَهْرَكَ وَأَخَذَ مَالَكَ فَأَطِعْهُ) ترجمہ: اگر اللہ کی طرف سے کوئی خلیفہ (حاکم) زمین پر ہو پھر وہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے لگائے، اور تمہارا مال لوٹ لے جب بھی تم اس کی اطاعت کرو۔ (سنن ابی داود: ۴۲۴۴)۔

تیسرا:

اس حدیث کی ایک شاہد صحیح ابن حبان کے اندر ہے:

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اسْمَعْ وأَطِعْ في عُسرِك ويُسرِك ومَنشَطِك ومَكرَهِك وأثَرةٍ عليك، وإنْ أكَلوا مالَك وضرَبوا ظهرَك إلّا أنْ يكونَ معصيةً.

ترجمہ: سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تنگی، آسانی، خوشحالی اور پریشانی ہر حال میں حاکم کی سمع وطاعت کرو، اور حق تلفی کے وقت بھی، گرچہ وہ تمہارا مال کھالیں، اور تمہاری پشت پر کوڑے برسائیں، الا یہ کہ معصیت ہو۔ (صحیح ابن حبان: ۴۵۶۲، اسکی سند حسن ہے)۔

چوتھا:

دارقطنی انقطاع کہہ کر سند کو ضعیف کہا ہے یہ امام مسلم کی تصحیح کے خلاف ہے، کیونکہ امام مسلم نے اس کتاب کے اندر صحیح روایتوں کو ہی نقل کیا ہے، بطور خاص ممطور کو مدلس نہیں کہا گیا ہے، اسی لئے امام مزی نے تہذیب الکمال کے اندر صیغہ تمریض کے ساتھ کہا ہیکہ اس سند کو مرسل کہا جاتا ہے۔

سماع کی تقویت پر بعض ائمہ حدیث کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے یہ صراحت کی ہے کہ بعض صحابہ سے ممطور کا سماع ثابت نہیں ہے، اور اس میں حذیفہ رضی اللہ عنہ کا نام نہیں ہے۔

پانچواں:

ممطور کی یہ روایت ابو ادریس خولانی کی روایت کے مخالف نہیں ہے جس کے اندر مسلمانوں کی جماعت اور انکے حاکم کو لازم پکڑنے کا حکم ہے اور ممطور کی روایت میں حاکم کی سمع وطاعت کرنے کا حکم ہے۔

اس طرح دوسری روایت پہلی میں داخل ہے؛ کیونکہ یہ جماعت اور حاکم کو لازم پکڑنے میں شامل ہے خواہ حاکم ظالم حق تلفی کرنے والا ہو یا ایسا نہ ہو، اس طرح مفصل روایت دوسری روایت کے مخالف نہیں ہوگی، اس کے اندر مزید تفصیل ہے جو اصل روایت کے خلاف نہیں ہے۔

چھٹا:

یہ مفہوم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی ثابت ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عن سويد بن غفلة قال قال لي عمر: يا أبا أمية، إني لا أدري لعلي أن لا ألقاك بعد عامي هذا، فاسمع وأطع وإن أمر عليك عبد حبشي مجدع، إن ضربك فاصبر، وإن حرمك فاصبر، وإن أراد أمراً ينتقص دينك فقل: سمع وطاعة، ودمي دون ديني، فلا تفارق الجماعة.

ترجمہ: سوید بن غفلہ سے روایت ہیکہ مجھ سے امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے ابو امیہ! مجھے نہیں معلوم، ہوسکتا ہے آئندہ سال ملاقات نہ پائے، تم حاکم کی سمع وطاعت کرنا

خواہ وہ کن کٹا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اگر تمہیں مارے تو صبر کرنا اور اگر محروم رکھے تو بھی صبر کرنا، اور اگر کوئی ایسا کام کرے جس سے تمہارے دین میں کمی ہو تو بھی اس وقت سمع وطاعت کرنا، اور کہنا کہ میرے دین کی خاطر میری جان حاضر ہے، اور جماعت کسی صورت میں ترک نہ کرنا۔(ابن ابی شیبہ: ۳۴۴۰۰)۔

ساتواں:

علمائے اہل سنت نے اس حدیث کو ثابت مانا ہے، اس کی تشریح کی ہے اور اسکا مفہوم واضح کیا ہے، مصنف کی طرح اسے رد نہیں کیا ہے:

* چنانچہ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے امام آجری کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قول سے کیا مراد ہے؟ تو کہا جائے گا کہ اسکا مفہوم یہی ہیکہ اگر تم پر کوئی حاکم ہو خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، گورا ہو یا کالا، اس کی سمع وطاعت کرنا سوائے معصیت کے، گرچہ وہ تمہیں تمہارے حق سے محروم رکھے، تم پر ظالمانہ طور پر کوڑے برسائے، تمہیں ذلیل کرے یا تمہارا مال چھین لے، یہ ساری چیزیں تمہیں خروج پر نہ ابھارے کہ اسکے خلاف کھڑے ہو کر تلوار سے لڑائی کیلئے نکل جاؤ، اور نہ ہی کسی خارجی کے ساتھ خروج کرنا، اور نہ ہی دوسرے کو خروج پر ابھارنا، بلکہ صبر کرنا، یہ بھی احتمال ہیکہ وہ تمہیں ایسی چیز کی طرف بلائے جس میں تمہارے دین میں کمی کا سبب ہو، یا تمہیں کسی ایسے شخص کو مار قتل کرنے کا حکم دے جو اس کا مستحق نہ ہو، یا کوئی عضو کاٹنے کا حکم دے جس کا وہ مستحق نہ ہو، یا مارنے کا حکم دے جس کا وہ مستحق نہ ہو، یا کسی کا مال چھیننے کا حکم دے جس کا وہ مستحق نہ ہو، یا کسی پر ظلم کرنے کا حکم دے جس کا وہ مستحق نہ ہو، تو ایسی صورت میں اسکی اطاعت نہ کرنا، اگر تم سے کہے کہ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو میں تمہیں ماروں گا یا یہ کہے کہ میں تم کو قتل کردوں گا، تو تم کہنا کہ میرے دین کی خاطر میری جان

حاضر ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ (مسند احمد: ۱۰۹۵)۔ اور دوسری جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اطاعت صرف معروف کاموں میں ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری: ۷۱۴۵)۔ (کتاب الشریعہ للآجری ص ۴۰)۔

* امام قرطبی نے کہا کہ حذیفہ کی حدیث میں حکم ہے، جس سے مراد اطاعت اور تسلیم ہے، اور خروج و بغاوت سے دور رہنا ہے کہ کہیں معاملہ اس سے بھی زیادہ نہ بڑھ جائے۔ (المفھم: ۵/ ۴۱۵)۔

* امام خلال نے کتاب السنہ کے اندر کہا حنبل نے واثق کی خلافت میں کہا کہ بغداد کے فقہاء ابو عبداللہ ابو بکر بن عبید، ابراہیم بن علی مطبخی اور فضل بن عاصم کے پاس اکٹھا ہوئے اور وہ سب ابوعبداللہ کے پاس آئے اور کہا: اے ابوعبداللہ! خلق قرآن کا معاملہ بہت طرح چکا ہے، تو آپ نے کہا کہ تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ کہا کہ ہم آپ سے مشورہ لینے آئے ہیں کہ اسکی حکومت اور سلطنت سے ہم راضی نہیں ہیں، تو ابوعبداللہ نے ان سے ایک گھنٹے تک مناظرہ کیا اور کہا کہ تم لوگ اسے دل میں برا جانو، اور سمع وطاعت کرو، اور مسلمانوں میں اختلاف برپا نہ کرو، اور نہ ہی اپنا اور مسلمانوں کا خون بہاؤ، اپنے انجام کو دیکھ کر صبر کرو یہاں تک کہ تمہیں راحت مل جائے۔ کہتے ہیں کہ بعد میں گفتگو کے دوران مجھ سے کہا کہ ہمیں صبر کا حکم دیا گیا ہے، پھر آپ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث پڑھی۔ (کتاب السنہ للامام خلال: ۱/ ۱۳۳)۔

* شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ حدیث کے اندر وارد حق تلفی سے مراد یہ ہیکہ وہ تمہارے اوپر ظلم کریں گے اور تمہیں تمہارا حق نہیں دیں گے۔ (قاعدہ مختصرہ، ص ۳۵)۔

* حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ میرے بعد تم حق تلفی دیکھو گے، ایسی صورت میں صبر کرنا

یہاں تک کہ حوض پر مجھ سے ملاقات کرنا۔ امام نووی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہا کہ اس حدیث کے اندر سمع وطاعت پر ابھارا گیا ہے، گرچہ حاکم ظالم ہو، پھر بھی اسکی اطاعت کا جو حق ہے اسے ادا کرنا، اور اس کے خلاف نہ خروج کرنا اور نہ ہی بیعت توڑنا، بلکہ دعا کرنا یہ اللہ اس پریشانی سے بچائے اور اسکی اصلاح کرے۔ (شرح صحیح مسلم: ۱۲/ ۲۳۲)۔

* ابن عثیمین رحمہ اللہ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات انصار صحابہ سے چودہ سو سال قبل کہی تھی کہ میرے بعد تم حق تلفی دیکھو گے، اسی وقت سے حکام رعایا پر ظلم کر رہے ہیں، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ صبر کرو یہاں تک کہ تم مجھ سے حوض پر ملاقات کرنا۔ اسلئے حکام کی حق تلفی سمع وطاعت سے مانع نہیں ہے، لہذا معروف کاموں میں سمع وطاعت واجب ہے۔ (شرح ریاض الصالحین: ۳/ ۶۵۹)۔

* حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّهَا سَتَكُونُ بَعْدِي أَثَرَةٌ وَأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَا، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ تَأْمُرُ مَنْ أَدْرَكَ مِنَّا ذَلِكَ؟، قَالَ: تُؤَدُّونَ الْحَقَّ الَّذِي عَلَيْكُمْ وَتَسْأَلُونَ اللَّهَ الَّذِي لَكُمْ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے بعد حق تلفی ہوگی اور ایسی باتیں ہوں گی جن کو تم برا جانو گے۔" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر ایسے وقت میں جو رہے اس کو آپ کیا حکم کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ادا کرو اس حق کو جو تم پر ہے (یعنی اطاعت اور فرمانبرداری) اور جو تمہارا حق ہے اس پروردگار سے مانگو (کہ اللہ اس کو ہدایت کرے یا اس کو بدل کر عادل حاکم تم کو دے دے)۔ (صحیح مسلم: ۱۸۴۳)۔

اس حدیث کی شرح میں ابن بطال نے کہا کہ یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کچھ ایسے امراء بھی ہوں گے جو حق تلفی کریں گے اور انصاف سے کام نہیں لیں گے، پھر بھی صبر کا حکم دیا ہے اور ان کے ظلم و جور کے باوجود انکی سمع وطاعت کا حکم دیا ہے۔(شرح صحیح بخاری لابن بطال: ۱/ ۸۰)۔

* اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ الْحَضْرَمِيِّ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ: " سَأَلَ سَلَمَةُ بْنُ يَزِيدَ الْجُعْفِيُّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ إِنْ قَامَتْ عَلَيْنَا أُمَرَاءُ يَسْأَلُونَا حَقَّهُمْ وَيَمْنَعُونَا حَقَّنَا فَمَا تَأْمُرُنَا، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الثَّالِثَةِ، فَجَذَبَهُ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ، وَقَالَ: اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ".

ترجمہ: علقمہ بن وائل حضرمی سے روایت ہے، انہوں نے سنا اپنے باپ سے کہا کہ سلمیٰ بن یزید جعفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا نبی اللہ! اگر ہمارے امیر ایسے مقرر ہوں جو اپنا حق ہم سے طلب کریں اور ہمارا حق نہ دیں تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا پھر پوچھا: جواب نہ دیا۔ پھر پوچھا تو اشعث بن قیس نے سلمہ رضی اللہ عنہ کو گھسیٹا اور کہا: ”سنو اور اطاعت کرو ان پر ان کے عملوں کا بوجھ ہے اور تم پر تمہارے اعمال کا۔“ (صحیح مسلم: ۱۸۴۶)۔

اس قدر احادیث اس پر شاہد ہیں اور اہل علم کے اقوال اسے ثابت کرتے ہیں، پھر آخر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا رہ جاتا ہے؟



مصنف نے آگے ص ۱۴۵ / پر کہا:

(اور اس حدیث کو ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے، اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ" گرچہ وہ تمہارا مال کھالیں اور تمہاری پشت پر کوڑے برسائیں"، بظاہر یہی لگتا ہے کہ یہ زیادتی ثابت نہیں ہے)۔

تبصرہ:

مصنف کا یہ کلام مردود ہے کیونکہ ابن حبان نے اس زیادتی کی تصحیح کی ہے، اور غیر معصیت میں حکام کی اطاعت کی عمومیت پر اس سے استدلال کیا ہے۔

مزید اسکی صحت پر دیگر نصوص بھی دلالت کرتے ہیں اور اسکے معنی کی تاکید کرتے ہیں۔

اور جہاں تک د/ مسفر دمینی اور د/ سعود الفنیسان کا اس زیادتی کی تضعیف کرنے اور اسے شاذ ماننے کا تعلق ہے تو یہ بالکل واضح غلطی ہے، آخر ان دونوں کی کیا حیثیت ہے امام مسلم اور دیگر ائمہ حدیث کے مقابلے جنہوں نے اس زیادتی کو ثابت کیا اور اس سے استدلال کیا ہے؟ اسی طرح یہ ناحیہ سے بھی غلط ہیکہ یہ دونوں اہل سنت والجماعہ کے خلاف ہیں اس مسئلے میں۔

چنانچہ مذکورہ تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ حکام کے جور وظلم کی وجہ سے خروج نہیں کر سکتے اور نہ ہی طاعت سے ہاتھ کھینچ سکتے ہیں، بلکہ ظلم کے باوجود اصل سمع وطاعت پر قائم رہیں گے۔

یہاں ایک قابل ملاحظہ امر یہ بھی ہیکہ مصنف نے بڑی دقت سے حدیث کی علتوں اور اسکی تفاصیل پر گفتگو کی ہے، حدیث کی تخریج کی اور اس زیادتی پر حکم لگایا ہے، جبکہ یہ یافتہ صحیح مسلم کے اندر صحیح ہے، آپ مصنف کی اس وقت نظری کو دیکھیں اور دوسری طرف دیکھیں کہ کس طرح ضعیف اور کمزور

ترین روایتوں کی تصحیح کر دی ہے، کیا ایسے شخص کیلئے یہ مناسب ہیکہ وہ صحیح مسلم کی روایت پر سند کے اعتبار بحث کرے، جبکہ دوسرے موقع پر ضعیف ترین حدیث سے استدلال کرتا پھرے اور اسکے لئے حدیث کی کوئی کتاب نہ ملے سوائے ادب کی کتاب محاضرات الادباء کے؟!

اور تعجب کی بات تو یہ ہیکہ راغب اصفہانی نے اس کتاب کے اندر بھی اس روایت کی کوئی سند نقل نہیں کی ہے!

آخر یہ کس بات پر دلالت کرتا ہے؟!

یعنی مصنف ایک طرف صحیح مسلم کی روایت کو رد کر دیتا ہے اور دوسری طرف ضعیف اور بلا سند والی روایتوں کو قبول کر لیتا ہے، یہ درحقیقت نفس پرستی ہے جو انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے، نسال اللہ العافیہ والسلامۃ والثبات علی الاسلام والسنہ۔



مصنف نے آگے ص ۱۴۵ / پر کہا:

(پشت پر کوڑے مارنے اور مال ضبط کر لینے والی حدیث کو اس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے گویا یہی اس باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے، جبکہ اس میں ایک طرح سے سلیکشن پایا جاتا ہے، بلکہ اس باب میں اس سے بہتر اور صحیح حدیث وہ ہے جس میں وارد ہوا ہے کہ جو اپنے مال کی خاطر مار دیا جائے وہ شہید ہے۔ اور اکثر شارحین حدیث نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے وقت حاکم اور غیر حاکم کے درمیان کوئی فرق نہیں بتلایا ہے، بلکہ ابن حزم نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو حکم دے رہے ہیں جس سے ناحق مال لیا جا رہا ہے کہ وہ اسے نہ دے، اور حکم دیا کہ اس سے قتال کرے، پھر یا تو وہ اسے قتل کر دے گا اور اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا، یا پھر شہید ہو جائے گا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پر مال کے اندر کوئی تفریق نہیں کی ہے، اور یہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہیں جو اس بارے میں حاکم اور غیر حاکم کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے ہیں۔ اور صحابہ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ انکے ساتھ ایسا عملی طور پر ہوا بھی ہے جیسے کہ زبیر، ابو ذر اور سعید بن زید رضی اللہ عنہم وغیرہ، اور مزاحمت کرنے کی دھمکی دی گئی اس شخص کو جو انکی پراپرٹی پر زیادتی کرے، یہ اخبار متعدد اور صحیح ہیں۔

امام مسلم نے نقل کیا ہے: (أَنَّهُ لَمَّا كَانَ بَيْنَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَبَيْنَ عَنْبَسَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ مَا كَانَ تَيَسَّرُوا لِلْقِتَالِ، فَرَكِبَ خَالِدُ بْنُ الْعَاصِ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو فَوَعَظَهُ خَالِدٌ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ) ترجمہ: جب عبد اللہ بن عمرو اور عنبسہ بن ابی سفیان میں فساد ہوا۔ تو دونوں مستعد ہوئے لڑنے کے لئے۔ خالد بن العاص یہ سن کر سوار

ہوئے اور عبداللہ بن عمرو کے پاس گئے اور ان کو سمجھایا۔ عبداللہ بن عمرو نے کہا: **تجھے معلوم نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص مارا جائے اپنا مال بچانے کے لئے وہ شہید ہے۔" (صحیح مسلم: ۱۴۱)۔**

تبصرہ:

مصنف نے کہا کہ: (اور اکثر شارحین حدیث نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے وقت حاکم اور غیر حاکم کے درمیان کوئی فرق نہیں بتلایا ہے)۔

یہاں اس حدیث سے مراد (مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ) والی حدیث ہے۔

مصنف اس طرح تبصرہ کر کے اہل علم پر زیادتی ہے، اس حدیث کو اہل علم نے کتب حدیث اور کتب فقہ میں" ابواب المحاربین وقطاع الطریق" کے اندر پیش کیا ہے، کسی نے بھی اسے معاملۃ الحکام کے تحت نقل کیا ہے، ذیل میں اہل علم کے بعد اقوال پیش خدمت ہیں:

۱-ابوسلیمان خطابی نے کہا کہ کچھ لوگوں نے اسے مکروہ کہا ہے، انکا گمان ہیکہ اسے خود کو سرینڈر کر دینا چاہیئے اور اپنی جان کا دفاع نہیں کرنا چاہیئے، ان لوگوں نے اس تعلق سے فتنوں کے وقت ترک قتال والی حدیثوں سے استدلال کیا ہے، جبکہ یہ ٹھیک نہیں ہے، یہ حدیث تو چوروں، ڈاکوؤں، باغیوں اور فسادیوں سے قتال کے تعلق سے ہے۔ (معالم السنن: ۳/ ۱۷۰)۔

۲-قرطبی نے کہا کہ حدیث کے اندر جو یہ کہا گیا کہ" اسے اپنا مال نہ دو بلکہ اس سے قتال کرو" یہ اس بات کی دلیل ہیکہ ڈاکو اگر زبردستی مال لینے کی کوشش کرے، تو اس کو مال سے کچھ بھی دینا جائز نہیں ہے جہاں تک ہو سکے، نہ ہی تھوڑا نہ ہی زیادہ، اس سے قتال کرنا واجب ہے، اسی لئے امام

مالک نے کہا کہ ڈاکوؤں سے قتال کرنا جہاد ہے۔

ابن المنذر نے کہا کہ علماء کا اتفاق ہیکہ ڈاکو سے ہر سطح پر لڑائی کی جائے گی اور اپنے جان ومال اور اہل خانہ کا دفاع کیا جائے گا، شیخ نے کہا کہ اس بارے میں اختلاف ہیکہ اگر ہلکی چیز مانگے جیسے کپڑا اور کھانا وغیرہ تو کیا اسے دیں گے یا نہیں؟ (المفھم: ١/ ٢٨٣)۔

پتہ چلا کہ یہاں ڈاکو سے قتال کرنا مراد ہے نہ کہ حاکم! جیسا کہ مصنف نے بڑی فریبی سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

٣- ابن المنذر نے کہا کہ اہل علم کا اجماع ہے کہ اگر ظالمانہ طور پر مال لینے کی کوئی کوشش کرے تو آدمی کو حق ہیکہ وہ اپنا دفاع کرے، لیکن اہل علم نے یہاں پر حکام کو مستثنی کر دیا ہے کیوں کہ ان کے تعلق سے حدیثوں میں صبر کرنے کا حکم آیا ہے۔

٤- ابن قتیبہ نے کہا کہ حدیث "مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِہِ فَھُوَ شَھِیْدٌ" سے مراد یہ ہیکہ جو چوروں اور ڈاکوؤں سے اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے اپنے گھر یا سفر میں مار دیا جائے وہ شہید ہے۔ (تاویل مختلف الحدیث، ص ١٥٥)۔

٥- علامہ صنعانی نے ابن حجر کا قول نقل کرنے کے بعد کہا کہ ابن المنذر نے کہا کہ اہل علم کا اجماع ہے کہ اگر ظالمانہ طور پر مال لینے کی کوئی کوشش کرے تو آدمی کو حق ہیکہ وہ اپنا دفاع کرے، لیکن اہل علم نے یہاں پر حکام کو مستثنی کر دیا ہے کیوں کہ ان کے تعلق سے حدیثوں میں صبر کرنے کا حکم آیا ہے۔ امام اوزاعی نے فرق کیا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ اگر اجتماعیت اور امن وامان کی حالت ہے تو پھر دفاع کرے گا اور اگر اختلاف اور فتنے کی حالت ہو تو ایسی صورت میں قتال نہیں کرے گا۔ (سبل السلام: ٦/ ١١٦)۔

٦- امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ جمہور اہل علم کی یہ رائے ہیکہ اگر کسی کے مال، جان یا اہل خانہ پر زیادتی کی جائے تو اسے دفاع اور قتال کرنے کا حق حاصل ہے، اور مناسب یہ ہیکہ دفاع کرنے میں مناسب طریقہ اختیار کرے یعنی اگر بغیر قتال کے ممکن ہو تو ٹھیک ہے ورنہ قتال کرے گا، اور کچھ لوگوں نے کہا کہ سرینڈر کر دے گا الا یہ کہ وہ کوئی حربی کافر ہو یا کوئی موذی جانور ہو، اور کچھ لوگوں نے تو سرینڈر کرنے کو واجب کہا ہے، ان احادیث کو بنیاد بنا کر جن میں فتنوں کے وقت ترک قتال کا حکم ہے، جب کہ ان کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہاں تو چوروں، ڈاکوؤں اور فسادیوں سے قتال کرنے کی بات ہے، انکے سامنے سرینڈر کرنے سے فساد اور ظلم مزید بڑھے گا، اور وہ احادیث دنیا اور اقتدار کی خاطر حکام سے قتال کرنے کے تعلق سے ہیں، اور ایسی صورت میں ایک مسلمان کیلئے واجب ہیکہ وہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور تمام گروہوں سے الگ الگ رہے تا کہ اسکا دین سالم رہے، واللہ اعلم۔ (شرح السنہ: ١٠ / ٢٤٩)۔

٧- ابن بطال نے ابن المنذر کا کلام نقل کرتے ہوئے کہا کہ ابن المنذر نے کہا ہے: ابن المنذر نے کہا کہ اہل علم کا اجماع ہے کہ اگر ظالمانہ طور پر مال لینے کی کوئی کوشش کرے تو آدمی کو حق ہیکہ وہ اپنا دفاع کرے، لیکن اہل علم نے یہاں پر حکام کو مستثنی کر دیا ہے کیوں کہ ان کے تعلق سے حدیثوں میں صبر کرنے کا حکم آیا ہے، جب تک کہ وہ نماز قائم کریں۔ (شرح صحیح بخاری لابن بطال: ٦ / ٦٠٩)۔

اسی طرح ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو نقل کیا ہے۔ (فتح الباری: ٥ / ١٢٤)۔

٨- اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ابن المنذر نے حکام کے مستثنی کرنے پر اجماع نقل کیا ہے۔

اور جہاں تک ابن حزم کے کلام کا تعلق ہے تو وہ مردود ہے متواتر احادیث کی روشنی میں، اسی طرح مذکورہ اہل علم کے کلام کی روشنی میں مرجوح اور باطل بھی ہے، اور یہ کہ علمائے اہل حدیث کا اجماع بھی ہے کہ حکام سے قتال نہیں کرے گا خواہ وہ ظلم وزیادتی ہی کیوں نہ کریں۔

اور جہاں تک ابن حزم کا یہ کہنا کہ مال میں کوئی تفریق نہیں کی جائے گی، تو اسکا جواب یہ ہے کہ کیوں نہیں، جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکام کو خاص کیا ہے جیسا کہ (ویمنعونا حقنا) اور حدیث (انکم ستلقون بعدی اثرہ) اور دیگر احادیث میں وارد ہوا ہے۔

اور جہاں تک ابن حزم کا یہ کہنا کہ (اور یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہیں جو اس بارے میں حاکم اور غیر حاکم کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے ہیں)۔

تو میں نے یہ اثر کہیں نہیں دیکھا ہے، یا ممکن ہے اسے زکاۃ کے فریضے دے متعلق جو اثر مشہور ہے اسی کا مفہوم بتلایا ہو، جس میں یہ ہیکہ فریضے سے بڑھ کر اگر مانگا جائے تو نہ دے۔ مگر اس کے اندر مال کی حرمت کا بیان ہے کہ زکاۃ کے علاوہ نہیں لے سکتے جیسا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ مُعَاذًا، قَالَ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً، تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ، فَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ

بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ".

ترجمہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یمن کی طرف حاکم کر کے) بھیجا تو فرمایا: "تم ملو گے کچھ لوگوں سے اہل کتاب کے تو بلانا ان کو اس بات کی گواہی کی طرف کہ کوئی معبود برحق نہیں سوا اللہ کے اور میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اگر وہ اس کو مان لیں تو بتلانا ان کو یہ بات کہ اللہ نے ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اگر وہ اس کو مان لیں تو ان کو یہ بات بتلانا کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی پھر انہی کے فقیروں اور محتاجوں کو دی جائے گی۔ اگر وہ اس بات کو مان لیں تو خبردار نہ لینا عمدہ مال ان کے (یعنی زکوٰۃ میں متوسط جانور لینا، عمدہ دودھ والا اور پرگوشت فربہ چھانٹ کر نہ لینا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی روک نہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۹)۔

اس اثر یا حدیث کے اندر حاکم سے قتال کرنے کا حکم نہیں ہے کہ اگر وہ ظالمانہ طور پر مال لیتا ہے تو اس سے قتال کیا جائے، اس طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اس قول کی نسبت بھی صحیح نہیں ہے۔

اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے جس اثر کا تعلق ہے تو اسکا جواب جلد آئے گا۔

اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ ایسا کسی صحابی سے ثابت ہے تو کہا جائے گا کہ یہ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے مشہور اور ثابت قول سے معارض ہے:

عن سويد بن غفلة قال قال لي عمر: يا أبا أمية، إني لا أدري لعلي أن لا ألقاك بعد عامي هذا، فاسمع وأطع وإن أمر عليك عبد حبشي مجدع، إن

ضربك فاصبر، وإن حرمك فاصبر، وإن أراد أمراً ينتقص دينك فقل: سمع وطاعة، ودمي دون ديني، فلا تفارق الجماعة.

ترجمہ: سوید بن غفلہ سے روایت ہیکہ مجھ سے امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے ابوامیہ! مجھے نہیں معلوم، ہوسکتا ہے آئندہ سال ملاقات نہ پائے، تم حاکم کی سمع وطاعت کرنا خواہ وہ کن کٹا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اگر تمہیں مارے تو صبر کرنا اور اگر محروم رکھے تو بھی صبر کرنا، اور اگر کوئی ایسا کام کرے جس سے تمہارے دین میں کمی ہو تو بھی اس وقت سمع وطاعت کرنا، اور کہنا کہ میرے دین کی خاطر میری جان حاضر ہے، اور جماعت کسی صورت میں ترک نہ کرنا۔ (ابن ابی شیبہ: ۳۴۴۰۰)۔

اور یہ ابن سیرین کے اس قول کے بھی معارض ہے جو مصنف عبد الرزاق میں وارد ہوا ہے:

عن أيوب عن ابن سيرين قال: سأله رجل -أحسبه من أهل اليمامة- قال: أتينا الحرورية، زمان كذا و كذا، لا يسألونا عن شيء، غير أنهم يقتلون من لقوا، فقال ابن سيرين: ما علمت أحدا كان يتحرج من قتل هؤلاء تأثما، ولا من قتل من أراد مالك إلا السلطان، فإن للسلطان لحقا.

ترجمہ: ایک شخص نے ابن سیرین سے کہا کہ ہم فلاں زمانے میں حروریہ کے پاس پہونچے، وہ ہم سے کسی چیز کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے، بس وہ جسے پاتے قتل کردیتے تھے، ابن سیرین نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ کوئی انہیں قتل کرنے میں حرج محسوس کرتا ہو، اسی طرح اس شخص کے قتل کرنے میں جو تمہارا مال چھینے سوائے حاکم کے، کہ حاکم کا حق ہے۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۰/ ۱۱۹)۔

صحیح یہی ہے کہ اس مسئلے میں حجت صحابہ کا اجماع ہے، اور جن امور میں اختلاف ہے ان میں کتاب وسنت مرجع ہے، جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حاکم سے قتال نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کے ظلم پر صبر کرنا ہے۔

اور جہاں تک مصنف کا بعض اقوال کے ذکر کرنے کا تعلق ہے جو بعض صحابہ کی طرف منسوب ہیں جن میں مصنف نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ اقوال مصنف کے دعوے کی تائید کرتے ہیں اور سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کی ان حدیثوں کی تردید میں ہیں جن کے اندر ظلم کے باوجود صبر کا حکم دیا گیا ہے تو اسکے جواب میں کہا جائے گا:

پہلی چیز:

ان میں سے تو کچھ آثار صحابہ سے ثابت ہی نہیں ہیں، مثلاً زبیر اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے، اور جس خبر کو خطیب بغدادی نے نقل کیا ہے جس کے بارے میں دارقطنی نے کہا ہے کہ یہ غریب ہے، ابو الیقظان اسے روایت کرنے میں جویریہ سے منفرد ہے۔ (تاریخ بغداد: ۱۴/ ۲۶)۔

دوسری چیز:

اگر کسی سے قتال حکام کے بارے میں کچھ منقول بھی ہو تو اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس تک سنت نہیں پہونچی ہوگی، ابن حجر نے کہا کہ یہ واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہیکہ سنت کبھی کبھی بعض اکابر صحابہ تک سے مخفی رہتی تھی لیکن دوسرے کو اسکی خبر ہوتی تھی، اسلئے سنت خو چھوڑ کر آراء واقوال کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی یہ کہا جائے گا کہ یہ حدیث فلاں سے کیسے مخفی رہ سکتی ہے؟! (فتح الباری: ۱/ ۷۶)۔

تیسری چیز:

کسی صحابی کا قول اس وقت حجت ہوتا ہے جب دیگر صحابہ کے اقوال اسکے مخالف نہ ہوں، پھر آخر یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اسکے خلاف مروی ہے؟ اور اس سے پہلے یہ کہ سنت کے اندر حکام کے ظلم اور حق تلفی پر صبر کرنے کا حکم آیا ہے، ایسی صورت میں اسکے خلاف اگر کسی صحابی کا قول ہو تو وہ قابل حجت نہیں ہوگا۔

اسی طرح مصنف نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اس میں بھی اس کی مخالفت موجود ہے اور وہ خالد بن عاص بن ہشام مخزومی ہیں، جنکے تعلق سے اسی حدیث میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ وہ خالد کے پاس گئے تو انہوں نے نصیحت کی۔

چوتھی چیز:

کتاب وسنت کے دلائل کا معارضہ کسی صحابی کے قول یا فعل سے نہیں کیا جا سکتا، یک متفق علیہ امر ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔ (النساء: ۵۹)۔

پانچویں چیز:

مصنف نے کہا کہ حدیث "اگرچہ وہ تمہاری پشت پر کوڑے برسائے اور تمہارا مال ضبط کرلے"

اگر صحیح بھی ہو تو یہ خطاب اس فرد کو ہے جو عرب ماحول میں رہتا ہے جو سمع وطاعت سے بھاگتا ہے اور ظلم کا انکاری ہوتا ہے، گویا مصنف کے نزدیک اگر حدیث کا معنی صحیح بھی ہو تو یہ شخصی خطاب ہے کہ انفرادی طور پر اگر کسی پر ظلم ہو رہا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ صبر کرے اور جہاں تک سماج اور قوم کا تعلق ہے تو یہ حدیث کے اس خطاب میں داخل نہیں ہیں، اسلئے قوم پر واجب ہیکہ وہ مزاحمت کریں!

جبکہ مصنف کا یہ تضاد بیانی اور تضاد فکری ہے، کیونکہ اس پر خود مصنف نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے اثر سے استدلال کیا ہے جبکہ وہ ایک فرد تھے، پھر بھی وہ قتال پر آمادہ تھے، پتہ چلا کہ مصنف کسی ایک فکر پر قائم نہیں ہے، اور دلائل سے استدلال کرنے میں بھی عقل کام نہیں کر رہی ہے۔

بالآخر مصنف نے اپنے موقف کی کمزوری کا اعتراف کر ہی لیا، جیسا کہ ص ۱۴۷ پر کہا کہ (ممکن ہے پشت پر جو کوڑے برسائے گئے یا مال ضبط کیا گیا وہ برحق ہو، یا کسی شبہے یا تاویل کی بنا پر ہو، اسلئے عدل وانصاف کے مسئلے میں تمام افراد کا راضی ہونا ضروری نہیں ہے۔

چھٹی چیز:

احادیث کے مجموعے اور صحابہ وتابعین کے اقوال پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث کی مذکورہ زیادتی صحیح ہے، اسکا معنی ثابت ہے، اس کی تائید میں بہت سارے نصوص اور ائمہ سلف کے اقوال وارد ہوئے ہیں۔

ساتویں چیز:

علامہ صالح بن فوزان الفوزان حفظہ اللہ نے" وان ضرب ظ※ر※ وأخذ مال※" کی شرح کرتے ہوئے کہا:

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد: صحیح مسلم کے اندر سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فتنوں کے بارے میں مروی ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ فتنوں کے وقت ایک مسلمان کیا کرے، بالخصوص جب بعض مسلم حکام کی طرف سے ظلم و جور کا ارتکاب ہو، یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے اندر فرمایا ہیکہ تم حاکم کی سمع وطاعت کرنا گرچہ وہ تمہاری پشت پر کوڑے برسائے اور تمہارا اموال ضبط کرلے" یہ الفاظ بعض لوگوں کیلئے مشکل ہوگیا یہاں تک کہ وہ کہہ بیٹھے کہ (یہ خطاب اس فرد کو ہے جو عرب ماحول میں رہتا ہے جو سمع وطاعت سے بھاگتا ہے اور ظلم کا انکاری ہوتا ہے، گویا مصنف کے نزدیک اگر حدیث کا معنی صحیح بھی ہو تو یہ شخصی خطاب ہے کہ انفرادی طور پر اگر کسی پر ظلم ہو رہا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ صبر کرے اور جہاں تک سماج اور قوم کا تعلق ہے تو یہ حدیث کے اس خطاب میں داخل نہیں ہیں، اسلئے قوم پر واجب ہیکہ وہ مزاحمت کریں!) اس طرح قوم کو خروج و بغاوت پر بھڑکانے کا کام کیا، اور حدیث کی غلط تاویل کی، اسکے ظاہری معنی سے اسے پھیر دیا، اور جب ان پر اعتراض کیا گیا تو کہنے لگے کہ یہی بات تو امام نووی نے کہی ہے، لیکن جب ہم نے امام نووی کے شرح صحیح مسلم کی طرف رجوع کیا تو دیکھا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح میں آپ نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہیکہ اگرچہ وہ تمہاری پشت پر کوڑے برسائے ظالمانہ طور، اور تمہارا اموال ضبط کرلے ناحق، تو بھی تم اس کی سمع وطاعت کرنا غیر معصیت میں۔ انتہی۔

یہی صراحت ہے امام نووی کی، یعنی انہوں نے بھی حدیث کا ظاہری معنی ہی مراد لیا ہے، ان کی طرح اسکی کوئی تاویل نہیں کی ہے۔

اس حدیث سے اہل سنت والجماعہ کا ایک عظیم اصول کا پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ جماعت کو لازم پکڑیں، اور حکام کے جور وظلم پر صبر کریں، کیوں کہ اسی میں مصلحت مضمر ہے، خروج و

بغاوت سے مزید تباہی اور بربادی کا خدشہ ہے۔

یہ ایسی عظیم مصلحتیں ہیں جن سے بڑی کوئی مصلحت نہیں، اھون البلیتین اور اخف الضررین کا ارتکاب اسلام کا ایک عظیم قاعدہ ہے، اور میں نے جب دیکھا کہ اس موضوع پر کچھ لوگ بھیانک غلطی کر رہے ہیں اسلئے اس پر تنبیہ کرنا مناسب سمجھا۔(انٹرنٹ)۔



مصنف نے آگے ص ۱۴۷ / پر کہا:

(حاکم اور غیر حاکم کے درمیان تفریق کا قول ابن المنذر اور ایک جماعت کا ہے)۔

تبصرہ:

میں کہتا ہوں کہ مصنف کو اس طرح غلط بیانی اور جھوٹ بولنے میں ذرا بھی شرم محسوس نہیں ہوتی کہ ابن المنذر نے ایک طرف اہل علم کا عدم قتال پر اجماع نقل کیا ہے اور دوسری طرف مصنف ان کا قول اسکے برعکس بتا رہا ہے؟!

اہل علم نے باقاعدہ ابن المنذر کا کلام نقل کیا ہے لیکن کسی نے مصنف کی بات کی طرف اشارہ نہیں کیا، چنانچہ ابن حجر نے فتح الباری میں ابن المنذر کا کلام نقل کرتے ہوئے کہا کہ (ابن المنذر نے کہا کہ اہل علم کا اجماع ہے کہ اگر ظالمانہ طور پر مال لینے کی کوئی کوشش کرے تو آدمی کو حق ہیکہ وہ اپنا دفاع کرے، لیکن اہل علم نے یہاں پر حکام کو مستثنی کر دیا ہے کیوں کہ ان کے تعلق سے حدیثوں میں صبر کرنے کا حکم آیا ہے)۔

یہی معنی ابن سیرین سے بھی ثابت ہے جو مصنف عبد الرزاق میں وارد ہوا ہے:

عن أيوب عن ابن سيرين قال: سأله رجل -أحسبه من أهل اليمامة- قال: أتينا الحرورية، زمان كذا و كذا، لا يسألونا عن شيء، غير أنهم يقتلون من لقوا. فقال ابن سيرين: ما علمت أحدا كان يتحرج من قتل هؤلاء تأثما، ولا من قتل من أراد مالك إلا السلطان، فإن للسلطان لحقا.

ترجمہ: ایک شخص نے ابن سیرین سے کہا کہ ہم فلاں زمانے میں حروریہ کے پاس پہونچے، وہ

ہم سے کسی چیز کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے، بس وہ جسے پاتے قتل کردیتے تھے، ابن سیرین نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ کوئی انہیں قتل کرنے میں حرج محسوس کرتا ہو، اسی طرح اس شخص کے قتل کرنے میں جو تمہارا مال چھینے سوائے حاکم کے، کہ حاکم کا حق ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۱۱۹)۔

اور اسے ہم تابعین میں کبار اہل علم کا اجماع کہہ سکتے ہیں کیونکہ ابن سیرین نے کہا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ کوئی انہیں قتل کرنے میں حرج محسوس کرتا ہو، اسی طرح اس شخص کے قتل کرنے میں جو تمہارا مال چھینے سوائے حاکم کے، کہ حاکم کا حق ہے۔



مصنف نے آگے ص ۱۴۷ / پر کہا:

(اس نص کے غریب ہونے کے باوجود ہمیں تعجب ہے کہ کیسے اسلامی نظریہ حکمرانی کو اسی پر بنیاد بنادیا گیااوراس جملے کے مختصر ہونے کے باوجود اسے اس قدر مشہور کر دیا گیا جب کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسکے برعکس تعلیم دیتے تھے، وہ کہتے تھے کہ میں اپنے گورنروں کو تمہارے پاس تمہیں مارنے اور تمہارا مال ضبط کرنے کیلئے نہیں بھیج رہا ہوں بلکہ اسلئے بھیج رہا ہوں تا کہ یہ تمہیں تمہارا دین اور سنت سکھائیں)۔

تبصرہ:

دراصل غریب نص وہ نہیں ہے جو اہل علم کے یہاں متداول ہے، بلکہ غریب اور شاذ نص وہ ہے جو ہزاروں علماء اور ائمہ سلف کے اقوال کے مخالف ہے۔

حقیقت یہ ہیکہ مصنف کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ کلام پر غرابت کا الزام لگا کر اسے رد کرنا بہت ہی سنگین معاملہ ہے کیونکہ علمائے سلف اور ائمہ امت نے اسے عقیدے کی کتابوں میں شامل کیا ہے، مصنف یا کسی بھی بدعتی فکر کا حامل شخص اس طرح کے شرعی نصوص کی تردید نفس پرستی کی وجہ سے کرتا ہے۔

اور مصنف کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسلامی نظریہ حکمرانی کی بنیاد صرف اسی لفظ پر نہیں ہے جیسا کہ مصنف نے گمان پال رکھا ہے، بلکہ صحیح حدیثوں کا پورا مجموعہ ہے جن کے اندر سمع وطاعت اور حکام کے ظلم پر صبر کرنے کے اصول بتائے گئے ہیں۔

اور اہل بدعت کی یہ عادت ہیکہ جب کوئی حدیث انکی نفس پرستی کے خلاف ہوتی ہے تو اسے

تاویل کرکے رد کردیتے ہیں، اکثر اسکی سند کی تضعیف کیلئے علتیں تلاش کریں گے، لیکن وہ محدثین کے طریقے پر سند پر بحث بھی نہیں کریں گے، بلکہ اپنے ذوق کے مطابق بحث کریں گے جیسا کہ معتزلہ نے صحیحین میں وارد جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی حدیث رویت کے تعلق سے کیا ہے کہ بہت سے معتزلہ نے حدیث کی صحت پر اعتراض کرکے اسکا انکار کردیا جبکہ وہ اصول حدیث سے نابلد اور متواتر کی اصطلاح سے جاہل ہیں، بالکل یہی صورت مصنف کی بھی ہے کہ اس قدر مشہور روایت کے باوجود اس پر غرابت کاالزام لگادیا!!

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ آپ بدعتیوں کو پائیں گے کہ وہ ان نصوص کو چھپانا پسند کرتے ہیں جو انکے اعتقاد کے مخالف ہیں، بلکہ ان نصوص سے انہیں بغض ہوتا ہے اور اسی لئے وہ ان نصوص کو نہ تو نقل کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں مشہور کرتے ہیں، بلکہ انکے بارے میں گفتگو کرنا بھی پسند نہیں کرتے، بلکہ جو ان نصوص پر گفتگو کرتے ہیں انہیں بھی یہ ناپسند کرنے لگتے ہیں۔ (مجموع الفتاوی لابن تیمیہ: ۲۰/ ۱۶۱)۔



مصنف نے آگے ص ۱۴۷ / پر کہا:

(یہ خطاب اس فرد کو ہے جو عرب ماحول میں رہتا ہے جو سمع وطاعت سے بھاگتا ہے اور ظلم کا انکاری ہوتا ہے)۔

تبصرہ:

میں کہتا ہوں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے اندر تحریف ہے، یہاں پر حدیث عام ہے کسی فرد کے ساتھ خاص نہیں ہے، جیسا کہ مصنف نے دعوی کیا ہے۔

اور جہاں تک عربوں کا سمع وطاعت سے بھاگنے اور ظلم سے انکاری ہونے کا تعلق ہے تو یہ انکی خودداری اور غیرت کا نتیجہ تھا نا کہ صحیح اور صریح حدیث کے خلاف انکا یہ اقدام تھا، کیونکہ اسلام کے اندر جب یہ اصول اور اعتقاد بن گیا کہ اور اہل سنت والجماعہ کا اس ہر اجماع ہوگیا کہ مسلمانوں کی جماعت اور انکے حاکم کو لازم پکڑنا اور حکام کے ظلم پر صبر کرنا واجب ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہو، کوئی فرد ہو یا جماعت، کیونکہ اسی میں مسلمانوں کی مصلحت ہے، یہی اجتماعیت ہی انہیں اختلاف وانتشار اور قتل وخونریزی سے محفوظ رکھتی ہے، جب کہ خروج وبغاوت سے عظیم مفاسد اور فتنے جنم لیتے ہیں۔

بلکہ مصنف کا حدیث کو فرد کے ساتھ خاص کر دینا خود مصنف کے تناقض پر دلالت کرتا ہے، نیز یہ حدیث کے مفہوم کا مخالف بھی ہے۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے کہا کہ کسی ایسے حاکم کے خلاف خروج وبغاوت کرنا جو بڑا طاقتور ہو کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ اس میں شر وفساد ہی ہے، اس طرح کی حرکتوں سے امت کا کبھی نہ بھلا ہوا ہے اور نہ کبھی بھلا ہوسکتا ہے، اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حکام کی بھی سمع وطاعت کا

حکم دیا ہے گرچہ وہ پشت پر کوڑے برسائیں اور ہمارے مال ضبط کرلیں، اور ہمارے حقوق غصب کرلیں، اس وقت بھی ہم پر واجب ہیکہ ہم انکا حق ادا کرتے رہیں اور ہم اپنا حق اللہ سے مانگیں۔

سوال:

ہم نے یہ ذکر کیا کہ خالق کی معصیت میں حاکم کی سمع وطاعت نہیں ہے، اور ہم نے یہ بھی ذکر کیا کہ اگر وہ پشت پر کوڑے مارتا ہے اور ہمارے مال ضبط کرلیتا ہے تو بھی ہم اسکی سمع وطاعت کریں گے جبکہ پشت پر کوڑے مارنا اور مال ضبط کرنا بھی اللہ کی معصیت ہے؟

جواب:

جی ہاں، ظلم کا ارتکاب حاکم کر رہا ہے، ہمیں اپنا دفاع کرنے کا حق ہے، مگر ہم اس حق کو چھوڑ رہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہوئے، اور اسکے ظلم کے باوجود ہم اس سے قتال اور اسکی مخالفت نہیں کر رہے ہیں اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کی خاطر۔

سوال:

اگر ہم اس سے قتال بھی کریں تو بھی ہم اللہ کی اطاعت کر رہے ہیں اسلئے کہ ہم اللہ کی معصیت میں اسکی اطاعت نہیں کرسکتے؟

جواب:

نہیں، وہ ہم پر مسلط ہے، ہاں اگر وہ شراب پینے کا قانون جاری کرے تو ہم اس میں اطاعت نہیں کریں گے لیکن اگر وہ ہم پر ظلم کرے تو ہم صبر کریں گے، کیونکہ یہی ہمیں حکم ہے۔ کیونکہ وہ اپنے کام پر مامور ہے اور ہم اپنے کام پر مامور ہے، وہ غلطی کر رہا ہے تو اسکی سزا اسے اللہ دے گا، ہم اتنے خلاف کھڑے ہو کر مزید اسے ظالم نہ ہی بنائیں گے، بلکہ صبر کر کے امت کو متوقع انتشار اور تباہی سے

بچائیں گے۔



مصنف نے آگے ص ۱۴۷ / پر کہا:

(عدل وانصاف کے مسئلے میں تمام افراد کا راضی ہونا ضروری نہیں ہے)۔

مصنف کا یہ قول خود اگلے دوسرے قول سے متعارض ہے جیسا کہ مصنف نے ص ۱۴۱ پر کہا کہ عقد بیعت میں سب کی رضامندی ضروری ہے۔

مزید مصنف کا ص ۱۴۸ پر کہا: (حدیث کے اندر ایسی کوئی چیز نہیں ہے جسکی بنیاد پر ظلم کو حاکم کیلئے جائز قرار دیا جائے یا اس میں تساہل برتا جائے)۔

تبصرہ:

پہلی بات:

آخر اہل علم میں وہ کون عالم ہے جس نے حاکم کیلئے ظلم کو جائز ٹھہرایا ہے؟!

میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی عالم نے ایسا نہیں کہا ہوگا، ظلم حرام ہے، خواہ اسکا ارتکاب حاکم کرے یا رعایا۔

دوسری بات:

یہ دراصل اہل باطل کے اصول تہویل میں سے ہے یعنی وہ اپنے مخالفین کے خلاف ہر بات کو غلط طریقے سے بھیانک بنا کر پیش کرتے ہیں۔ صحیح حدیثوں سے آنکھ چرا کر اہل علم کے خلاف ایسی غلط باتیں منسوب کرتے ہیں، کہ جسے کسی عالم نے نہ کہی ہو، بلکہ اہل علم اسی چیز کو ثابت کرتے ہیں جو حدیثوں میں وارد ہوتی ہیں۔ مگر چونکہ اہل بدعت اور اہل باطل اس معنی کی تاویل یا انکار کرتے ہیں اسلئے اگر کوئی اسے ثابت کرتا ہے تو یہ اس پر اسی طرح کے الزامات لگا کر جھوٹی باتیں عام کرتے ہیں تا کہ

انکے باطل پروپیگنڈوں میں حقیقت گم ہو جائے۔



مصنف نے آگے ص ۱۴۸ / پر کہا:

(پھر ہم پر واجب ہیکہ ہم عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی پوری حدیث پر ایمان لائیں، جس میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی رہیں حق ہی کہیں، اور اللہ کی خاطر کسی ملامت گر کا خوف نہ کھائیں)۔

تبصرہ:

جی ہاں، ہم پر یہی واجب ہیکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام حدیثوں پر عمل کریں، سب کے درمیان تطبیق دیں، کسی کو رد نہ کریں، اور جہاں تک عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق ہے تو ہم بھی دعوت دیتے ہیں کہ مصنف اس حدیث پر مکمل طور سے ایمان لائے نہ کہ بعض حصے پر، کیونکہ اس حدیث کے اول حصے میں سمع وطاعت کو واجب کہا گیا ہے اور حاکم سے مخالفت نہ کرنے کا حکم ہے۔

اور جہاں تک حق بات کہنے کا تعلق ہے تو یہ واجب ہے، بلکہ حاکم کے ساتھ خیر خواہی میں شامل ہے اور دین پورا لا پورا خیر خواہی پر قائم ہے، لیکن مصنف کے بقول حق یہ نہیں ہے کہ ظالم حکام کے ظلم پر صبر نہ کرکے انکے خلاف خروج و بغاوت کیا جائے۔



مصنف نے آگے ص ۱۴۹ / پر کہا:

(اسی طرح یہ حدیث ہے:" حاکم زمین پر اللہ کا سایہ اور اس کا نیزہ ہے" ۔ یہ حدیث حاکم کو تقدیس عطا کرتی ہے، اور اسکے حکم کو الٰہی بناتی ہے، اور اس کی شخصیت کے گرد خوف و ہیبت کا ایک ہالہ ڈالتی ہے، ساتھ ہی ابن تیمیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور اسکی تاویل کی ہے، جبکہ یہ حدیث موضوع ہے، امام بیہقی نے اسے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اور ابن النجار نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور بزار نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور ہیثمی نے مجمع الزوائد کے اندر کہا کہ اس کی سند میں سعید بن سنان ابو مہدی متروک ہے، اور دار قطنی وغیرہ نے اس پر حدیث گڑھنے کا الزام لگایا ہے اور بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا ہے)۔

تبصرہ:

میں کہتا ہوں:

پہلی بات:

مصنف نے یہاں پر جو دعوی کیا ہے اہل علم میں سے کسی نے ایسی بات نہیں کہی ہے، اور جس نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے یا اس سے استدلال کیا ہے اس نے وہ مفہوم نہیں نکالا ہے جس کا دعوی مصنف نے کیا ہے یعنی حاکم کی تقدیس اور اسکے حکم کو الٰہی بنانا۔

دوسری بات:

یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے، جن میں کچھ ضعیف ہیں، اور کچھ بعض اہل علم کے یہاں مقبول بھی ہیں، اسی لئے بعض اہل علم نے اسے حسن کہا ہے، اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ (اسی لئے

مروی ہیکہ حاکم زمین پر اللہ کا سایہ ہے)،(السیاسہ الشرعیہ:۱ /۱۲۹)۔

یہاں پر آپ نے صیغہ تمریض کے ساتھ نقل کیا ہے، اور ایک دوسری جگہ کہا (اور جہاں تک اس حدیث نبوی کا تعلق ہے کہ" حاکم زمین پر اللہ کا سایہ ہے، اسکے پاس ہر کمزور اور پریشان حال آ کر پناہ لیتا ہے" تو یہ حدیث صحیح ہے، کیونکہ سایہ محتاج ہے کسی پناہ دینے والے اور کسی ساتھی کا، اور حاکم اللہ کا بندہ اور ایک مخلوق ہے جو اسکا محتاج ہے، ایک لمحہ بھی اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، اس سے طاقت سلطنت اور حفاظت ونصرت کا بھی پتہ چلتا ہے، یہ سب ان اسباب میں سے ہیں جن کے ذریعے لوگوں کے معاملات درست ہوتے ہیں، چنانچہ جب حاکم کے معاملات درست ہوں گے تو رعایا کے معاملات بھی درست ہوں گے۔(مجموع الفتاوی لابن تیمیہ:۳۵ /۴۵)۔

علامہ البانی نے اسی حدیث کو دوسرے الفاظ میں نقل کیا ہے:" من أجل سلطان الله أجله الله يوم القيامة " ترجمہ: جو اللہ کے سلطان کی عزت کرتا ہے اللہ قیامت کے دن اسکی عزت کرے گا۔ پھر اسے حسن کہا ہے، دیکھیں: السلسلہ الصحیحہ :۵ /۳۷۵، نمبر:۲۲۹۷)۔

اس سے پتہ چلا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کے معنی کی صحت پر کلام کیا ہے اور اسکی تاکید کی ہے، لیکن یہ نہیں کہا کہ حاکم کا حکم الہی ہوتا ہے، اور نہ ہی ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس معنی میں استدلال کیا ہے جیسا کہ مصنف نے آپ کی طرف منسوب کیا ہے۔

بلکہ اسی معنی کی تاکید میں سنت کے اندر کئی حدیثیں وارد ہوئی ہیں، چنانچہ صحیحین میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ، فَإِنْ أَمَرَ بِتَقْوَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَعَدَلَ كَانَ لَهُ بِذَلِكَ

أَجْرٌ، وَإِنْ يَأْمُرْ بِغَيْرِهِ كَانَ عَلَيْهِ مِنْهُ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "امام ڈھال ہے اس کے پیچھے مسلمان لڑتے ہیں (کافروں سے) اور اس کی وجہ سے لوگ بچتے ہیں تکلیف سے (ظالموں سے اور لٹیروں سے) پھر اگر وہ حکم کرے اللہ سے ڈرنے کا اور انصاف کرے تو اس کو ثواب ہوگا اور جو اس کے خلاف حکم دے دے تو اس پر وبال ہوگا۔" (صحیح مسلم: ۱۸۴۱)۔

امام نووی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہا کہ امام ڈھال ہے یعنی آڑ ہے، کیونکہ یہ دشمنوں کی تکلیفوں اور حملوں سے مسلمانوں کو بچاتا ہے، اسی طرح لوگوں کو ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے بچاتا ہے، اسلام کی بنیاد کی حفاظت کرتا ہے، اسی لیے لوگ اسکی سطوت سے ڈرتے ہیں۔

"اسکے پیچھے لڑتے ہیں" یعنی مسلمانوں اسکے ساتھ ملکر کافروں سے، باغیوں سے اور خوارج سے نیز تمام قسم کے اہل فساد سے لڑتے ہیں، اور کامیابی حاصل کرتے ہیں۔" اور اسکے ذریعے بچا جاتا ہے" یعنی دشمنوں اور اہل فساد کے شر سے بچا جاتا ہے۔ (شرح صحیح مسلم: ۱۲/ ۲۳۰)۔

ان سب کے باوجود مصنف نے ان احادیث سے اعراض کر کے ایک موضوع روایت کو ذکر کر دیا اور کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔



مصنف نے آگے ص ۱۰۵/ پر کہا:

(اسی طرح یہ روایت بھی ہیکہ" ظالم حکام کے سائے میں ایک دن بھی بغیر حاکم کے ستر سال سے بہتر ہے"، یہ قول سفیان ثوری کی طرف منسوب ہے، ایک دوسرے الفاظ ہیں:" ستر سالوں تک حاکم کا ظلم بہتر ہے اس بات سے کہ امت ایک گھڑی کیلئے بھی بغیر حاکم کے رہے"، اس طرح کے اقوال بعض خطباء اور فتنوں سے آگاہ کرنے والے بیان کرتے رہتے ہیں جیسا کہ وہ خود اپنے بارے میں کہتے ہیں)۔

تبصرہ:

میں کہتا ہوں: اس طرح کی عظیم باتیں کہنے والے سفیان ثوری اور امام مالک جیسے بزرگان دین جن کا مقام بہت بلند ہے، امت میں انکی قدر و منزلت ہے، اسکے باوجود مصنف انکی تنقیص کر رہا ہے۔ کیونکہ انکا یہ کلام مصنف کی خارجی فکر کے مخالف ہے۔

ایک مومن کو یہاں اس عظیم فرق کو سمجھنا ضروری ہے جو علمائے راسخین کے طریقے اور مصنف جیسے خارجی فکر کے حاملین کے طریقے کے درمیان ہے، کہ یہ لوگ سلف کے اقوال اور آثار پر اعتراض کرتے ہیں جو انکی فکر کے خلاف ہوتے ہیں، سوال یہ ہیکہ آخر کیا بہتر ہے: سفیان ثوری اور امام مالک رحمہما اللہ کے اقوال یا پھر کسان اور پنساری کا قصہ جسے مصنف نے اپنی فکر کی تائید میں اسی کتاب کے ص ۱۴۹ پر نقل کیا ہے کہ (کسان پنساری کے پاس مکھن لاتا تھا اور کلو کے حساب سے فروخت کرتا تھا، ایک دن پنساری نے پایا کہ مکھن صرف نو سو گرام ہے تو کسان سے کہا کہ میں آج کے بعد تم سے خریداری نہیں کروں گا کیونکہ مکھن کم دیتے ہو اور تم دھوکے باز ہو، کسان نے سر ہلایا اور

کہا کہ ٹھیک ہے میرے آقا! معافی چاہتا ہوں، ہم محتاج وفقیر ہیں ہمارے پاس کلو نہیں ہے، حقیقت یہ ہیکہ میں آپ سے کلو کے حساب سے جو شکر خرید کر لے جاتا ہوں اسی کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ کر دوسرے پلڑے میں مکھن رکھتا ہوں اور وہی لیکر چلے آتا ہوں!)؟!



مصنف کا ان علماء اور دعاۃ کی تنقیص کرنا جو فتنوں سے آگاہ کرتے ہیں

مصنف نے آگے ص ۱۵۰/ پر کہا:

(اس طرح کے اقوال بعض خطباء اور فتنوں سے آگاہ کرنے والے بیان کرتے رہتے ہیں جیسا کہ وہ خود اپنے بارے میں کہتے ہیں۔ انکے حساب سے امت کے سامنے صرف دو ہی آپشن ہیں: یا تو حکام کے ظلم واستبداد پر صبر کرو یا پھر انارکی اور خانہ جنگی کا سامنا کرو، اسی طرح کے مسلک اور منہج کی دھمکی دیگر جابر سلاطین (طغاۃ) نے اپنے آخری ایام میں یاد دلایا تھا، جن پر یہ کلام صادق آتا ہے کہ "حق بات پیش کر کے باطل مراد لیا جائے")۔

تبصرہ:

میں کہتا ہوں کہ فتنوں سے آگاہ کرنا نبوی اصول اور محمدی طریقہ ہے، جو اس مسلک اور منہج پر چلتا ہے وہ ٹھیک کرتا ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " سَتَكُونُ فِتَنٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي، مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ، فَمَنْ وَجَدَ مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهِ ".

ترجمہ: زہری نے روایت کیا، انہیں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی اور ان سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایسے فتنے برپا ہوں گے کہ ان میں بیٹھنے

والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہو گا اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہو گا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا۔ اگر کوئی ان کی طرف دور سے بھی جھانک کر دیکھے گا تو وہ اسے بھی سمیٹ لیں گے ایسے وقت جو کوئی اس سے کوئی پناہ کی جگہ پالے اسے اس کی پناہ لے لینی چاہیے۔" (صحیح بخاری: ۷۰۸۲)۔

پھر آخر مصنف کیونکر خطباء اور ان لوگوں کی عیب جوئی کرتا ہے جو فتنوں سے آگاہ کرتے اور ڈراتے ہیں؟!

آخر فتنے سے آگاہی کے اس باب میں انکے اسوہ اور نمونہ تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، چونکہ مصنف خود فتنوں کا حصہ ہے اسی لئے یہ ان لوگوں کی عیب جوئی کرتا ہے جو فتنوں سے آگاہ کرتے ہیں، ایسے ہی فتنہ پروروں کے بارے میں بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جاہل ہٹ دھرم کا فتنہ اور مکار فاجر کی ہنسی بہت خطرناک ہوتی ہے۔

بعض اہل علم نے کہا کہ کچھ علم کھ دعویدار فتنے باز شکوک وشبہات کے ذریعے گمراہی پھیلاتے ہیں، یہ دراصل برائیوں کا شیرہ لگانے والے ہیں، بظاہر کچھ کہتے ہیں اور اندر کچھ اور ہی چھپا کر رکھتے ہیں، تلبیس کاری کے ذریعے یہ تمہارے دین کو گڈ مڈ کر کے پیش کرتے ہیں، اگر یہ علمائے اہل سنت والجماعہ پر طعن وتشنیع کے جواز کیلئے کتاب وسنت سے کسی دلیل کا حوالہ دیں تو میرے پاس اسے پیش کرو، ہم ایسے فتنینوں سے براہین قاطعہ کے ذریعے مناظرہ اور مباحثہ کریں گے، جو کتاب وسنت اور خلفائے راشدین کی سیرت سے ماخوذ ہوں گے اور جو دلوں کی اندھاپنی کو صاف کریں گے اور مخالف کو اسکی ہٹ دھرمی سے نکال باہر کریں گے۔ (الدرر السنیہ فی الأجوبۃ النجدیۃ: ۹ / ۱۰۵)۔

مصنف نے کہا: (اسی طرح کے مسلک اور منہج کی دھمکی دیگر جابر سلاطین (طغاۃ) نے اپنے

آخری ایام میں یاد دلایا تھا)۔

اس کا جواب درج ذیل ہے:

پہلی بات:

مصنف نے آخر اہل علم اور داعیان دین کو جابر سلاطین (طغاۃ) کے برابر کیسے کر دیا؟

دوسری بات:

اہل علم نے اپنے بارے میں کبھی بھی ایسی باتیں نہیں کہی ہیں جس سے پتہ چلے کہ وہ کسی بہت بڑے مقام پر فائز ہوں، بلکہ وہ ہمیشہ تواضع اور انکساری کا پیکر ہوتے ہیں۔

تیسری بات:

اگر وہ فتنے سے آگاہ کرتے ہیں تو یہ انکے لئے شرف کی بات ہے، اس میں کسی مذمت یا تنقیص کا کوئی پہلو نہیں ہے۔

چوتھی بات:

مصنف نے کہا کہ (اسی طرح کے مسلک اور منہج کی دھمکی دیگر جابر سلاطین (طغاۃ) نے اپنے آخری ایام میں یاد دلایا تھا)۔

تعجب ہے مصنف پر! کہ یہ کیسے اہل علم کی عیب جوئی کرتا ہے؟! اور یہ خود اپنے کارناموں کو یاد نہیں کرتا ہے کہ ۲۰۱۱ کی بغاوتوں سے پہلے انہیں جابر سلاطین کی زیارت خود کرتا تھا، بلکہ انکی مدح سرائی کرتا تھا اور انکے ساتھ فوٹو نکلواتا تھا، اور یہ ساری چیزیں تفصیل کے ساتھ سوشل میڈیا پر موجود ہیں، بطور خاص لیبیا کے صدر قذافی اور ٹیونس کے صدر بن علی کی ملاقاتوں کی ویڈیوز۔

تو پھر یہ فریبی آخر کیسے اہل علم کی عیب جوئی کرتا ہے جنہوں نے کبھی بھی جابر سلاطین کی جھوٹی

تعریفیں نہیں کی ہیں؟!

آخر یہ فریبی کیسے اہل علم کی عیب جوئی کرتا ہے جنہوں نے صرف مسلمانوں کو نصیحت کی ہے اور سچی نصیحت کی ہے؟!

آخر یہ فریبی کیسے اہل علم کی عیب جوئی کرتا ہے جو کبھی جابر سلاطین کے دروازوں پر نہیں گئے اور نہ ہی انکے ظلم کی تائید کی؟!

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، انا نستعین علی صد کید الکائدین، واللہ ناصر دینہ وعبادہ المومنین۔



احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مصنف کی زیادتی

مصنف نے آگے ص ۱۵۱/ پر کہا:

(بعض لوگ اس حدیث کی رٹ لگاتے ہیں: "صبر کرو، کیونکہ جو بھی وقت آتا ہے اسکے بعد والا اس سے زیادہ برا ہوتا ہے، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرلو۔

اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے، اس سے مراد صحابہ ہیں کوئی دوسرا نہیں، کیونکہ آخر میں یہ جملہ ہے: "یہاں تک تم اپنے رب سے ملاقات کرو"؛ اسلئے کہ وہ سب سے بہتر زمانے میں تھے، یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ان کے درمیان تھا، پھر یہ حالت دھیرے دھیرے کم ہوتی گئی)۔

تبصرہ:

مصنف کا یہ کہنا کہ (کچھ لوگ اس حدیث کی رٹ لگاتے ہیں) یہ تنقیص کا کلمہ ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے ساتھ اس طرح کی گستاخی کوئی مومن نہیں کرسکتا!

مصنف نے کہا کہ (اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے، اس سے مراد صحابہ ہیں کوئی دوسرا نہیں، کیونکہ آخر میں یہ جملہ ہے: "یہاں تک تم اپنے رب سے ملاقات کرو"؛ اسلئے کہ وہ سب سے بہتر زمانے میں تھے، یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ان کے درمیان تھا، پھر یہ حالت دھیرے دھیرے کم ہوتی گئی)۔

یہ بھی مصنف کے دیگر مجرمانہ تحریفات میں سے ایک ہے، یہاں جواب میں صرف یہی کافی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سب سے زیادہ جانکاری رکھنے والے صحابی کے فہم

کے خلاف ہے، چنانچہ یہ خادم رسول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، جنہوں نے اس حدیث کو اس وقت بیان کیا تھا جب لوگوں نے آ کر آپ کے پاس حجاج بن یوسف کے ظلم کی شکایت کی تھی۔

اور اصل یہی ہیکہ احکام دین میں ساری امت برابر ہے خواہ وہ صحابہ ہوں کہ تابعین یا بعد کے لوگ ہوں تا قیامت۔

اہل علم میں سے کسی نے اس تخصیص کا ذکر نہیں کیا ہے جس کا دعوی مصنف نے کیا ہے، لیکن اگر کوئی اس کا قائل بھی ہو؛ تو یہ اس حدیث اور ان دیگر حدیثوں کے مفہوم کے خلاف ہے جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں۔

بلکہ یہی منہج ان لوگوں کا بھی ہے جو کہتے ہیں کہ شریعت عہد نبوی یا عہد صحابہ تک محدود تھی! اکثر یہ لوگ کمنسٹ اور بد دین ہوتے ہیں، انہیں لوگوں سے مصنف متاثر ہے، جیسا کہ آپ مصنف کی کتاب کے ص ۳۲۰ میں "نص کی تاریخ بندی" کے عنوان میں دیکھ سکتے ہیں۔

مصنف ہی کی منطق میں اگر کوئی چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ تم جس حدیث سے دلیل پکڑ کر خروج و بغاوت پر لوگوں کو ابھارتے ہو یعنی جو اپنی جان کے دفاع میں مارا جائے وہ شہید ہے، تو یہ حدیث صحابہ کے ساتھ خاص ہے!

اگر تم کہو گے کہ اس کا کوئی مخصص نہیں ہے۔

تو ہم کہیں گے کہ اسی طرح تم نے بھی جس حدیث کے بارے میں دعوی کیا ہے کہ وہ صحابہ ہے ساتھ خاص ہے اسکی بھی کوئی مخصص نہیں ہے۔



مصنف نے آگے ص ۱۵۱ / پر کہا:

(لیکن جہاں تک ان کے بعد والوں کا تعلق ہے تو انہوں نے تجدید و اصلاح کی تحریکوں کا مشاہدہ کیا، اور اس دین کے اندر اقبال ادبار یعنی عروج و زوال کی کشمکش جاری رہی ہے، اس قبیل سے تاریخ نے مختلف بدلاؤ کا مشاہدہ کیا ہے)۔

تبصرہ:

مصنف نے کہا: (لیکن جہاں تک ان کے بعد والوں کا تعلق ہے)۔

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو صحابہ کے بعد آئے، اور یہ مصنف خود گواہی دے رہا ہے بعد والے صحابہ کے طریقے کے خلاف تھے، کیونکہ مذکورہ حدیث کو مصنف نے صحابہ کے ساتھ خاص مانا ہے، بعد والے اس خطاب میں شامل نہیں ہیں، اس سے واضح ہے کہ صحابہ کے طریقے کے خلاف جس طریقہ اختیار کرتا ہے مصنف کی نظر میں وہی بہتر ہے، کیونکہ اسی طریقے کو مصنف نے تجدید و اصلاح کی تحریکوں سے تعبیر کیا ہے۔

ممکن ہے بعد والوں سے مصنف نے قاتلین عثمان اور ان جیسے بلوائیوں کو مراد لیا ہو جنہوں نے انقلاب اور تبدیلی کے نام پر بغاوت کیا تھا اور مصنف کے حساب سے انہوں نے تجدید و اصلاح کی تحریک برپا کی تھی، اس میں خوارج بھی شامل ہوں گے۔

لیکن سوال یہ ہیکہ کیا یہ تجدید و اصلاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اپنائے بغیر ہو سکتی ہے، جنکی حدیث کو ابھی ٹھکرا دیا یہ کہہ کر کہ یہ صحابہ کے ساتھ خاص ہے؟



مصنف نے آگے ص ۱۵۲/ پر کہا:

(اور یہ صحیح نہیں ہے کہ شرعی قوانین کو ظلم وفساد کیلئے استعمال کیا جائے؛ کیونکہ اللہ تعالی نے ان قدریہ کی مذمت کی ہے جنہوں نے کہا تھا جیسا کہ قرآن نے نقل کیا ہے: (لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ) ترجمہ: اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اس کے سوا کسی بھی چیز کی عبادت کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اس کے بغیر کسی بھی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ (النحل: ۳۵)۔

اور بعض لوگ اس قول کی رٹ لگاتے ہیں کہ "سلطان غشوم خیر من فتنۃ تدوم" ظالم حاکم نہ ختم ہونے والے فتنے سے بہتر ہے)۔

اسکے بعد مصنف نے ص ۱۵۳ پر کہا: (اسے محمول کیا جائے گا اس بات پر کہ ظالم حکومت کی بقا انارکی اور ہنگامی حالت پیدا کرنے سے بہتر ہے، مگر اس سے یہ حدیث منسوخ میں ہو جائے گی: " ألا إن أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر "سن لو! افضل جہاد ظالم حاکم کے پاس حق بات کا کہنا ہے۔ اسی طرح یہ حدیث بھی منسوخ نہیں ہو جائے گی: "سيد الشهداء حمزة بن عبد المطلب، ورجل قام إلى إمام جائر فأمره ونهاه فقتله " ترجمہ: سید الشہداء حمزہ بن عبد المطلب ہیں، اور وہ آدمی بھی شہید ہے جو کسی ظالم حاکم کے پاس جا کر امر و نہی کا فریضہ انجام دیا تو اس نے اسے قتل کر دیا۔ اسے حاکم نے جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، اسی طرح یہ روایت ابن عباس سے بھی مروی ہے، سیوطی نے اسے الجامع الصغیر کے اندر صحیح کہا ہے، اور البانی نے اسے حسن کہا ہے)۔

تبصرہ:

مصنف نے کہا کہ (" سلطان غشوم خیر من فتنۃ تدوم" ظالم حاکم نہ ختم ہونے والے فتنے سے بہتر ہے)۔

اسکے بعد مصنف نے ذکر کیا ہے کہ اس روایت کو ابن عسا کر نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی اس کلام کا مفہوم صحیح ہے، گرچہ یہ کوئی حدیث نہیں ہے، اور نہ ہی بطور حدیث یہ ثابت ہے، لیکن نتائج اور انجام کے اعتبار سے اسکا معنیٰ ثابت ہے۔ مصنف اس حدیث کے مفہوم کا اقرار بھی کرتا ہے اور ان احادیث وآثار کا معارضہ بھی کرتا ہے اور بغاوت کی خواہش بھی رکھتا ہے۔

مصنف جب یہ خود اقرار کر رہا ہے کہ (ظالم حکومت کی بقا انارکی اور ہنگامی حالت پیدا کرنے سے بہتر ہے) تو پھر کیوں انارکی اور ہنگامہ پھیلانے کی کوشش کرتا ہے اور اسکے خلاف جتنی بھی حدیثیں اور آثار ہیں ان کا معارضہ کرتا ہے؟!

اور جہاں تک مصنف کا یہ کہنا کہ (مگر اس سے یہ حدیث منسوخ میں ہو جائے گی: " ألا إن أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر " سن لو! افضل جہاد ظالم حاکم کے پاس حق بات کا کہنا ہے)۔

اس پر میں کہوں گا کہ ان آثار کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے، مگر مصنف دراصل ان نصوص کے درمیان تعارض دکھانے کی کوشش کر رہا ہے، تاکہ قاری کا ذہن تشویشناک بنا رہے، شکوک و شبہات میں ڈوبا رہے تاکہ احادیث وآیات سے اعراض کر کے ان فسادیوں کے افکار ونظریات کے

ساتھ بندھا رہے۔

اور جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے (أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر) تو اس کے اندر بھی ظالم حاکم کی سمع وطاعت کرنے سے نہیں روکا گیا ہے، بلکہ اس کے اندر بیان حق کی بات کی گئی ہے، اور یہ کہ اس حق بات کو ظالم حکام کے پاس آدمی کہے، چنانچہ اگر کوئی ظالم حکام کے سامنے حق بات کہتا ہے تو یقینا یہ ایک عظیم جہاد ہے، کیونکہ اس کارعظیم کی ہمت اکثر کے یہاں نہیں ہوتی ہے، یا تو ڈر ہی وجہ سے یا کسی دنیوی طمع کی وجہ سے۔

دوسرے یہ کہ ظالم حکام کے سامنے حق بات کہنے سے اسکے خلاف خروج و بغاوت اور اختلاف کرنا مراد نہیں ہے، پھر آخر مصنف ایسی حرکت کیوں کرتا ہے جس سے لگے کہ نصوص آپس میں ایک دوسرے سے متعارض ہیں !! کیا یہ صفت انہیں لوگوں کی نہیں ہے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:(فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ) ترجمہ: پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لئے۔(آل عمران:۷)۔

مصنف نے کہا کہ:(اسی طرح یہ حدیث بھی منسوخ نہیں ہو جائے گی:"سيد الشهداء حمزة بن عبد المطلب، ورجل قام إلى إمام جائر فأمره ونهاه فقتله" ترجمہ: سید الشہداء حمزہ بن عبد المطلب ہیں، اور وہ آدمی بھی شہید ہے جو کسی ظالم حاکم کے پاس جا کر امر و نہی کا فریضہ انجام دیا تو اس نے اسے قتل کر دیا۔اسے حاکم نے جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے)۔

ذہبی نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے، ابراہیم الصائغ عطاء سے روایت کرنے میں منفرد ہے، جسکے بارے میں ابو حاتم نے کہا کہ وہ حجت نہیں ہے۔

مصنف نے کہا کہ (اسی طرح یہ روایت ابن عباس سے بھی مروی ہے، سیوطی نے اسے الجامع الصغیر کے اندر صحیح کہا ہے، اور البانی نے اسے حسن کہا ہے)۔

اس مصنف کا معاملہ عجیب ہے! اس سے پہلے حدیث "سلطان زمین پر اللہ کا سایہ ہے" کو موضوع بتایا جبکہ شیخ البانی اور اہل علم کی ایک جماعت نے اسے حسن کہا ہے۔

لیکن یہاں پر اس حدیث کو اپنی بغاوتی فکر کی تائید میں پیش کرتے وقت شیخ البانی کے حکم کو نقل کر دیا!



مصنف عقلانی مذہب کی تحسین اس قدر کرتا ہے کہ جس سے شریعت پر اعتراض لازم آتا ہے

مصنف نے آگے ص ۱۵۳ / پر کہا:

(یہ ٹھیک نہیں ہے کہ لوگوں کو صرف کسی برے کام اور اس سے بھی زیادہ برے کے درمیان آپشن دیں، کیونکہ شریعت کے اندر لوگوں کو خیر کی توقع دلائی گئی ہے، اور اسی کی طرف جانے کی دعوت دی گئی ہے، اور فاسد صورت حال پر قانع رہنے سے روکا گیا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی اس فساد کو ہاتھ اور زبان سے نہ روک سکتا ہو تو اسے دل میں نکیر کرنے کا حکم آیا ہے)۔

تبصرہ:

مصنف کے تمام کو اکٹھا کریں گے تو اس کا مقصد اصلی سمجھ میں آئے گا:

چنانچہ اس سے پہلے مصنف نے کہا کہ: (اس طرح کے اقوال بعض خطباء اور فتنوں سے آگاہ کرنے والے بیان کرتے رہتے ہیں جیسا کہ وہ خود اپنے بارے میں کہتے ہیں۔ انکے حساب سے امت کے سامنے صرف دو ہی آپشن ہیں: یا تو حکام کے ظلم و استبداد پر صبر کرو یا پھر انارکی اور خانہ جنگی کا سامنا کرو، اسی طرح کے مسلک اور منہج کی دھمکی دیکر جابر سلاطین (طغاۃ) نے اپنے آخری ایام میں یاد دلایا تھا، جن پر یہ کلام صادق آتا ہے کہ "حق بات پیش کر کے باطل مراد لیا جائے")۔

لیکن یہاں پر فتنوں کے خاتمے کیلئے سلف کے اقوال سے استدلال کر رہا ہے پھر یہ بھی کہہ رہا ہے کہ بعض لوگ صبر والی حدیثوں کی رٹ لگا رہے ہیں، پھر آگے یہ بھی کہتا ہے کہ (یہ ٹھیک نہیں ہے کہ

لوگوں کو صرف کسی برے کام اور اس سے بھی زیادہ برے کے درمیان آپشن دیں)۔

مصنف کے اس کلام سے اسکے موقف کا پتہ چلتا ہے کہ شریعت اسلامیہ کے تعلق سے اس کا کیا نظریہ ہے، ایسا نظریہ کہ جسے بیان کرنے سے زبان لڑکھڑا جائے، ہاتھ کانپ جائے اور یہ غور وفکر کرنے ہر مجبور ہو جائے کہ کیا مصنف اللہ کی شریعت پر اعتراض کر رہا ہے کہ جس نے شریعت کو اتارا اور ہدایت کی راہ کو واضح کیا؟! یا وہ اپنے اس قول سے کیا مراد لے رہا ہے: (یہ ٹھیک نہیں ہے کہ لوگوں کو صرف کسی برے کام اور اس سے بھی زیادہ برے کے درمیان آپشن دیں)؟!

شریعت کے اندر دو شر میں جو کم ہو یا دو مفسدہ میں جو کم ہو اسکے ارتکاب کی اجازت ہے اگر معاملہ انہیں دونوں کے بیچ میں محصور ہو، اسی اخف الضررین اور اھون البلیتین کہتے ہیں جیسے کہ یہ حدیث وارد ہوئی ہے: (کن عبد الله المقتول ولا تکن عبد الله القاتل) ترجمہ: اللہ کا قاتل بندہ نہ کر اسکا مقتول بندہ بنو۔

اگر مصنف کی مراد یہی ہے تو پھر اس شریعت پر اعتراض ہے جس نے اس قاعدے کو بنایا ہے اور علمائے اسلام نے جسکی وضاحت کی ہے۔

اور شریعت نے یقینا اس چیز کا خیال کیا ہے جس میں شر کم ہو تا کہ انسان اسی پر عمل کر سکے، اور تا کہ بڑے شر سے بچ سکے، یہ بہت ہی عظیم قاعدہ ہے جسے علمائے اسلام نے ذکر کیا ہے، اور اس کیلئے کتاب وسنت سے استدلال کیا ہے، قرآن سے اسکی سب سے واضح دلیل یہ آیت ہے: (فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ) ترجمہ: پھر جو شخص بھوک کی کسی صورت میں مجبور کر دیا جائے، اس حال میں کہ کسی گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔(المائدہ: ۳)۔

آیت کے اندر دو مفسدے کو ذکر کیا گیا ہے: پہلا: مردار کھانا، دوسرا: جان تلفی، چنانچہ شریعت نے دونوں میں جو کم تر ہے اسی کے ارتکاب کی اجازت دی ہے، یعنی مردار کھانے کی تاکہ جان ہلاکت سے بچ جائے جو کہ پہلے کے مقابلے بڑا مفسدہ ہے۔

اسی طرح سنت نبویہ سے مسجد میں پیشاب کرنے والے دیہاتی کا وہ قصہ ہے جس میں پہلا مفسدہ پیشاب کے ذریعے مسجد کو ملوث کرنا ہے اور دوسرا مفسدہ اسلام سے اسے متنفر کرنا ہے، اور ڈانٹنے والوں کے خلاف اسکے دل میں دشمنی بھرنا نیز مسجد کو مزید ملوث کرنا ہے، اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ڈانٹنے سے روک دیا تاکہ وہ بڑے مفسدے میں واقع نہ ہو۔

اسکے علاوہ بھی اس کی کئی مثالیں ہیں جنہیں اہل علم نے فقہی قواعد کے تحت نقل کیا ہے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ مصنف کا یہ کہنا کہ (یہ ٹھیک نہیں ہے کہ لوگوں کو صرف کسی برے کام اور اس سے بھی زیادہ برے کے درمیان آپشن دیں) اس کا واضح مطلب شریعت سازی میں رب العالمین سے ٹکرانا ہے، اور اس شریعت پر اعتراض کرنا ہے جس نے صبر اور نصح وخیر خواہی کے ذریعے ظالم حاکم کے شر کو دفع کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ خروج و بغاوت کی وجہ سے اس سے بڑا مفسدہ مرتب نہ ہو جس میں کہ انسانیت کا خون ہو، اختلاف وانتشار، انارکی اور دوسری بھیانک برائیاں جنم لیں جو ظالم حاکم کی حکمرانی سے کہیں زیادہ بڑے مفاسد ہیں۔

چنانچہ مصنف کا یہ سب سے زیادہ قبیح کلام ہے، اگر واقعی اس نے ہوش وحواس کے ساتھ یہ بات کہی ہے تو یقینا اس نے اپنی عقل کو شریعت پر فیصل بنا دیا ہے، اور اللہ اور اسکے رسول کے دشمنان معتزلہ کا راستہ اختیار کیا ہے۔



مصنف نے آگے ص ۱۵۴/ پر کہا:

(یہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں وارد ہوا ہے کہ" جیسا تم رہو گے ویسا ہی تمہارا حاکم بھی ہوگا"، تو اسے دیلمی نے مسند الفردوس میں ابو بکرہ سے اور بیہقی نے ابو اسحق سبیعی سے مرسل روایت کیا ہے، اور حافظ ابن حجر اور البانی جیسے کئی اہل علم نے اسے ضعیف کہا ہے، مگر اس کے اندر ایک معنی کی توجیہ ہو سکتی ہے جسکا تعلق تبدیلی اور اسکی سنت سے ہے، یعنی بہتر کی طرف تبدیلی کی دعوت، اسلئے کہ حاکم بہتر اور اصلاح کی طرف اپنا رخ تبدیل کرتا ہے جب دیکھتا ہے کہ لوگوں کے ارادے اور رغبت بہت پختہ ہو چکی ہے، اس طرح پائیدار تبدیلی کا آغاز خود عوام کی طرف سے ہوتی ہے)۔

تبصرہ:

مصنف کا یہ کلام خود اسکے کلام اور فکر سے متعارض ہے، کیونکہ جب یہ پائیدار تبدیلی کا آغاز خود عوام کی طرف سے ہوتا ہے تو پھر مصنف اور اس جیسے دوسرے سر پھرے کیوں اپنا سر کھپا رہے ہیں اور حکام کے خلاف خروج و بغاوت کے ذریعے تبدیلی کا آغاز حکام سے کرنے کی سعی نامسعود میں لگے ہوئے ہیں؟! جبکہ اللہ تعالی کا بھی یہی فرمان ہے: (إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ) ترجمہ: بے شک اللہ نہیں بدلتا جو کسی قوم میں ہے، یہاں تک کہ وہ اسے بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے۔ (الرعد: ۱۱)۔

پتہ چلا کہ تبدیلی کا آغاز خود عوام کی طرف سے ہوتا ہے نہ کہ حاکم کی طرف سے۔

طرطوشی رحمہ اللہ نے کہا کہ میں لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنتے آیا ہوں کہ تمہارے اعمال تمہارے ہی حکام ہیں، جیسا تم رہو گے ویسا ہی تم پر حاکم مسلط ہوں گے، یہاں تک کہ میں اسکا مفہوم قرآن کی اس

آیت سے حاصل کرلیا:(وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ)
ترجمہ: اوراسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا دوست بنا دیتے ہیں، اس کی وجہ سے جو وہ کمایا کرتے تھے۔(الانعام:۱۲۹)۔(سراج الملوک:۹۴)۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ ہر زمانے کا فتنہ اہل زمانہ کے حساب سے ہوتا ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب سے بہتر زمانہ میرا ہے جس میں میں مبعوث کیا گیا، پھر جو اس کے بعد آئیں گے، پھر وہ جو اسکے بعد آئیں گے۔ اور اس زمانے کے بعد جو فتنے رونما ہوں گے وہ اہل زمانہ کے حساب سے ہوں گے۔ اور یہ مروی ہیکہ جیسا تم رہو گے ویسا ہی تم پر حاکم مسلط ہوں گے۔
اور ایک اثر میں اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں، بادشاہوں کا بادشاہ، بادشاہوں کے دل اور انکی پیشانی میرے ہاتھ میں ہے، جو میری اطاعت کرے گا اس پر میں اپنی رحمت نازل کروں گا، اور جو میری نافرمانی کرے گا اس پر میں اپنا عذاب نازل کروں گا، اس لئے بادشاہوں کو گالی دینے میں مشغول مت رہو، میری اطاعت کروانکے دلوں کو تم پر نرم کردوں گا۔

اور گناہوں کی سزائیں توبہ واستغفار، نیکیوں اور کفارہ والی مصیبتوں سے ختم ہوتی ہیں۔(مجموع الفتاوی:۴/۵۴۶)۔



مصنف نے آگے ص ۱۵۴ / پر کہا:

(امام مالک رحمہ اللہ کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ آپ نے دو تہائی لوگوں کی اصلاح کی خاطر ایک تہائی لوگوں کے قتل کو جائز قرار دیا ہے، علامہ شنقیطی صاحب تفسیر نے کہا کہ جہاں تک لوگوں کا یہ دعوی کہ (امام مالک رحمہ اللہ نے دو تہائی لوگوں کی اصلاح کی خاطر ایک تہائی لوگوں کے قتل کو جائز قرار دیا ہے) تو یہ دعوی باطل ہے، امام مالک نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے، اور نہ ہی آپ کے اصحاب میں سے کسی نے اسے نقل کیا ہے، اور نہ ہی ایسی کوئی بات آپ کے مذہب کی کتابوں میں موجود ہے، جیسا کہ قرافی اور محمد بن حسن بنانی وغیرہ نے تحقیق کی ہے، اور امام مالک کے مذہب کو ہم نے بھی ایک زمانے تک پڑھا ہے، اور ہم بھی جانتے ہیں کہ یہ دعوی باطل ہے، اور جنہوں نے بھی اس قول کو امام مالک کی طرف منسوب کیا ہے اس نے بر سبیل طعن اور رد کے نیز مصالح مرسلہ میں توسع کی خاطر منسوب کیا ہے، سو اس قول کا کوئی قائل نہیں ہے نہ ہی مالکیہ میں سے کوئی ہے اور نہ ہی دوسرے مذاہب میں سے کوئی ہے)۔

تبصرہ:

جب یہ قول باطل ٹھہرا اور مصنف جیسے لوگوں کیلئے اس میں کوئی حجت نہیں ہے تو پھر ائمہ دین کی اقتداء کا دعوی کر کے آخر کیوں لوگوں کو ظلم وفساد کے نام پر حکام کے خلاف بھڑکاتے ہیں، گرچہ اس میں کتنے ہی لوگوں کی جانیں چلی جائے!

اور مصنف کیلئے یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ جو تبدیلی کی قیمت آج نہیں ادا کرے گا وہ کل عدم تبدیلی کی قیمت ضرور چکائے گا)۔

اور بہت سارے مفاسد اور قتل وخونریزی کے باوجود ان لوگوں نے بغاوت اور انقلاب کو جائز قرار دیا پھر یہ کیسے کہتے ہیں کہ ہم لوگوں سے ظلم کو ختم کرنا چاہتے ہیں؟!



مصنف نے آگے ص ۱۵۹/ پر کہا:

(پھر ایک پر لطف سوال ابھرتا ہے جو مستقبل کے صیغے میں بڑا ہی موثر ہے کہ جس وقت اسلام پسندوں کی حکومت ہوگی تو کیا اس وقت ان لوگوں کی سمع وطاعت کا نظریہ بدل جائے گا؟ غالب گمان یہی ہیکہ ضرور بدل جائے گا)۔

تبصرہ:

شاید یہاں مصنف نے ان حزبی جماعتوں کو مراد لیا ہے جو سلف صالح کے منہج سے منحرف ہیں، اور یہاں پر مصنف نے یہ اعتراف کیا ہے کہ سمع وطاعت کا نظریہ اس وقت انکے یہاں بدل جائے گا! یہی خواہشات نفس کی پیروی ہے کہ جب حاکم ان کی جماعت سے ہو تو اسکے لئے سمع وطاعت واجب ہو جائے جیسا کہ انکے بعض کبار مرشدین نے اسکی صراحت کی ہے، چنانچہ انکے نزدیک اس حاکم کے خلاف خروج و بغاوت حرام ہے جو ان کی جماعت سے ہو، بلکہ اسکے لئے سمع وطاعت واجب ہے! اور یہ انکا عقیدہ اور دین ہے، پتہ چلا کہ یہ اقتدار اور نفس پرستی کی خاطر بھولی عوام کی عقلوں سے کھلواڑ کرتے ہیں اور انہیں دین کے نام پر دھوکہ دیتے ہیں۔



تکثیریت اور دین کے نام پر مسلم حکومت میں حزبی اور لادینی نعروں کا بلند کرنا

مصنف نے آگے ص ۲۸ / پر کہا:

(اسلام پسند اسلام کی نمائندگی نہیں کرتے ہیں بلکہ یہ ایک پلان کے نمائندہ ہیں جسے یہ سماج کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور جو اسلام پر ایک مرجع کی حیثیت سے اعتماد کرتا ہے، لیکن وہ اپنے نظریات میں عصمت کا دعوی نہیں کرتا ہے، اسی میں کبھی مرجوح قول ہوتا ہے تو کبھی غلط، اور کبھی صحیح، لیکن وہ مناسب وقت پر نہیں ہوتا۔

اسلام پسندوں کا یہ کام نہیں ہیکہ کچھ چنندہ ناموں کے ساتھ ایک خاص خاکے کو مزین کریں تاکہ یہ ثابت کرسکیں کہ ہم تنوع اور تکثیریت میں یقین رکھتے ہیں، بلکہ ہم ایک سیاسی طرح پیش کرتے ہیں جو صریح خطاب کے ساتھ حقائق حال پر مبنی ہوتا ہے، اور ہم ایسے عام مقاصد عامہ پیش کرتے ہیں جن سے پورا سماج مستفید ہو؛ جیسے کہ سیاسی انصاف، معاشی ترقی، حقوق کا تحفظ، اقتدار کی تقسیم، سیاسی کھیل کے اصولوں کو تسلیم کرنا اور اقتدار کی پر امن منتقلی)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف نے اس بات کی تاکید کردی کہ وہ کن لوگوں کو حزبی جماعت کہہ رہا ہے، گروہ بندی کو تسلیم کر رہا ہے، سیاسی نعروں کو بلند کر رہا ہے جن پر سیکولر لادینیت پسند یقین کرتے آئے ہیں، جیسے کہ: (سیاسی عدل وانصاف، معاشی ترقی، حقوق کا تحفظ، اقتدار کی تقسیم، سیاسی کھیل کے اصولوں کو تسلیم کرنا اور اقتدار کی پرامن منتقلی)۔ بالکل یہی نعرے شریعت سے منحرف اباحیت پسند بھی بلند

کرتے ہیں، پھر آپ دیکھیں گے کہ مصنف نے مسلم اور غیر مسلم کو برابر ٹھہرا دیا ہے، اور یہ اللہ کے اس قول کے مخالف ہے: (أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ) ترجمہ: کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح کر دیں گے؟ یا کیا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟ (ص: ۲۸)۔

اسی طرح اس قول کے بھی منافی ہے جس میں کفار کو ہم راز بنانے کی ممانعت ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، وہ تمھیں کسی طرح نقصان پہنچانے میں کمی نہیں کرتے۔ (آل عمران: ۱۱۸)۔

اسی طرح مصنف کے کلام سے بالکل واضح ہیکہ مصنف شریعت کو سیاست سے کلی طور پر جدا کر دینا چاہتا ہے، اور یہی خالص لادینیت ہے! اسی کو باطل کے ساتھ حق کو گڈ مڈ کرنا کہتے ہیں، فرق یہی ہیکہ لادینیت پسندوں کی گمراہی ان منافقوں کی گمراہی سے کم خطرناک ہے کیوں کہ وہ اپنے موقف میں بالکل واضح ہوتے ہیں جبکہ یہ سارا کھیل دین کے نام پر کھیلتے ہیں جسکی وجہ سے عوام جلد ہی انکی چال میں آجاتی ہے۔



مصنف نے آگے ص ۱۶۱ / پر کہا:

(اس باب میں سب سے اہم اسلامی بلند اخلاق کے اصولوں کو پیش کرنا اور یہ یاد دلانا ہے کہ نبوی دار الخلافہ (مدینہ) نسل اور دین کے اعتبار سے متنوع تھا، وہاں عرب اور یہود بھی تھے، اوس وخزرج اور انصار و مہاجرین بھی تھے، اور اسلام کے ساتھ یہودی دین بھی تھا، وہیں پر نفاق بھی ایک لمبے زمانے تک تھا، بت پرست بھی وہاں رہتے تھے، بلکہ مدینہ کے اطراف میں یہی لوگ تھے، لیکن نبوی حکمت کے ساتھ اس بحر متلاطم میں اسلام کا سفینہ کامیابی سے چلتا رہا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت اور لمبی راحت اور صبر کے سوا کسی حل کی ضرورت نہیں پڑی، یہاں تک بے پرست اور منافقین ختم ہو گئے، صحیح حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے قول: (فقاتلوا أئمة الكفر) ترجمہ: کفر کے اماموں سے قتال کرو۔ (التوبہ: ۱۲) کے بارے میں کہا کہ اس آیت کے مصداق صرف تین لوگ باقی رہ گئے ہیں، اور منافقین میں سے صرف چار رہ گئے ہیں، ان میں سے ایک عمر دراز بوڑھا ہو چکا ہے، وہ ٹھنڈا پانی بھی پیتا ہے تو اسے ٹھنڈک کا احساس نہیں ہوتا)۔

تبصرہ:

اسکے جواب میں کہوں گا:

پہلی بات:

سب سے بڑی مصیبت مغربی مناہج کو صحیح ماننا اور ان پر راضی ہونا ہے، جیسے کہ مغرب کا کافرانہ نظام جمہوریت، اور مصنف نے یہی کچھ کیا ہے، اور اس سے بھی بڑی مصیبت، فتنہ اور خطرہ یہ ہیکہ اس گمراہی کو شریعت کی طرف منسوب کر دیا گیا، چنانچہ مصنف کا گمان ہیکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ

میں مختلف ادیان اور نسلوں کے ساتھ رہتے تھے، اس سے وہ سیاسی تنوع کی طرف اشارہ کررہا ہے جس کی دعوت مغربی جمہوریت دیتی ہے۔

دوسری بات:

اس سے بھی بھیانک یہ ہیکہ مصنف نے کہا: (وہاں عرب اور یہود بھی تھے، اوس وخزرج اور انصار ومہاجرین بھی تھے، اور اسلام کے ساتھ یہودی دین بھی تھا)۔

حالانکہ یہ سب عرب تھے حتی کہ یہود بھی عرب تھے! پھر آخر نسلی تنوع کہاں سے آیا!

تیسری بات:

مصنف نے کہا کہ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت اور لمبی راحت اور صبر کے سوا کسی حل کی ضرورت نہیں پڑی) جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود وقصاص کی تنفیذ کی، اللہ کی راہ میں جہاد کیا، کفار سے قتال کیا، اور یہود ومنافقین کو کبھی بھی پائیداری عطا نہیں کی اور نہ ہی مسلمانوں پر انہیں کبھی ذمہ دار بنایا، چنانچہ کبھی بھی انہیں گورنر یا کوئی ذمیدار نہیں بنا کر کہیں بھیجا، اور نہ ہی کبھی ان سے مشورہ لیا، بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے قتال کیا جب انہوں نے وعدے کو توڑ دیا، اور آپ نے قریظہ اور بنی نضیر کو مدینہ سے جلاوطن کردیا۔

چوتھی بات:

مصنف نے گمان کیا کہ منافقین ختم ہوگئے اور اس کے لئے اس نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے احتجاج کیا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے قول: (فقاتلوا أئمة الكفر) ترجمہ: کفر کے اماموں سے قتال کرو۔ (التوبہ: ۱۲) کے بارے میں کہا کہ اس آیت کے مصداق صرف تین لوگ باقی رہ گئے ہیں، اور منافقین میں سے صرف چار رہ گئے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہیکہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی مراد وہ منافقین ہیں جن کے بارے میں آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ نفاق کا خاتمہ ہوگیا، اب نہیں پایا جائے گا، یہ ایک بدیہی امر ہے، نفاق باقی رہے گا، اور منافقین بھی باقی رہیں گے، جنکے معلوم صفات ہیں، نفاق یا تو اعتقادی ہوتا ہے جو دین سے خارج کر دیتا ہے یا پھر عملی ہوتا ہے جو دین سے خارج نہیں کرتا ہے، میں نفاق اور اہل نفاق سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

پھر تعجب یہ ہیکہ مصنف کیسے صبر کی بات کرتا ہے جبکہ آیت قتال کے بارے میں صریح ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے ان تین لوگوں جن کی طرف حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا، سے قتال نہ کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے کہا کہ آپ نے ان سے قتال نہیں کیا کیونکہ اسکی شرط مفقود تھی، کیونکہ آیت میں کہا گیا ہے: (وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ) ترجمہ: اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمھارے دین میں طعن کریں تو کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو۔ بے شک یہ لوگ، ان کی کوئی قسمیں نہیں ہیں، تاکہ وہ باز آجائیں۔ (التوبہ: ۱۲)۔

چنانچہ جب انہوں نے کوئی بدعہدی نہیں کی اور نہ ہی طعن و تشنیع کیا تو ان سے قتال بھی نہیں کیا گیا۔ (فتح الباری: ۸ / ۳۲۳)۔

نفاق ختم نہیں ہوا ہے اس پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَيْسَ مِنْ بَلَدٍ إِلَّا سَيَطَؤُهُ الدَّجَّالُ إِلَّا مَكَّةَ وَالْمَدِينَةَ، وَلَيْسَ نَقْبٌ مِنْ أَنْقَابِهَا إِلَّا عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ صَافِّينَ تَحْرُسُهَا، فَيَنْزِلُ بِالسِّبْخَةِ، فَتَرْجُفُ الْمَدِينَةُ ثَلَاثَ رَجَفَاتٍ

يَخْرُجُ إِلَيْهِ مِنْهَا كُلُّ كَافِرٍ وَمُنَافِقٍ"۔

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی شہر ایسا نہیں جس میں دجال نہ جائے سوائے مکہ اور مدینہ کے۔ مکہ اور مدینہ کے ہر راستہ پر فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے اور چوکیداری کریں گے۔ پھر دجال اس سرزمین میں اترے گا (مدینہ کے قریب) اور مدینہ تین بار کانپے گا (یعنی تین بار اس میں زلزلہ ہوگا) اور جو اس میں کافر یا منافق ہوگا وہ دجال کے پاس چلا جائے گا۔" (صحیح بخاری: ۱۸۸۱، صحیح مسلم: ۲۹۴۳)۔

مصنف نے غلط استدلال کر کے کافر اور منافق گروہوں کو بھی اقتدار میں حصہ دینے کو جائز ٹھہرایا ہے، یہ کہتے ہوئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں منافقین، یہود اور مشرکین سبھی لوگ پائے جاتے تھے، لیکن یہاں پر مصنف نے بات کو مجمل کر کے پیش کیا ہے پوری صراحت کے ساتھ اپنی بات نہیں رکھی ہے کیونکہ ایسی صورت میں اسکی جمہوری دعوت کھل کر سامنے آجاتی، جبکہ حقیقت یہ ہیکہ منافقین ہوں یا یہودی یا مشرکین سب اس وقت مغلوب ومقہور تھے، انکی کوئی حیثیت نہیں تھی، امور قتال یا کسی دوسرے امور میں ان سے کوئی رائے نہیں لی جاتی تھی، اور نہ ہی کوئی ایسا دستور وضع کیا گیا تھا جیسا کہ مصنف کا دعوی ہے کہ جس کے اندر اسلام، یہودیت اور دوسرے تمام ادیان اور بدعتی مذاہب کیلئے قدر مشترک پایا جاتا ہو!

یہاں قاری کے سامنے واضح ہوگیا کہ مصنف نے کھل کر کہہ دیا کہ حاکم وقت عقیدہ اور توحید کو ملک میں بلند نہیں کرسکتا اور نہ ہی کفار ومنافقین پر رد کرسکتا ہے، بلکہ مصنف نے یہاں تک گمان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دعوت اور صبر سے کام لیا ہے، اقتدار کی طاقت کا استعمال نہیں کیا ہے، جبکہ یہ واضح مغالطہ ہے، سیرت نبوی کا ادنی طالب علم بھی اسے اچھی جانتا ہے، کیونکہ یہ چیز صرف

ہجرت سے قبل مکہ میں تھی، ہجرت کے بعد وہ صورت حال نہیں تھی، بلکہ مدینہ میں طاقت، اقتدار اور تحفظ سب حاصل تھا۔

یہاں پر مصنف تکثیریت کی دعوت دے رہا ہے اور تمام نفس پرستوں اور اہل باطل کو اقتدار میں حصہ دے رہا ہے، خواہ اسکا دین اور عقیدہ کچھ بھی ہو، چنانچہ مصنف کہتا ہے کہ امت کا پلان اور اس کی زمہ داری صرف اسلام پسندوں ہی پر نہیں ہے بلکہ تمام افراد کا اس میں حصہ ہے، یہاں تک غیر مسلمین بھی امت کے اس پلان میں برابر کے شریک ہیں!!

جبکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ اسلام اور قرآن کی دعوت سے جو بھی خارج ہوگا خواہ وہ نسب ہو، ملک ہو، جنس ہو، مذہب ہو یا منہج وہ جاہلی پکار ہوگا۔ (السیاسہ الشرعیہ، ص ۱۱۳)۔

ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ) ترجمہ: اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو الگ الگ ہو گئے اور ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح احکام آ چکے اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ (آل عمران: ۱۰۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ [118] إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ) ترجمہ: اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی راہ پر ایک گروہ کر دیتا۔ وہ تو برابر اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے [118] بجز ان کے جن پر آپ کا رب رحم فرمائے، انہیں تو اسی لئے پیدا کیا ہے، اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہے کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے پر کروں گا۔ (ھود: ۱۱۹)۔

یہاں پر مصنف نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں اور مشرکوں کو نہیں چھیڑا سوائے دعوت اور صبر کے، بلا شبہ منافقین سے آپ نے تعرض نہیں کیا مفسدہ کے خاتمے کی وجہ سے، تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہے ہیں، لیکن آپ نے ان کے نفاق کو بیان کیا، انہیں ایکسپوز کیا، اور لوگوں کو سختی کے ساتھ ان سے آگاہ کیا، اسی لئے آپ بڑے بڑے مجمع میں سورہ منافقین کی تلاوت کرتے تھے، جسکے اندر منافقین کے کفر اور جھوٹ کو واضح کیا گیا ہے، انکے اوصاف کو بیان کیا گیا ہے اور مومنوں کو ان سے سختی کے ساتھ آگاہ کیا گیا ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدعت کے داعیوں سے بھی آگاہ کرتے تھے اور انکے بارے میں کہتے تھے کہ یہ دوزخ کے داعی ہیں، جو بھی انکے پاس جائے گا اسے یہ دوزخ میں گرا دیں گے۔
جبکہ مصنف کہتا ہے کہ (تشکیل جدید ہی تمام باشندگان ملک کی حکومت ہوگی، بلا استثناء اس میں نیک و بد، مومن اور غیر مومن یہاں کہ غیر مسلمین سب شامل ہوں گے)!
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی گمراہ لیڈروں سے خائف تھے، یہ مصنف کھل کر یہ اعتراف کر رہا ہے کہ ہر طرح لوگ نظام حکمرانی میں شامل ہوں گے گویا کافروں کو مسلمانوں پر مسلط کرنا چاہتا ہے بلکہ اس پر ابھار رہا ہے۔

مصنف یہاں پر تکفیریت اور حزبیت کے نام پر عقیدہ اور دین مخالف ایسے لوگوں کو مسلط کرنا چاہتا ہے جو اپنے ساتھ مسلمانوں کو بھی آگ کے گڑھے میں گرا دیں، ارشاد باری تعالی ہے: (فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ) ترجمہ: پھر وہ اپنے معاملے میں آپس میں کئی گروہ ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ہر گروہ کے لوگ اسی پر بہت خوش ہیں جو ان کے پاس ہے۔ (المومنون: ۵۳)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ [31] مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ) ترجمہ: اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور شرک کرنے والوں سے نہ ہو جاؤ۔ [31] ان لوگوں سے جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی گروہ ہو گئے، ہر گروہ اسی پر جو ان کے پاس ہے، خوش ہیں۔ (الروم: ۳۲)۔

یہاں پر مصنف نے بدعات، کفر و نفاق اور حکام کے خلاف خروج و بغاوت سب کی رخصت دے رکھی ہے، لیکن علمائے اہل سنت والجماعہ کو یہ رخصت نہیں دی ہے کہ وہ کتاب وسنت کی واضح تعلیمات کو عام کریں بلکہ مصنف ان علماء کے سخت خلاف ہے اور ہر موڑ پر انکی تنقیص کرتا ہے۔



مصنف نے آگے ص ۱۶۲/ پر کہا:

(اسلام پسندوں کا یہ حق ہیکہ وہ اپنے چھینے گئے وجود اور آزادی کو واپس لائیں کیوں کہ یہ بھی امت کے حاضر اور مستقبل کا حصہ ہیں)۔

تبصرہ:

یہ معلوم ہیکہ یہ اصطلاح (اسلام پسند) متعدد بدعتی فرقوں، جماعتوں اور سیاسی پارٹیوں پر بولا جاتا ہے، جس سے واضح ہیکہ مصنف تمام گمراہ اور بدعتی طریقوں کی تائید کررہا ہے، گویا مصنف کے نزدیک ان سبھی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے چھینے گئے وجود کو واپس لائیں۔



مصنف کے نزدیک امت کا پلان اسی وقت پورا ہو گا جب اس میں یہود ونصاری اور اہل بدعت بھی برابر کے شریک کار ہوں گے!

مصنف نے آگے ص ۱۶۲ / پر کہا:

(امت کے پلان کو صرف ایک ہی گروہ پورا نہیں کرسکتا، بلکہ ضروری ہے کہ اسکے تمام افراد اس میں شریک کار ہوں؛ خواہ وہ اسلام پسند ہیں یا حجت اسلام پسند، فکری اور مذہبی اعتبار سے تمام جماعتیں اورتحریکیں اس کا حصہ بنیں، اسی طرح وہ غیر مسلمین بھی جو عرب قوموں کا حصہ ہیں، اور انکا بھی تاریخی کردار رہا ہے)۔

تبصرہ:

آخر مصنف کیسی امت مراد لے رہا ہے؟! اللہ نے تو امت کو صرف اسلام سے ممتاز کیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا) ترجمہ: آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔ (المائدہ: ۳)۔

اور اللہ نے کبھی بھی اس امت کو کفار کا محتاج نہیں بنایا ہے وہ کفار جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ

إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ،تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ یقینا انھوں نے اس حق سے انکار کیا جو تمھارے پاس آیا ہے، وہ رسول کو اور خود تمھیں اس لیے نکالتے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو، جو تمھارا رب ہے، اگر تم میرے راستے میں جہاد کے لیے اور میری رضا تلاش کرنے کے لیے نکلے ہو۔تم ان کی طرف چھپا کر دوستی کے پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ میں زیادہ جاننے والا ہوں جو کچھ تم نے چھپایا اور جو تم نے ظاہر کیا اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرے تو یقینا وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔(الممتحنہ:۱)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ) ترجمہ: اور تجھ سے یہودی ہرگز راضی نہ ہوں گے اور نہ نصاریٰ، یہاں تک کہ تو ان کی ملت کی پیروی کرے۔کہہ دے بے شک اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔اور اگر تو نے ان کی خواہشات کی پیروی کی، اس علم کے بعد جو تیرے پاس آیا ہے، تو تیرے لیے اللہ سے (چھڑانے میں) نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔(البقرہ:۱۲۰)۔

امت کا پلان اور اسکی ترقی خود مسلمانوں کے ہاتھوں ہوں گی جب یہ اللہ کی شریعت پر پورے طور سے قائم ہوجائیں گے، جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا تھا کہ (اس امت کے بعد والوں کی اصلاح اسی منہج اور طریقے سے ہوسکتی ہے جس پر پہلے کے لوگ قائم تھے)، اور حدیث افتراق کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "

لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ، حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ، وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي"۔

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری امت کے ساتھ ہو بہو وہی صورت حال پیش آئے گی جو بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آچکی ہے، (یعنی مماثلت میں دونوں برابر ہوں گے) یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے اگر اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس فعل شنیع کا مرتکب ہوگا، بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ کون سی جماعت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ”یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے“۔(سنن ترمذی: ۲۶۴۱)۔

یہاں پر مصنف کھل کر اپنے موقف کا اعتراف کر رہا ہے کہ غیر مسلمین یہود ونصاری اور ملحدین کا تاریخی کردار رہا ہے اسلئے یہ بھی مسلمانوں کے ساتھ امت کے پلان اور اسکی ترقی میں برابر کے شریک کار ہوں گے!!

شاید مصنف یہ بھی بتائے کہ ان غیر مسلمین یہود ونصاری اور ملحدین کا مسلمانوں کے ساتھ امت کے پلان اور اسکی ترقی میں کیا کردار رہے!!



مصنف نے آگے ص ۱۶۲/ پر کہا:

(اگر اس وقت حالات سازگار نہیں ہوں گے ایک ایسی حکومت کے قیام کیلئے جو عربوں کو یا یہ کہہ لیں کہ تمام مسلمانوں کو جمع کر سکے تو ہمیں چاہئے کہ ہم کم از کم باہمی متفقہ اقدار کیلئے مل کر کام کریں جیسے کہ عدل وانصاف، آزادی، انسانی عزت وکرامت، حقوق کا تحفظ، ترقیاتی امور میں زور لگانا، اخلاقی، سیاسی اور علمی ہر اعتبار سے باطل کے خلاف حق کا مقابلہ کرنا، سائنس اور ٹکنالوجی ترقی کا بہتر طریقے سے استعمال کرنا اور سیاسی، معاشی اور تہذیبی نظم ونسق کے دائرہ کار کو وسیع کرنا)۔

تبصرہ:

جن بلند اقدار کو مصنف نے گنایا ہے انہیں اقدار کو ماسونیت بھی عوام کے سامنے گناتی ہے، اسی طرح سیکولر لادینیت پسند بھی انہیں اقدار کو سامنے رکھتے ہیں، جبکہ رسولوں کی دعوت ان کھو کھلے دعووں کے بالکل برخلاف ہے، ارشاد باری تعالی ہے :(قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ) ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔ پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔ (آل عمران: ۶۴)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے :(وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا

نِعۡمَتَ اللَّهِ عَلَيۡكُمۡ إِذۡ كُنتُمۡ أَعۡدَاءً فَأَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوبِكُمۡ فَأَصۡبَحۡتُم بِنِعۡمَتِهِ إِخۡوَانًا وَكُنتُمۡ عَلَىٰ شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنۡهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمۡ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُونَ) ترجمہ: اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، جب تم دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمھیں اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ (آل عمران: ۱۰۳)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعۡبُدُوا اللَّهَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنۡهُم مَّنۡ هَدَى اللَّهُ وَمِنۡهُم مَّنۡ حَقَّتۡ عَلَيۡهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الۡأَرۡضِ فَانظُرُوا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِينَ) ترجمہ: اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو، پھر ان میں سے کچھ وہ تھے جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے کچھ وہ تھے جن پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ پس زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ (النحل: ۳۶)۔



مصنف کے نزدیک عقیدے اور دین کی آزادی!

مصنف نے آگے ص ۱۶۳ / پر کہا:

(تشکیل جدید ہی تمام باشندگان ملک کی حکومت ہوگی، بلا استثناء اس میں نیک و بد، مومن اور غیر مومن یہاں کہ غیر مسلمین سب شامل ہوں گے، اور ہم سبھی لوگوں کے ظاہر پر حکم لگائیں گے، ہمیں لوگوں کے دلوں اور انکے سینوں کو چیر کر دیکھنے کا حکم نہیں ہے، جیسا کہ صحیح حدیث کے اندر وارد ہوا ہے)۔

تبصرہ:

مصنف یہاں پر تمام باشندگان ملک کی مشترکہ حکومت کی طرف دعوت دے رہا ہے نہ کہ شرعی اور اسلامی حکومت کی۔

ایک ایسی سیکولر کا دینی حکومت کی دعوت جس کے تحت مومن اور غیر مومن سب آجائیں! ایسے دستور کے ساتھ جس میں سب کیلئے قدر مشترک ہو!

ساتھ میں یہ بھی یاد رہے کہ مصنف اسی حکومت کیلئے خروج و بغاوت اور قتل وخونریزی کی شکل میں قربانی پیش کرنے کی دعوت دیتا ہے اور جمہوریت کی اس راہ میں مارے جانے والوں کو شہید کہتا ہے!

مصنف نے کہا کہ (اور ہم سبھی لوگوں کے ظاہر پر حکم لگائیں گے، ہمیں لوگوں کے دلوں اور انکے سینوں کو چیر کر دیکھنے کا حکم نہیں ہے)۔

مصنف نے جس سیاق میں اس کلام کو پیش کیا ہے اس سے یہی لگتا ہے کہ اس میں مومن اور غیر

مومن سبھی شامل ہیں، جبکہ جو کافر ہے اسکا کفر ظاہر ہوتا ہے اسکے دل کو چیرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور آزادی کا دعوی ہر کوئی کرتا ہے حتی کہ جو سب سے زیادہ سخت اور ظالم ہوتا ہے وہ بھی آزادی ہی کا دعویدار ہوتا ہے۔

کیونکہ آزادی کا لفظ بہت ہی وسیع ہے، جسکی کتاب وسنت اور علمائے امت کے کلام کے اندر کوئی بنیاد نہیں ہے اس مفہوم میں جسے مصنف اور اس جیسے آزاد پسند مراد لیتے ہیں۔

حتی کہ ماسونیت اور تمام اباحیت پسند اور الحادی تحریکیں اور جماعتیں بھی اس لفظ کی تقدیس کرتی ہیں، جبکہ دین اسلام کے اندر اسکی کوئی اہمیت اور قیمت نہیں ہے، اور نہ ہی اس کی کوئی حقیقت ہے جسکے ضابطے کی ضرورت ہو۔

دین اسلام کے اندر: حق، عدل، خیر اور جمال جیسے الفاظ وارد ہوئے ہیں، مگر شرعی الفاظ کا مفہوم اور مطلب متعلقہ تمام نصوص کی روشنی میں طے کیا جاتا ہے، صرف اسکے لغوی معنی پر اعتماد نہیں کیا جاتا ہے کہ جو چاہے اسکا مفہوم لیتا پھرے اور وہ لفظ جس مفہوم کا حامل نہیں اس پر بھی اسے محمول کیا جانے لگے، اور جو اس دے مقصود نہیں وہ بھی اس سے مراد لیا جانے لگے۔



مصنف نے آگے ص ۱۶۳/ پر کہا:

(عمل اور نقل وحرکت کی آزادی ایک عظیم فائدہ ہے جسکی محافظت ضروری ہے، جیسا کہ اسکے شروط کی پابندی کرنا بھی ضروری ہے، ساتھ ہی ایسے کسی بھی عمل سے اجتناب کریں جو پورے ملک یا کسی مخصوص گروہ کی آزادی کیلئے پریشانی کاباعث ہو)۔

تبصرہ:

میں کہتا ہوں کہ مصنف یہاں پرلوگوں کے ساتھ حیلہ سازی اور فریب کاری سے کام لے رہا ہے، بلکہ اہل اسلام کے ساتھ فریب کر رہا ہے، جبکہ حقیقت میں وہ خود فریبی میں مبتلا ہے، چنانچہ یہاں پر پوری آزادی کے ساتھ حریت ادیان کو ثابت کر رہا ہے،لیکن ساتھ ہی قارئین کولفظوں کے پیچوں میں الجھا رہا ہے تاکہ اسے ہر کوئی نہ سمجھ سکے،لیکن عقل مند شخص ذرا بھی غور کرنے کے بعد اس کے باطل کلام کامقصد سمجھ لے گا۔

مصنف اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ ایسے کسی بھی عمل سے اجتناب کریں جو پورے ملک یاکسی مخصوص گروہ کی آزادی کیلئے پریشانی کاباعث ہو!

سوال یہ ہیکہ آخروہ گروہ کون سا ہے جسکے خلاف ہمیں مصنف کسی بھی ایسے عمل سے بچنے کی دعوت دے رہا ہے جس سے اسکی آزادی کیلئے پریشانی کاباعث ہو؟!

کیاوہ گروہ یہودی ہے،نصرانی ہے،لادینی ہے،لبرل ہے،رافضی ہے یا کوئی اور؟

مصنف کے اس کلام کے اندر واضح طور پر حریت ادیان اور اظہار رائے کی آزادی کو یقینی بنانے کی پوری کوشش ہے تاکہ ملک کے تمام غیر مسلم اور لبرل اپنے کفریہ اور الحادی اعتقادات

اور فاسد نظریات کا کھل کر اظہار کر سکیں، کیونکہ وہ سب سماج کے گروہوں میں سے ایک گروہ ہیں جو ہر طرح کی آزادی کا حق رکھتے ہیں۔

مصنف کے قول: (عمل اور نقل وحرکت کی آزادی) کے اندر اجمال ہے جسکے اندر مختلف محتمل معانی شامل ہو سکتے ہیں۔

حریت ادیان میں سب سے پہلے اسلام سے ارتداد آئے گا، اسی طرح باطل عقائد اور فاسد نظریات کی نشر واشاعت بھی شامل ہے، اسی چیز کی صراحت مصنف نے نہیں کی ہے، بلکہ اسلوب کلام کی ملمع سازی کے ذریعے اسکی طرف اشارہ ضرور کر دیا ہے۔

حریت ادیان کی طرف دعوت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کیلئے یہ جائز ہیکہ وہ کسی بھی دین دھرم کو اختیار کرے، اسے یہ حق ہیکہ وہ جب چاہے اسلام میں داخل ہو اور جب چاہے اس سے نکل جائے، وہ چاہے تو کفر کرے چاہے تو ایمان لائے یا حد ارتداد کا انکار کرے، جبکہ یہ اعتقاد دین اسلام کے مخالف ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ) ترجمہ: بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ (آل عمران:۱۹)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ) ترجمہ: اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں سے ہوگا۔ (آل عمران:۸۵)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ دین اسلام اور مسلمانوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہیکہ اگر کوئی یہ کہے کہ اسلام کے علاوہ بھی کسی دوسرے دین کی پیروی کرنا جائز ہے یا شریعت محمدیہ کے علاوہ بھی کسی دوسری شریعت کی اتباع کرنا جائز ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ (مجموع الفتاوی لابن تیمیہ: ۲۸/

۵۲۴)۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا کہ بندے پر واجب ہیکہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ جو بھی دین اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین پر ہے وہ کافر ہے، اور یہ کہ اللہ تعالی رسولوں کے ذریعے حجت کے بعد ہی عذاب دیتا ہے۔اس کا تعلق آخرت سے ہے البتہ دنیوی احکام ظاہر کو دیکھ کر لاگو ہوں گے، چنانچہ کفار کے بچے اور پاگل بھی انکے سر پرستوں کے تابع ہوں گے، اس تفصیل سے مسئلے کا اشکال ختم ہوگیا جو چار اصولوں پر مبنی ہے:

پہلا اصول:

اللہ تعالی رسولوں کے ذریعے حجت کے بعد ہی عذاب دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے :(وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا) ترجمہ: اور ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں، یہاں تک کہ کوئی پیغام پہنچانے والا بھیجیں۔(الاسراء:۱۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا) ترجمہ: ایسے رسول جو خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے،تا کہ لوگوں کے پاس رسولوں کے بعد اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہ جائے اور اللہ ہمیشہ سے سب پر غالب،کمال حکمت والا ہے۔(النساء:۱۶۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ[8] قَالُوا بَلَى قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ[9] وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ[10] فَاعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ) ترجمہ: جب بھی کوئی گروہ

اس میں ڈالا جائے گا،اس کے نگران ان سے پوچھیں گے کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا؟[8] وہ کہیں گے کیوں نہیں؟ یقینا ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تو ہم نے جھٹلا دیا اور ہم نے کہا اللہ نے کوئی چیز نہیں اتاری، تم تو ایک بڑی گمراہی میں ہی پڑے ہوئے ہو۔ [9] اور وہ کہیں گے اگر ہم سنتے ہوتے، یا سمجھتے ہوتے تو بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں نہ ہوتے۔ [10] پس وہ اپنے گناہ کا اقرار کریں گے، سو دوری ہے بھڑکتی ہوئی آگ والوں کے لیے۔(الملک:۱۱)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا قَالُوا شَهِدْنَا عَلَى أَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ) ترجمہ: اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمھارے پاس تم میں سے کوئی رسول نہیں آئے، جو تم پر میری آیات بیان کرتے ہوں اور تمھیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے ہوں؟ وہ کہیں گے ہم اپنے آپ پر گواہی دیتے ہیں اور انھیں دنیا کی زندگی نے دھوکا دیا اور وہ اپنے آپ پر گواہی دیں گے کہ یقیناوہ کافر تھے۔(الانعام:۱۳۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ) ترجمہ: اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا اور لیکن وہ خود ہی ظالم تھے۔(الزخرف:۷۶)۔

ظالم وہی ہے جو رسولوں کے پیغام کو سمجھ کر اسے ٹھکرا دے۔

دوسرا اصول:

عذاب کا مستحق دو سبب سے ہوتا ہے:

۱- حجت سے اعراض اس پر عمل نہ کرکے۔

۲- حجت قائم ہونے کے بعد بھی ہٹ دھرمی دکھائے۔

پہلے کو کفر اعراض کہتے ہیں اور دوسرے کو کفر عناد کہتے ہیں، اور جہاں تک کفر جہل کا تعلق ہے کہ جس میں حجت قائم نہیں ہوتی، اور نہ ہی اسے جاننے کا اتفاق ہوتا ہے، تو اسے عذاب دینے کی نفی کی ہے اللہ تعالی نے، یہاں تک کہ اس پر بھی رسولوں کی حجت قائم ہو جائے۔

تیسرا اصول:

زمان ومکان اور اشخاص کے اختلاف سے قیام حجت میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔

چوتھا اصول:

اللہ کے افعال اسکی حکمت کے تابع ہیں، جس میں کوئی خلل نہیں ہے، اور جس کا مقصد اور انجام کار بہتر ہی ہے۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سب کیلئے عام ہے، اگر کوئی اسکی پیروی نہیں کرتا ہے تو وہ کافر اور دوزخی ہے، خواہ وہ یہودی ہو کہ نصرانی، ہندو ہو کہ بدھسٹ یا کمنسٹ یا کوئی بھی ہو۔

تمام انس وجن پر واجب ہیکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور صرف اللہ کی عبادت کریں، اور اسکے رسول کی اطاعت کریں اسی میں دنیاوی اور اخروی ہر دو جگہ نجات ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ[51] يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ) ترجمہ: شک ہم اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے ضرور مدد کرتے ہیں دنیا کی زندگی میں اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔ [51] جس دن ظالموں کو ان کا عذر کرنا کوئی

فائدہ نہ دے گا اور انھی کے لیے لعنت ہے اور انھی کے لیے بدترین گھر ہے۔(الزخرف:۵۲)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے :(وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ[40]الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ) ترجمہ: اور یقینا اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرے گا، بے شک اللہ یقینا بہت قوت والا، سب پر غالب ہے۔[40] وہ لوگ کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھے کام کا حکم دیں گے اور برے کام سے روکیں گے، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔(الحج: ۴۱)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے :(وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ) ترجمہ: اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور ہی جانشین بنائے گا، جس طرح ان لوگوں کو جانشین بنایا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لیے ان کے اس دین کو ضرور ہی اقتدار دے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ہر صورت انھیں ان کے خوف کے بعد بدل کر امن دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جس نے اس کے بعد کفر کیا تو یہی لوگ نافرمان ہیں۔(النور:۵۵)۔

اسلام مخالف تمام ادیان میں اس قدر کفر اور شرک ہے جو دین اسلام کے بالکل مخالف ہے جسے

دیگر اللہ نے تمام رسولوں کو مبعوث کیا ہے اور کتابیں نازل کی ہیں، اور آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا ہے۔

اسی طرح ان تمام ادیان کے اندر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے کی بات ہے اور یہی ایک چیز انکے کفر کیلئے کافی ہے۔(مجموع الفتاوی للشیخ ابن باز: ۷/ ۲۸)۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے یہی سوال کیا گیا کہ آج کل ہم حریت فکر یعنی حریت اعتقاد کے بارے میں سنتے ہیں، اس پر آپ کیا کہیں گے؟

تو آپ نے جواب دیا کہ جو یہ اعتقاد رکھے کہ وہ دین اختیار کرنے میں آزاد ہے کوئی بھی دین اختیار کرسکتا ہے تو وہ کافر ہے۔اسے توبہ کرایا جائے گا اگر توبہ کرلے تو ٹھیک ورنہ قتل کردیا جائے گا۔

اسلئے کسی کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دین اسلام کے سوا کسی دین کو اختیار کرے، اگر کوئی اسکا اعلان کرتا ہے کہ اسکے لئے یہ جائز ہے تو اہل علم کے نزدیک وہ صریح کفر کا مرتکب ہوگا جو دین اسلام کے دائرے سے خارج کردے گا۔(مجموع فتاوی ورسائل الشیخ محمد بن عثیمین: ۳/ ۱۰۰)۔



حقوق وانسانیت کے نام پر مصنف کا مغرب سے دوستی کرنا

مصنف نے آگے ص ۱۶۷/ پر کہا:

(دوسرا: اسلام پسند اور مغرب سے تعلقات:

کیا ہمیں ایک تاریخی موقع نہیں ملا ہے کہ ہم اپنے پڑوسی مغرب کے ساتھ تعلقات کو مضبوط بنائیں جو مراکش، لیبیا اور مصر کے سرحدوں پر ہے، اسی طرح ہمارے گھروں کے اندر اور کبھی کبھی اپنے نمائندے اسرائیل کے ذریعے ہمارے بیچ میں بیٹھا ہے، کیا ہم یہ تصور کرسکتے ہیں کہ گیارہ ستمبر کا واقعہ ایک تمہید تھا کہ اب ہم اپنے تعلقات پر نظر ثانی کریں؟

کیا یہ ممکن ہے کہ ہم صلیبی مغرب کا دوسرا چہرہ سامنے رکھیں یعنی حقوق، انسانیت، قومی ادارہ جاتی یا پھر نتائجی پیمانے پر، تاکہ وہ اسلام پسندوں کو بھی مختلف نظریاتی جماعتوں کی طرح ایک جماعت مان لیں، اور یہ کہ حکومت واقتدار میں ان کی شراکت سے ممکن ہے انکی بہت ساری نظریات میں تبدیلی پیدا ہو جائے، اس چیز کی صراحت بہت سارے سیاستدانوں نے امریکہ اور یورپ میں بیٹھ کر کی ہے، اور جان لیں کہ بلاواسطہ مغرب کے اہداف پانچ محاور پر مبنی ہیں:

۱- طاقت اور خام مال بطور خاص پٹرول۔

۲- دہشت گردی مخالف لڑائی۔

۳- مغرب کی طرف انسانی ہجرت کا مقابلہ۔

۴- مغربی سامان کیلئے کھپت مارکٹ نیز تجارتی اور ثقافتی میدان کھولنا۔

۵- اسرائیلی وجود کی مرکزیت اور اسکا عسکری تفوق۔

اسلام پسندوں، خواہ وہ شدت پسند ہوں یا سیاست دان، ان سے مغرب کے خوف کی اصل وجہ القاعدہ تنظیم اور افریقہ، ایشیا امریکہ اور یورپ میں نوے کی دہائی کے اندر اسکے حملے ہیں، اسی طرح اس سے بھی پہلے اسلام پسندوں کا حکومتی نظاموں سے ٹکرانا بھی ہے، جس کا سلسلہ ایک لمبی مدت سے جاری ہے، جسکا مقصد سیاسی میدان میں اترنا اور کام کرنا تھا۔

بہت ساری معاشی تبدیلیوں اور طاقت کے توازن میں بدلاؤ اور باہمی تکنیکی اور ثقافتی پیش رفت کی وجہ سے ممکن ہیکہ نرمی، معاملات کے سدھارنے اور ایک دوسرے کی بات سننے اور اکتشاف نو کی وجہ سے کوئی نیا معاملہ پیش آجائے۔

لیبیا کے اندر ناٹو کا استقبال قومی اور اسلامی ہر دو پیمانے پر ایک غیر معہود عمل تھا، لیکن وہاں ایک پرلطف منظر یہ دیکھنے کو ملا کہ ناٹو کے فوجی سربراہان اور انقلابی لیڈران جن میں عبدالحکیم بلحاج بھی تھے، جنہیں دہشت گردوں کی لسٹ میں رکھا گیا تھا، اور سابق نظام کے تعاون سے ایک یورپین ملک نے انہیں گرفتار بھی کیا تھا، سب ایک ہی مجلس میں اکٹھا تھے!

اور بعض سیاسی بیانات سے یہی لگتا ہے کہ اسرائیل کو مزید سہولیات فراہم کئے جائیں گے تاکہ واقعیت پسندی پر دلیل بن سکے!)۔

تبصرہ:

کچھ بھی تبصرہ کرنے سے پہلے کہوں گا کہ یہ ساری تبدیلی اور اسلام کے ساتھ دھوکہ اور حزبی یا شخصی مصلحتوں کی بنیاد پر مسلمانوں کے ساتھ فریب کرنا اور اس جیسے فراڈ کو رب العالمین ضرور اپنی قدرت اور توفیق سے ختم کرے گا، ارشاد باری تعالی ہے:(إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا[15] وَأَكِيدُ

کَیۡدًا) ترجمہ: بے شک وہ خفیہ تدبیر کرتے ہیں، ایک خفیہ تدبیر۔ [15] اور میں بھی خفیہ تدبیر کرتا ہوں، ایک خفیہ تدبیر۔ (الطارق:١٦)۔

مصنف کے مذکورہ کلام پر درج ذیل کئی پہلو سے بات کرسکتے ہیں:

پہلا:

مصنف کے اس قول سے کیا مراد ہے کہ اسلام پسندوں کو ایک تاریخی موقع ملا ہے؟ کیا انہوں نے مغرب کے ساتھ کوئی خفیہ معاہدہ کر رکھا ہے جسے وہ اس وقت پورا کرنا چاہتے ہیں!

دوسرا:

مصنف آخر اس سے کیا کہنا چاہتا ہے: (کیا یہ ممکن ہے کہ ہم صلیبی مغرب کا دوسرا چہرہ سامنے رکھیں یعنی حقوق، انسانیت، قومی ادارہ جاتی یا پھر نتائجی پیمانے پر)؟

کیا اس اکتشاف نو سے کفار کے ساتھ تعامل کرنے کے اصول میں بدلاؤ آجائے گا؟

تیسرا:

بلاواسطہ مغرب کے اہداف پانچ کے بارے میں گفتگو کرتے وقت مصنف نے کیا مراد لیا ہے؟

میں سمجھتا ہوں کہ معنی بالکل واضح ہے، مصنف کہنا چاہتا ہے کہ مغرب کے پانچوں مطالبات کو پورا کردو اور اسکے بدلے انکی مدد اور موافقت اور انکی رضامندی سے اقتدار حاصل کرلو!

چوتھا:

میں قارئین کرام سے اپیل کرتا ہوں کہ ایک بار پھر مصنف کے اس قول سے اسکا مراد سمجھنے کی کوشش کریں: (بہت ساری معاشی تبدیلیوں اور طاقت کے توازن میں بدلاؤ اور باہمی تکنیکی اور ثقافتی پیش رفت کی وجہ سے ممکن ہیکہ نرمی، معاملات کے سدھارنے اور ایک دوسرے کی بات سننے

اور اکتشاف نو کی وجہ سے کوئی نیا معاملہ پیش آجائے)۔

اس باہمی تکنیکی اور ثقافتی پیش رفت کی کیا صورت حال تھی، اور کن لوگوں نے اسے انجام دیا؟ کیا مصنف نے مغربی کے ساتھ ثقافتی اعتبار سے اس عمل کو انجام دیا یا مغرب نے یہ عمل انجام دیا! اور یہ کہ وہ کون سا نیا مرحلہ ہے جس کی آرزو شدت سے مصنف کر رہا ہے!

پانچواں:

لیبیا میں ناٹو فوج کی مداخلت کو لیکر مصنف کے موقف کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ مصنف نے بیان کیا ہے: (لیبیا کے اندر ناٹو کا استقبال قومی اور اسلامی ہر دو پیمانے پر ایک غیر معہود عمل تھا)۔

یہ مصنف کے تناقضات میں سے ایک ہے، چنانچہ جب عراقی فوج کو بھگانے کیلئے سعودی عرب نے اجنبی فوج سے مدد مانگی تھی تو اسی نے واویلا خوب مچایا تھا اور آج اسی فوج کی تائید کرتے نظر آرہا ہے!

حالانکہ اس وقت اہل علم نے باقاعدہ فتوی دیا تھا اور ایک قابض ظالم فوج کے خلاف اجنبی فوج سے مدد لینے کا مسئلہ تھا، جبکہ یہاں لیبیا میں ایک مسلم ملک کی تباہی کیلئے صلیبی ناٹو فوج سے مدد لینا تھا۔

اور یہاں پر مصنف دراصل مغرب کے پانچوں اہداف کو پورا کر کے انہیں مطمئن کرنا چاہتا ہے تا کہ ان حزبیوں کے اقتدار میں آنے سے اسے کوئی خوف نہ رہ جائے۔



مصنف نے آگے ص ۱۶۸ / پر کہا:

(لیکن ہمیں یہ تاکید کرنے کی ضرورت ہیکہ اس مصالحت میں کوئی دشواری پیش نہ آئے تاکہ جب داخلی امور اسٹیبل ہوجائیں تو اگلے مرحلے میں ملکی مصلحتوں پر بات کرنے میں آسانی ہو، اسکا دھیان دینا بہت ضروری ہے، ہمارے سامنے ترکی کا نمونہ موجود ہے جس نے بہت سارے اختلافات کے باوجود دوسروں سے تعلقات کو برقرار رکھا ہے، اور صیہونی ریاست کو یہ معلوم ہیکہ اس کی حقیقی طاقت کا راز اسکے پڑوسیوں کا کمزور ہونا ہے، اور یہ کہ وہ کسی بھی معاہدے یا معادلے میں مضبوط مدمقابل بن کر رہنا چاہتا ہے)۔

تبصرہ:

خلاصہ کلام یہی ہیکہ مصنف "اسلام پسندوں" کیلئے اسی عمل کو جائز قرار دے رہا ہے جو ان سے پہلے کے حکام نے اسرائیل اور مغرب کے ساتھ کیا تھا جنہیں مصنف استبدادی اور طاغوتی نظام کہتا ہے!

بلکہ مصنف اپنے حیلوں کو ان سے بھی آگے بڑھنے کیلئے کہتا ہے کہ مغرب کے سامنے جس قدر ہوسکے تنازلات اختیار کرلو یہاں تک کے اسرائیل کے ساتھ بھی!



مصنف کے اندر تبدیلی قدیم وجدید مراحل

مصنف کے قدیم مرحلے میں لادینیت کا مفہوم:

مصنف نے بہت پہلے اپنے ایک لیکچر میں" لادینیت کے مفاہیم کا ایک تعارفی خاکہ" کے عنوان سے کہا تھا:

(آپ بعض لادینی پارٹیوں کو دیکھیں گے کہ وہ دین کو حکومت اور سیادت ہی سے نہیں بلکہ زندگی ہی سے الگ رکھنا چاہتی ہیں، ان کا کہنا ہے کہ دین کا فن، میڈیا، عورت کے مسائل، معاشیات اور سیاسیات جیسے اہم امور سے کوئی تعلق نہیں ہے، دین کا تعلق صرف بندے اور اسکے رب کے درمیان ہے! یہ کلیسا کی معروف اصطلاح ہے، یعنی ایک مسلمان صرف عبادت خانے تک محدود رہے، شعبہ ہائے زندگی میں کوئی دخل نہ دے!

ایک پر لطف بات یہ ہیکہ ایک مسلم ملک ہی کے ایک لادینی فکر کے حامل شخص نے کہا کہ دین اس بات سے کہیں زیادہ پاک اور لائق شرف ہے کہ اسے سیاست میں لایا جائے۔

گویا یہ شخص دین کو سیاست کی گندگیوں سے پاک صاف رکھنا چاہتا ہے، اسی لئے وہ ایسی باتیں کہہ رہا ہے، اور شاید بہت سارے لوگوں نے یہ بات سنی ہوگی کہ" دین اللہ کیلئے اور وطن سب کیلئے ہے"، اسکا مفہوم یہ ہوا کہ اتحاد صرف وطن کی بنیاد پر ہو دلرس ہے، سیاسی، سماجی اور ثقافتی مسائل سے دین کا کوئی تعلق نہیں ہے، جبکہ یہ بھی واضح طور پر کلیسائی فکر ہے)۔

تبصرہ:

مصنف کا یہ سابق اور قدیم نظریہ تھا یعنی لادینیت کو واضح طور پر کلیسائی فکر کہا ہے! جبکہ آج یہ بندہ خود یہ اعلان کررہا ہے کہ وطن سب کیلئے ہے، اور ایسی حکومت کا مطالبہ کررہا ہے جو سب کیلئے یکساں طور پر مشترک ہو، اور یہ گمان کرتا ہے کہ آزادی ایک عظیم فائدہ ہے جسکے شروط کی پابندی کرنا ضروری ہے اور ایسے کسی بھی عمل سے اجتناب کیا جائے جو کسی خاص گروہ کیلئے پریشانی کا باعث ہو۔



*غیر اسلامی اور لادینی پارٹیوں کے تعلق سے مصنف کا قدیم موقف:

مصنف نے کہا:

عالم اسلام کے اندر لادینی سیکولر پارٹیوں اور انکی حکومتیں ایک عام بات ہے اس پر کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے، اور میں نے کسی مناسبت سے یہ بات کہی تھی کہ بہت سارے مسلم مما لک کافروں کے قبضے میں چلے گئے ہیں، جیسے کہ افغانستان کمنسٹوں کے ہاتھ میں، اسی طرح اندلس اس سے پہلے جا چکا ہے، اور اسی طرح فلسطین بھی یہود کے قبضے میں چلا گیا ہے، اور بعض افریقی مما لک نصاری کے قبضوں میں چلے گئے ہیں، اسی طرح کئی مما لک منافقین کے قبضے میں ہیں، جو خود کو سیکولر کہتے ہیں، اور یہ جان لینا کافی ہے کہ آبادی کے اعتبار سے سب سے بڑے ملک پر ایسے شخص کی حکمرانی ہے جو وحدت الادیان کا قائل ہی نہیں بلکہ اسکا داعی بھی ہے۔ اور کسی مسلمان کو کوئی جمعیت، ادارہ یا جامعہ کھولنے کی اجازت نہیں دیتا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس الحادی نظام کو قبول کرے، جس کے اندر یہود و نصاری اور بدھسٹ، باطنی فرقے نیز تمام گروہوں کے وجود کو تسلیم کیا گیا ہے، ان سب کو برادران وطن مانا گیا ہے جو سب ایک ہی یونٹ کے تحت باہم ملکر رہتے ہیں، ان کی اس وحدت کو کوئی توڑ نہیں سکتا، یہ شرط ہر اس شخص کیلئے لگائی جاتی ہے جو اس ملک میں کوئی کام کرنا چاہتا ہے۔

جہاں تک میڈیا کی بات ہے تو مسلمانوں کو جن کی تعداد سب سے زیادہ ہے، انہیں جمعہ کی رات میں صرف آدھا گھنٹہ دیا جاتا ہے، نصاری کو اتوار کی رات آدھا گھنٹہ، باطنیوں کو منگل کی رات کو آدھا گھنٹہ، اور اسی طرح دوسرے دھرم والوں کو! پھر وہاں اتوار کے دن سرکاری چھٹی ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی اتنی بڑی آبادی کا کوئی خیال نہیں ہے، آخر کیوں؟! یہ اس سامراج کا کمال ہے جو اس ملک سے چلا تو گیا مگر اپنے پسند کا پٹھو فوج اور اسلحے کے ساتھ بٹھا کر گیا، جو اپنے ملک کے

مقابلے اس سامراج کیلئے زیادہ مخلص ہے، اس سے ہمیں ایک مستشرق کا قول یاد آرہا ہے جو کہتا ہے کہ اسلام کے درخت کو یکبارگی نہیں اکھاڑ سکتے، اسکے لئے ضروری ہیکہ ایک ایک شاخ توڑی جائے۔

مغربی افکار ونظریات نے اس وقت مسلمانوں پر ہر سطح سے حاوی ہے، انکی زندگی کے ہر شعبے میں، حتی کہ انکی عقلوں پر بھی حاوی ہے، اگر ہم اس پر گفتگو کرنے بیٹھ جائیں تو طویل وقت درکار ہے مگر کچھ حاصل نہیں ہوگا)۔

تبصرہ:

مصنف کا یہ قدیم موقف ہے، جس میں لادینی اور سیکولر افکار ونظریات کی تردید کی ہے اور اسکے خلاف مسلمانوں کو آگاہ کیا ہے، لیکن اس وقت مصنف کا موقف بالکل الٹا ہے، چنانچہ اس وقت مصنف کا موقف درج ذیل ہے:

۱- ملک کے ترقیاتی امور میں منافقین کی شمولیت ضروری ہے۔

۲- تشکیل جدید ہی تمام باشندگان ملک کی حکومت ہوگی، جس میں بلا استثناء مومن اور غیر مومن سب شامل ہوں گے۔

۳- امت کے پلان اور اسکی ترقی میں صرف اسلام پسند نہیں ہوں گے بلکہ ملک کے تمام گروہ اس میں شامل ہوں گے، حتی کہ غیر مسلمین بھی امت کے پلان اور اسکی ترقی میں شامل ہوں گے۔

۴- سچ میں اس مستشرق نے یہ بات کہی تھی جس کے کلام سے مصنف نے اپنے قدیم موقف میں احتجاج کیا تھا کہ اسلام کے درخت کو یکبارگی نہیں اکھاڑ سکتے، اسکے لئے ضروری ہیکہ ایک ایک شاخ توڑی جائے۔

مصنف اپنے ایک قدیم لیکچر میں "وضعی دستور کے تحت فیصلے کرنا" کے عنوان سے کہا:

(پہلی چیز: مغربی دستور اور غیر شرعی قوانین کے مطابق حکومت کرنا بذات خود ارتداد اور کفر ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (**وَمَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡكَٰفِرُونَ**) ترجمہ: اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔ (المائدہ: ۴۴)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**وَمَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ**) ترجمہ: اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (المائدہ: ۴۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**وَمَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡفَٰسِقُونَ**) ترجمہ: اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔ (المائدہ: ۴۷)۔

یہ تو بذات خود کفر ہے، لیکن اگر کوئی اس وضعی قانون کو خود نہ بنا کر کافر ملکوں سے امپورٹ کرے جیسے کہ امریکہ، برطانیہ، فرانس یا کسی دوسرے کافر ملک سے اور اسے اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ کرے جیسے کہ معاشیات میں، سماجیات اور سیاسیات میں بلکہ میڈیا، فن اور اخلاق و ادب ہر شعبے میں، تو ایسی صورت میں غیر شرعی حکومت کے ساتھ کافر کے ساتھ ولاء اور دوستی بھی ہو جائے گی، اور یہ اللہ کے اللہ کے دشمنوں کے ساتھ سب سے واضح اور کھلی دوستی اور ولاء کی صورت ہے، ایسی صورت میں ایک مسلمان ایک طرف اللہ کی شریعت سے اعراض کرتا ہے تو دوسری طرف کسی دوسرے کافر نظام کی تلاش میں رہتا ہے، یہ کھلا ہوا ارتداد ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے، بلکہ میں کہوں گا کہ اس پر علمائے

امت کا اجماع ہے، جیسا کہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ کے اندر چنگیز خان کے ”الیاسق“ نامی کفریہ نظام پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ جس نے اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر کسی منسوخ شریعت کے مطابق فیصلہ کیا تو وہ کافر ہے، پھر کیا ہوگا اس شخص کا حکم جو اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر کسی انسانی وضعی دستور کے مطابق فیصلہ کرے؟! اسکے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اس کے کفر پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

اس وقت مسلمانوں کی یہی حالت ہے کہ وہ وہ یہ زندگی کے اکثر معاملات میں غیر شرعی قانون کے مطابق فیصلے کرتے ہیں، بلکہ بعض ایسے کفریہ دستوروں کے مطابق فیصلے کرتے ہیں جن میں احکام الہی کو ملغی قرار دیا گیا ہے، یقینا یہ شریعت سازی ہے ارشاد باری تعالی ہے: (أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ) ترجمہ: کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔ (الشوری: ۲۱)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (مَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا) ترجمہ: نہ اس کے سوا ان کا کوئی مددگار ہے اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔ (الکہف: ۲۶)۔

یہاں پر مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ فیصلہ کرنے میں کسی کو شریک کریں، اور میں نہیں جانتا کہ کسی نے اسے توحید حاکمیت کہا ہو جیسا کہ بعض معاصر مفسرین نے کہا ہے جیسے استاذ سید قطب، اور اسی تفسیر پر کئی ایک مفکرین اور اسکالروں نے تائید کی ہے کہ انہوں نے الوہیت کے اس رنگ کو توحید حاکمیت کہہ دیا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ توحید الوہیت ہی کا ایک حصہ ہے، اسلئے کہ تحلیل حرام یا تحریم حلال میں یا شریعت سازی میں اگر کسی نے غیر اللہ کی اطاعت کی تو اس نے غیر اللہ کو

معبود بنالیا، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ) ترجمہ: انھوں نے اپنے عالموں اور اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ ایک معبود کی عبادت کریں، کوئی معبود نہیں مگر وہی، وہ اس سے پاک ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔(التوبہ:۳۱)۔

یہ مصنف کا قدیم موقف تھا مگر اپنے جدید موقف کے اعتبار سے مصنف اپنے اس کتاب کے اندر ایسے دستور کی طرف دعوت دیتا ہے جس پر ملک کے تمام لوگ متفق ہوں۔ اور ملک تمام لوگ اس دستور کی تجدید کرتے رہیں گے۔

ایک جگہ آپسی تنازعہ کے وقت کہا کہ ایسی صورت میں اللہ اور اسکے رسول کی طرف رجوع کیا جائے گا یعنی کسی غیر جانبدار قانونی جہت کی طرف رجوع کیا جائے گا یا کسی گفتگو کے میز پر بیٹھ کر آپسی اختلاف کو حل کرلیا جائے گا۔

اور پھر آگے ص ۱۳۶ پر کہا کہ اگر کوئی قوم شریعت کے علاوہ کوئی دوسرا دستور اختیار کریں تو عیب انکے اختیار کرنے میں ہے نہ کہ نظام حکمرانی کے اندر۔ آگے مصنف کہتا ہے کہ کیا ہم لوگوں کو مومن بننے پر مجبور کرسکتے ہیں؟



مصنف نے آگے ص ۱۷۰/ پر کہا:

(انقلاب و بغاوت کا فائدہ بلا استثناء تمام قوموں کو ہوگا، حتی کہ ان لوگوں کو بھی جنہوں نے اسکی تائید نہ کی ہو، حکومت کی مخالف جماعتوں نے نظام کے تحت رہ کر موقع سے فائدہ اٹھا کر بہتر تجربات حاصل کیئے تاکہ ملکی اصلاحات اور حقوق کا تحفظ حاصل ہو، علم کی نشر و اشاعت اور خاندانی نظام مربوط ہو؛ اسلیئے کہ ایک ہی آپشن پر بھروسہ کرنا نہ تو درست ہے، نہ ہی اس میں حکمت ہے اور نہ ہی اس میں دور اندیشی ہے۔

اسی میں عربی مسلم کے رستے لہو کو بند کرنا ہے، مستقبل کے استقرار کا تحفظ ہے، اس تشدد اور ہنسا کی اندھی کو روکنا ہے جس کا لوگ عام طور سے شکار ہو جاتے ہیں۔

"جاؤ، تم سب آزاد ہو": یہ ایک عظیم نبوی فیصلہ ہے، مکہ اور جزیرہ عرب کو خانہ جنگی بچا لیا گیا اور خلافت راشدہ کے قیام کیلئے راہ ہموار ہوگئی، جو ایک نمونہ ہے، جو بار بار نہیں آتا، ہاں اسکے عظیم اقدار سے اقتباس اخذ کر سکتے ہیں، لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کرنے میں، مخلوق پر رحم کرنے میں اور آزادی میں)۔

تبصرہ:

جاہلی بغاوتوں و انقلابوں اور اسلامی جہاد کے اندر کئی اعتبار سے فرق ہے: جاہلی بغاوتوں کا مقصد جمہوری نعروں کو پورا کرنا ہے جیسے کہ ہر طرح کی آزادی، عدل و انصاف اور حقوق، جب کہ جہاد اسلامی کا مقصد کلمہ الہی کو سر بلند کرنا ہے، کیا دونوں کبھی برابر ہو سکتے ہیں؟!

اور مصنف کا حال یہ ہیکہ یہ مسکین جاہلی بغاوتوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فتح مکہ اور آپ کے

عفوو درگزر پر قیاس کرتا ہے، جبکہ یہ قیاس فاسد ہے۔

اسکے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو معاف نہیں کیا تھا جنہوں نے آپ کی شان میں گستاخیاں کی تھیں، اور ان لوگوں کو بھی معاف نہیں کیا تھا جن کے خون حلال ہو گئے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کا نام لیکر انہیں قتل کرنے کا حکم دیا تھا، انہیں میں عبد اللہ بن خطل بھی تھا، جو پہلے اسلام لایا تھا پھر ایک مسلمان کو قتل کر کے مرتد ہو گیا، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گانے والیوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا تھا جو آپ کی شان میں ہجو کرتی تھیں، اسی طرح حویرث بن نقید اور مقیس بن صبابہ وغیرہ کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔

سوال یہ ہیکہ کیا یہ نبوی فیصلے بھی اس سیکولر لادینی جمہوریت کی ڈکشنری میں نافذ کئے جا سکتے ہیں جسکی دعوت مصنف دے رہا ہے؟!



مصنف نے آگے ص ۱۷۳ / پر کہا:

(لفظ "حریت" کو اسکے پورے مفہوم کے ساتھ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے استعمال کیا تھا جس وقت آپ نے کہا تھا کہ کب سے تم نے لوگوں کو غلام بنا رکھا ہے جب کہ ان ماؤں نے انہیں آزاد جنا ہے؟!)۔

تبصرہ:

میں کہوں گا کہ یہاں پر حریت کا شرعی مفہوم ہے یعنی غلامی کا ضد، جس میں ایک غلام اپنے آقا کی ملکیت ہوتا ہے اسی کے ماتحت رہتا ہے جسے کوئی آزادی نہیں ہوتی، یہاں وہ حریت اور آزادی مراد نہیں ہے جس میں ایک انسان شریعت سے بے لگام ہوتا ہے۔

لیکن مغرب اور مغرب پرستوں نے اس اصطلاح کا غلط استعمال کیا اور اپنے اپنے اغراض و مقاصد میں اسے جب چاہا جیسے چاہا استعمال کیا، بلا قید وشرط کے کچھ بھی فیصلے کرنا یہ بھی انکے یہاں آزادی ہے، تمام پابندیوں سے بے لگام ہو کر جو دل میں آئے اسے کر گزرنا یہ بھی انکے یہاں آزادی ہے، عقائد، دین، اخلاق و کردار، اموال، لباس اور سلوکیات ہر ایک میں بے لگام ہونے کا نام انکے یہاں آزادی ہے جس کی طرف مصنف دعوت دے رہا ہے۔

چنانچہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ کلام- اگر ثابت ہو جائے- تو اس آزادی کے معنی میں نہیں ہے جسے مصنف پیش کرنا چاہتا ہے، بلکہ اسکا اصل مفہوم یہی ہیکہ ایک انسان آزادی پیدا ہوتا ہے اسے غلام بنانا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس میں انسانی ظلم ہے۔

اور یہ بات ایک واقعے کی مناسبت سے منسوب ہے مگر وہ واقعہ ضعیف ہے، کیونکہ اسکی سند

منقطع ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ مصر کا ایک باشندہ آپ کے پاس عمرو بن عاص کے بیٹے کی شکایت لے کر آیا...... عمرو بن عاص اس وقت مصر کے گورنر تھے...... اس نے کہا: اے امیر المومنین! میں ظلم سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تو نے اچھی پناہ گاہ ڈھونڈی۔ اس نے کہا: میں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے دوڑ میں مقابلہ کیا اور میں اس سے آگے نکل گیا۔ اس پر وہ مجھے کوڑے سے مارنے لگا اور کہا میں معزز فرد کا بیٹا ہوں۔ (یہ سن کر) عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس خط لکھا اور انہیں اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہونے کا حکم دیا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ آئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مصری کہاں ہے؟ کوڑا لو اور مارو۔ وہ اسے مارنے لگا اور عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے: "کمینے کے بیٹے کو مار۔" انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس نے مارا، اللہ کی قسم اس نے اس کو خوب مارا اور ہماری تمنا تھی کہ اسے مارا جائے، وہ اسے مسلسل کوڑے مارتا رہا یہاں تک کہ ہم نے تمنا کی کہ اب نہ مارا جائے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے مصری سے کہا: عمرو بن عاص کے سر پر مارو۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! ان کے لڑکے نے مجھے مارا تھا اور میں نے اس سے بدلہ لے لیا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا: تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا رکھا ہے، حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا تھا؟ عمرو بن عاص نے فرمایا: اے امیر المومنین! نہ میں نے اس واقعہ کو جانا اور نہ وہ (مصری) میرے پاس آیا۔ (فتوح مصر واخبارھا،ص ۱۸۳)۔

اس واقعے کی سند میں انقطاع ہے، مزید اس میں ایک راوی یوسف بن عبدہ ازدی بصری ضعیف راوی ہے۔ (الجرح والتعدیل: ۹/ ۲۲۶)۔

اور اس واقعے کے اندر نکارت کئی اعتبار سے ظاہر ہے: انہیں میں سے ایک یہ بھی ہیکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سر پر مارنے کا حکم دیا، جبکہ بیٹے کی غلطی پر باپ

کو کیوں مارا جائے گا! جبکہ اللہ کا فرمان ہے: (وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى) ترجمہ: اور کوئی جان کمائی نہیں کرتی مگر اپنے آپ پر اور نہ کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسری کا بوجھ اٹھائے گی۔ (الانعام: ۱۶۴)۔

اسی طرح اس واقعے میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں کہ کمینے کے بیٹے کو مار، جبکہ اس میں آباء واجداد کو گالی دی گئی ہے، یہ اسلام کا نہیں جاہلی طریقہ ہے، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایسے جاہلانہ اعمال سے بری ہیں۔

اور مصنف سے سوال ہیکہ کیا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہی آزادی ہیکہ جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے؟!

اور کیا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہی آزادی ہیکہ جو بھی چاہے کفر وشرک اور بدعات کی نشر واشاعت کرے اور بدعتی زیادہ جماعتوں کی تشکیل دے؟!

اور کیا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہی آزادی ہیکہ نفس پرستوں اور بدعتیوں کو ملکی فیصلوں میں شریک کیا جائے؟!



مصنف نے آگے ص ۱۷۴/ پر کہا:

(یہ مال غنیمت ہے، اس میں میرا بھی حق ہے: یہی شعور ہر شہری کا ہونا چاہئے، خواہ اسکا فکری نظریہ، سیاسی پارٹی، قبیلہ یا علاقہ کچھ بھی ہو، اور وہ کسی بھی زمانے کا ہو، انقلاب و بغاوت پہلے کے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے، جیسا کہ میں کہا کرتا ہوں، ضروری ہیکہ یہ مستقبل سب کا ہو، یہ ٹھیک ہیکہ پر کوئی خوش نہیں ہوسکتا، سب کو خوش کرنا ایسا ہدف ہے جو کبھی پورا نہیں ہوتا، مگر ایک ایسا دستور ہونا چاہئے جس پر ملک کے سبھی لوگ متفق ہوں، جسکا مرجع شریعت ہو، اسلئے کہ ملک مسلمانوں کا ہے)۔

تبصرہ:

آپ موازنہ کریں اس قول میں اور اس قول میں جو ص ۱۳۶ پر کہا تھا کہ اگر کوئی قوم شریعت کے علاوہ کوئی دوسرا دستور اختیار کرے تو عیب انکے اختیار کرنے میں ہے نہ کہ نظام حکمرانی کے اندر۔ یہاں تک کہا کہ کیا لوگوں کو مجبور کر کے مومن بنایا جاسکتا ہے؟

اور یہاں پر کہہ رہا ہے کہ (مگر ایک ایسا دستور ہونا چاہئے جس پر ملک کے سبھی لوگ متفق ہوں، جسکا مرجع شریعت ہو، اسلئے کہ ملک مسلمانوں کا ہے)۔

یہ بھی گزرا کہ مصنف نے غیر مسلم کو بھی ملک کا باوقار شہری مانا ہے۔

یہ بھی گزرا کہ مصنف نے حکومت کا نام باشندگان ملک کی حکومت کہا ہے۔

یہ بھی گزرا کہ مصنف نے عام بڑے مقاصد اور جزئیات وتفاصیل چھوڑ کر کلیات کے پورا کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

اور یہ بھی گزرا کہ مصنف نے فیصلہ کرنے کا اختیار کسی غیر جانبدار قانونی جہت کی طرف رجوع

کرنے یا گفتگو کے میز پر بیٹھ کر آپسی اختلاف کو حل کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

یہ بھی گزرا کہ مصنف نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر کوئی قوم شریعت کے علاوہ کوئی دوسرا دستور اختیار کرے تو عیب انکے اختیار کرنے میں ہے نہ کہ جمہوری نظام حکمرانی کے اندر۔ کسی کو شریعت پر مجبور نہیں کر سکتے۔

یہ بھی گزرا کہ مصنف نفاذ شریعت کو موخر کرنے کے جواز کا قائل ہے۔

یہ بھی گزرا کہ مصنف مملکت سعودی عرب کی عیب جوئی کرتا ہے اسکے نفاذ شریعت کے طریقہ کار کو لیکر۔

اگر ان سارے اقوال کو ایک دوسرے کے ساتھ جمع کر دیا جائے تو یک واضح ہو جائے گا کہ مصنف نفاذ شریعت کو نہیں چاہتا ہے۔



مصنف نے آگے ص ۱۷۶ / پر کہا:

(لوگ یہ نہ کہیں:" تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہے ہیں" ، یہ ایک نبوی فیصلہ تھا جسے ان منافقوں کے بارے میں کہا گیا جو سماج کے پانچویں ستون تھے۔ انقلاب و بغاوت کی شان بہت اہم ہے، دور بیٹھ کر جو خبریں سنتا ہے اسے تفاصیل اور مختلف وجہات نظر کا ادراک نہیں ہوتا، اور نہ ہی اسکے اندر منفی تاثرات پیدا ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ ملکی ترقی کے پلان میں پورے طور پر منافقین کو بھی شامل کیا گیا، مگر مرور زمانہ کے ساتھ انکا کردار ختم ہو گیا یہاں تک کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ صرف چار منافقین باقی رہ گئے۔ منافقین ملک کے اندر ایک موثر بڑی پارٹی کا رول ادا کر رہے تھے، لیکن نبوی حکمت کے ذریعے دھیرے دھیرے انکا اثر کم ہونے لگا، اسکے لئے آپ نے عجلت پسندی سے کام نہیں لیا اور نہ جذباتی اپیلوں پر دھیان دیکر انکا یکلخت صفایا کر دیا)۔

تبصرہ:

مصنف نے کہا کہ (انقلاب و بغاوت کی شان بہت اہم ہے)۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی شرعی طریقے سے اعمال انجام دیئے اسے مصنف نے ملکی ترقی اور معاشرے کی تشکیل میں ایک وسیلہ مانا ہے، یہ مصنف کی طرف سے ایک بھیانک عقدی جرم ہے کہ مغربی پلان کو پورا کرنے کیلئے شرعی اعمال کو ایک وسیلہ اور ذریعہ سمجھا جائے۔

مصنف نے کہا کہ (ملکی ترقی کے پلان میں پورے طور پر منافقین کو بھی شامل کیا گیا، مگر مرور زمانہ کے ساتھ انکا کردار ختم ہو گیا)۔

یہی جمہوریت پسندوں کا دین ہے جسکی دعوت مصنف دے رہا ہے کہ ملکی ترقی کے پلان میں پورے طور پر منافقین کو بھی شامل کیا جائے۔

جبکہ قرآن کریم کے اندر منافقین پر لعنت بھیجی گئی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جہاد کرنے اور انکے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا ہے، انکے اوصاف قبیحہ کو بیان کیا، انکی تذلیل کی اور انہیں حقیر سمجھا، ان انہیں قتل اسلئے نہیں کیا کیوں کہ وہ اسلام کا اظہار کرتے تھے، اور کفر کا اعلان نہیں کرتے تھے، اور اس سے استدلال کر کے مصنف چاہتا ہے کہ اسکے جمہوری حکومت کے اندر جو چاہے کفر کا اظہار کرے اور جو ارتداد کا اعلان کرے۔ اور جو چاہے نواقض اسلام کا ارتکاب کرے۔

جمہوری دین کے اندر اہل بدعت پر کلام کرنا اور نفس پرستوں سے آگاہ کرنا ملکی ترقی پلان میں قدح لازم آتا ہے، اور یہ چیز جمہوریت پسندوں کے یہاں مرفوض ہے، اور انکے یہاں یہ اصول ہیکہ اگر کوئی سماج کے کسی مخصوص طبقہ کے خلاف ابھارتا ہے تو وہ لائق سزا ہے، یہ نسلی امتیاز ہے!!



مصنف نے آگے کہا:

(منافقین ملک کے اندر ایک موثر بڑی پارٹی کا رول ادا کر رہے تھے، لیکن نبوی حکمت کے ذریعے دھیرے دھیرے انکا اثر کم ہونے لگا، اسکے لئے آپ نے عجلت پسندی سے کام نہیں لیا اور نہ جذباتی اپیلوں پر دھیان دیکر انکا یکلخت صفایا کر دیا)۔

تبصرہ:

مصنف سے کہا جائے گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس شخص کو قتل کیا تھا جو قتل کا مستحق تھا، آپ نے حدود و قصاص کو نافذ کیا تھا، یہ نہ تو جذباتی اپیلوں کی بنیاد پر کیا اور نہ ہی بلا وجہ کسی کا صفایا کیا تھا۔



مصنف کاانقلابیوں اور باغیوں سے انتظار کرنے کی اپیل یہاں تک کہ بغاوت دوسرے ممالک میں بھی پھیل جائے!

مصنف نے آگے ص ۱۶۸/ پر کہا:

(ضروری ہیکہ ہم انقلاب و بغاوت کے بعد کے مرحلے کی اہمیت کا ادراک کریں، یہ بہت حساس اور بتدریج ہوتی ہے۔اور کامیابی اسی کی قدم بوسی کرتی ہے جسکے پاس پلاننگ، صبر اور مضبوط ادارہ جاتی وجود کا یقین ہوتا ہے، ضروری ہیکہ ہم معاملے کو وسیع تر جغرافیائی سطح پر دیکھیں، کیونکہ اعلانیہ اور غیر اعلانیہ طور پر کئی عرب ممالک میں بغاوت اور انقلاب کی تحریکیں شروع ہو چکی ہیں، اور یہ یقینی بات ہیکہ لیبیا، مصر اور ٹیونس کے سابقہ حالات ان کے اندر اپنا موثر کردار ادا کریں، خواہ یہ لوگوں کی طرف سے ان تحریکوں پر یقین کو لیکر ہو یا ان سے انکی نفرت کو لیکر ہو، یا ملکی اور عالمی سطح پر اسکی تائید اور عدم تائید کو لیکر ہو، یا کوئی دوسری وجہ ہو)۔

تبصرہ:

مصنف نے کہا کہ (کیونکہ اعلانیہ اور غیر اعلانیہ طور پر کئی عرب ممالک میں بغاوت اور انقلاب کی تحریکیں شروع ہو چکی ہیں)۔

گویا مصنف لیبیا، ٹیونس اور مصر کے باغیوں سے اپیل کر رہا ہے کہ اس بغاوت کو بدنام کر کے ہماری فضیحت نہ کرنا، کیونکہ تمہاری خونریزی اور تباہی کو دیکھ کر ہمارے ملکوں میں بغاوت کرنے سے لوگ پیچھے ہٹ جائیں گے، اس لئے بہت ہی نظم وضبط کے ساتھ بغاوت کو جاری رکھیں تاکہ لوگ اسکے

پھلوں اور فوائد کو ہمارے یہاں بھی محسوس کریں اور اسی پر عمل کریں، ورنہ اگر تمہارے یہاں انارکی اور ہنگامہ آرائی دیکھیں گے تو ہمارے یہاں کے لوگ بغاوت سے پیچھے ہٹ جائیں گے!!



دین اسلام اور سنت محمدیہ کی شان میں مصنف کی گستاخی

مصنف نے آگے ص ۱۸۵ / پر کہا:

(عرب بہاریہ کی بغاوت اور انقلاب ایک غیر متوقع زلزلہ تھا جس نے فلک بوس عمارتوں کو منہدم کر دیا، اور مسلم قوموں کے حسین مستقبل کیلئے عمدہ بنیاد رکھ دی، اور کسی بھی پلان اور منصوبے کی کامیابی کے لیے بطور شرط یہ ایک بڑا معنی رکھتا ہے، حتی کہ نبوی کاز نے بھی اہل مدینہ میں سے کسی کو الگ نہیں رکھا، حتی کہ اہل کتاب یہود ونصاری، منافقین اور نو مسلموں کو بھی ملکی ترقی کے منصوبے سے الگ نہیں رکھا کیونکہ یہ کوئی الگ تھلگ رکھنے والا اور کوئی خونی منصوبہ نہ ہی تھا، اس کا شعار جامعیت، ہمہ جہتی اور یقین دہانی تھا۔

یہ قومی تحریکیں اس لئے برپا ہوئی ہیں تاکہ ایک نئی راہ کے خدوخال طے کئے جائیں جس کا اعتماد درج ذیل بنیادی تقاضوں کو پورا کرنے پر ہو:

۱- سیاسی آزادی۔

۲- عدل وانصاف اور مساوی مواقع کی فراہمی۔

۳- مالی اور اداری کرپشن کا خاتمہ اور عالمی معیاروں پر شفافیت پر بھروسہ کرنا۔

۴- جدید ترین اور وسیع ترمفہوم کے ساتھ موجودہ اور آنے والی نسلوں کیلئے حقوق انسانی، ماحول، صحت، تعلیم، ذرائع ابلاغ اور گھریلو سطح پر ایک جامع پائیدار ترقی کا لائحہ عمل طے کرنا۔

۵- اخلاق اور قانون سازی کی تفریق کو برقرار رکھنا ایسے معاشروں کیلئے جنہیں وراثت میں اسلامی اقدار کی اچھی خاصی مقدار ملی ہو، اور جو اس وراثت کو عمیق اور وسیع بنانے نیز اسے تحریکی جذبے میں

تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، تخلیقی صلاحیتوں، جدو جہد، کامیابی اور بقائے باہمی کے لیے۔

تبصرہ:

اس کلام پر کئی پہلو سے تبصرہ کر سکتے ہیں:

پہلا:

مصنف نے کہا: (حتی کہ نبوی کاز نے بھی اہل مدینہ میں سے کسی کو الگ نہیں رکھا، حتی کہ اہل کتاب یہود ونصاری، منافقین اور نومسلموں کو بھی ملکی ترقی کے منصوبے سے الگ نہیں رکھا کیونکہ یہ کوئی الگ تھلگ رکھنے والا اور کوئی خونی منصوبہ نہ ہی تھا، اس کا شعار جامعیت، ہمہ جہتی اور یقین دہانی تھا)۔

مصنف کس جراءت کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ (نبوی کاز نے بھی اہل مدینہ میں سے کسی کو الگ نہیں رکھا)! سبحان اللہ العظیم! کس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر رہا ہے خواہ اسے اس کا شعور ہو یا نہ ہو، کیونکہ اسکا مطلب یہ ہوا کہ منافقوں کو سیاسی اور حکومتی امور میں ساتھ رکھا جاتا تھا اور انہیں ذمیداریاں دی جاتی تھیں، بلکہ مصنف نے یہاں تک جراءت کر دی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقوں کو انکے عمل پر یقین دہانی بھی دیتے تھے!!

یہ دین اسلام کے ساتھ گستاخی ہے، اسے اور سنت محمدیہ کو بدنام کرنا ہے!

مصنف کا یہ کلام اسکے سابق دینی ترقیاتی منصوبے سے متعلق ہے، سوال یہ ہیکہ اس منصوبے کا کتاب وسنت سے کیا تعلق ہے؟ کیا قرآن کے اندر کفار اور یہود ونصاری پر لعنت نہیں بھیجی گئی ہے؟ کیا قرآن کے اندر انکی عداوتوں کو واضح نہیں کیا گیا ہے؟ کیا سنت سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ انہیں تمام

عہدوں سے دور رکھا گیا؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کسی شہر کا گورنر بنایا؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وزیر یا مشیر بنایا؟

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جمعہ کے دن تمام اہل مدینہ کے سامنے سورہ منافقین کی تلاوت نہیں کرتے تھے جسکے اندر انہیں ایکسپوز کیا گیا ہے؟ کیا یہ جمہوریت پسندوں کے دین میں جائز ہے؟

پھر یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو مدینہ سے جلا وطن کر دیا، وہاں سے خیبر کی طرف کھدیڑ دیا، پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں ملک شام کی طرف بھگا دیا۔

جمہوریت پسندوں اور ملحدین کی ڈکشنری میں اسکا کیا نام دیں گے؟!۔

ہم تو یہی کہیں گے: رضینا باللہ ربا، وبال إسلام دینا، وبمحمد نبیا ورسولا. آمنا باللہ وحدہ، وکفرنا بالجبت والطاغوت، والحمدللہ رب العالمین.

دوسرا:

مصنف نے اپنے گمان کے اعتبار سے قوموں کے تقاضوں کے تحت دنیوی امور کو پانچ نقاط میں بیان کیا ہے، جن کے اندر نہ تو عبادت میں اخلاص کا ذکر ہے، نہ ہی سنت محمدیہ کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کا ذکر ہے، اور نہ ہی ان میں صحابہ وتابعین اور سلف امت کی اقتداء کا ذکر ہے، اسی طرح مصنف نے اس میں تحکیم شریعت کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

تیسرا:

مصنف نے کہا: (اخلاقی اور قانون سازی کی تفریق کو برقرار رکھنا ایسے معاشروں کیلئے جنہیں وراثت میں اسلامی اقدار کی اچھی خاصی مقدار ملی ہو)۔

مصنف سے یہ بالکل مخفی نہیں ہے کہ ہر سو مزارات اور خانقاہوں کا پھیلاؤ ہے جہاں غیر اللہ کی

پرستش کی جاتی ہے، اسی طرح مسلم ملکوں میں جس طرح الحاد کی لہر پھیل رہی ہے اس سے بھی مصنف ناواقف نہیں ہے، بلکہ عالم اسلام ہے اندر بدعتیوں کی کثرت سے بھی مصنف نابلد نہیں ہے۔

چوتھا:

مصنف نے کہا: (ہم یہ اچھا خواب بھی دیکھ سکتے ہیں کہ وہ بہت سارے منصوبے اور پروجیکٹ جو ٹھنڈے بستوں میں پڑے ہوئے ہیں، اور جنہیں شکیب ارسلان اور پھر مالک بن نبی ہی کے زمانے سے مفکرین نے بہت سارے معاصر مفکرین کے سامنے پیش کیا ہے، جن کا تعلق مختلف اسلامی، قومی اور وطنی افکار سے ہے، ممکن ہے اس وقت جدید حالات وظروف کی روشنی میں ان منصوبوں کے احیاء پر کام جاری ہو سکے اور نئے سرے سے یہ باعث نزاع بن جائیں)۔

گویا مصنف تمام باطل عقائد، گمراہ افکار ونظریات اور تخریبی مذاہب کے احیاء کا ارادہ ہی نہیں بلکہ اپنے اس دیرینہ خواب کو شرمندہ تعبیر بھی کرنا چاہتا ہے، جیسا کہ مصنف کے مذکورہ کلام سے واضح ہے۔

اللہ تعالی نے مصنف کے پراگندہ خوابوں کو چکنا چور کر دیا، اور اسکے باطل گمان کو فیل کر دیا۔
مسلمانوں کو صرف صاف شفاف چہرے والا اسلام چاہیئے وہ اسلام جسے اللہ کی طرف سے لیکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے تھے، مسلمانوں کو گمراہ کن قومی احزاب اور مغرب زدہ باطل افکار ونظریات نہیں چاہیئے۔



مصنف کے نزدیک وہ خطرات جن کا سامنا انقلابیوں اور باغیوں کو ہے اوران سے بچاؤ کی تدابیر

مصنف نے آگے ص ۱۸۹ / پر کہا:

(انقلابیوں اور باغیوں کو جن عظیم خطرات کا سامنا ہے ان میں ایک انقلاب و بغاوت کی چوری ہے، اوراس خطرے کے وجود پر کئی شواہد اور دلائل ہیں؛

پہلی دلیل:

فرانسیسی ڈاکٹر فرانز فانون جسکی کتاب" المعذبون فی الارض" ہے۔

دوسری دلیل: جو کچھ فرانس کے اندر نپولین بونابرٹ کے ساتھ ہوا اور جو کچھ بالشیویک کے ساتھ روس میں ہوا)۔

تبصرہ:

خلاصہ یہ کہ آخر میں مصنف بغاوتوں کو چوری سے بچانے کی جتن کرتا ہے، اور اسکے لئے وہ منصوبہ بندی کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہوجائے گا اور اپنی بغاوت کو بچا لے جائے گا، اسکے لئے پہلا منصوبہ یہ بناتا ہیکہ حکومت سازی کیلئے ایسا شروع وضع کیا جائے جس پر تمام طبقات کے لوگ متفق ہوں، پھر حکومت سازی کیلئے مقابلے کا مرحلہ درپیش ہوگا جس وقت مختلف رجحانات اور نظریات کی تمام پارٹیاں اپنے اپنے منشور کا اعلان کریں گی، اور جو تمام لوگوں کی نمائندگی کریں گی، پھر اسکے بعد سارے لوگ اپنے اپنے حق رائے دہی کیلئے بیلٹ باکس کی طرف جائیں گے، اسی طرح مخصوص

عدالتوں (جوغیر شرعی ہوں گی) کی طرف رجوع کریں گے، پھر میڈیائی گردش ہوگی جوکہ سیاسی کھیل کا ایک حصہ ہے۔ مگر اسکے لئے ضروری ہیکہ یہ انسانی شرافت اور اصول وضوابط کے ساتھ منضبط ہو۔

یہ ساری ہدایات مصنف کی طرف سے دی جارہی ہیں تاکہ بغاوت کا سرقہ عمل میں نہ آسکے۔

اللہ المستعان! کاش مصنف نے یہ سب کچھ نہ لکھ کر اپنی ذات تک محدود رہتا اور صرف اپنے عیوب اور انجام وعاقبت پر نظر رکھتا، اور دوسروں کی اتنی فکر نہ کرتا تو اسکے حق میں اور دوسروں کے حق میں زیادہ بہتر ہوتا، کیوں کہ بندے نے ایسے میدان میں ہاتھ پیر مارنے کی کوشش کی ہے جس کا اسے کوئی تجربہ نہیں اسی لئے جابجا ٹھوکر کھائی ہے۔

یہ جمہوری لادینی سیکولر سیاست دراصل بہت ہی گندی سیاست ہے، اسکی عفونت اور جھوٹ بالکل عیاں ہے، لوگ اسکی عیاری فریبی اور چالبازی کو اچھی طرح سمجھتے ہیں، پھر بھی مصنف اس سے یاری لگا رکھی ہے بلکہ اسکے سرگرم داعیوں میں سے ہے اور دوسروں کو بھی اپنے ساتھ انہیں لادینی جمہوریت کے دلدادوں کے قافلے میں شامل کرنا چاہتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مسلمان ایسے جھوٹے سیاسی کھیلوں اور فریبی حیلوں سے بے نیاز ہیں۔

مصنف آخر کس انسانی شرافت کے دستاویز کی بات کر رہا ہے! جب کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ اقتدار کی کرسی اور حکومت پر قبضے کیلئے سانڈوں کی طرح لڑتے ہیں۔

مصنف آخر کن اصولوں کی بات کر رہا ہے جب کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ لادینی اصول وضوابط قرآنی اصولوں کی دھجیاں اڑا رہی ہیں، نفاذ شریعت کو پس پشت ڈال کر بڑے مقاصد کے نام پر طاغوتی دستور کو نافذ کیا جارہا ہے!



مصنف نے آگے ص ۱۹۰ / پر کہا:

(اس وقت انقلاب پسند ان تمام استبدادی نظاموں کے خلاف متفق ہیں جو حقوق کو ھضم کر رہے ہیں، اسی لئے انقلاب برپا پورے ہیں، اور آغاز میں عموماعام نعروں کو بلند کیا جاتا ہے، جیسے کہ سقوط نظام اور ڈکیٹیٹرشپ کا خاتمہ، ساتھ ہی صاف شفافیت، بہتری، عدل وانصاف اور آزادی والی حکومت کا مطالبہ کرتے ہیں جہاں اقتدار کی تقسیم اور عدلیہ آزاد ہو، یہ وہ عام مجمل باتیں ہیں جن پر سبھی انقلابیوں کا اتفاق ہے، اور آغاز میں انقلاب اپنی وحدت کو برقرار رکھنے کی خاطر اسی قدر مشترک پر اکتفا کرتے ہیں)۔

تبصرہ:

آپ دیکھیں کہ مصنف کچھ محدود نعروں کے ہی بلند کرنے اور ان سے بالکل تجاوز نہ کرنے کا مطالبہ کرتا ہے جیسا کہ اس کے اس قول سے بالکل واضح ہے: (آغاز میں عموماعام نعروں کو بلند کیا جاتا ہے، جیسے کہ سقوط نظام اور ڈکیٹیٹر شپ کا خاتمہ، ساتھ ہی صاف شفافیت، بہتری، عدل و انصاف اور آزادی والی حکومت کا مطالبہ کرتے ہیں جہاں اقتدار کی تقسیم اور عدلیہ آزاد ہو، یہ وہ عام مجمل باتیں ہیں جن پر سبھی انقلابیوں کا اتفاق ہے، اور آغاز میں انقلاب اپنی وحدت کو برقرار رکھنے کی خاطر اسی قدر مشترک پر اکتفا کرتے ہیں)۔

یعنی ایسے عام اور مجمل نعرے جن پر یہود و نصاری بھی متفق ہوں، جس میں نفاذ شریعت کا ذکر نہ ہو، کفار کے خلاف جہاد کی بات نہ آئے، یا اسی طرح کسی بھی دینی معاملے کا ذکر نہ آئے، اور ان مجمل نعروں پر مصنف نے اپنی خوشی اور راحت کا اظہار کیا ہے گویا مصنف کے نزدیک اسلامی نعروں کے

بجائے انہیں مذکورہ نعروں پر اکتفا کرنا بہتر ہے۔



مصنف نے آگے ص ۱۹۱/ پر کہا:

(اس کے بعد مکاتب فکر، رجحانات اور آئیڈیالوجی میں اختلافات کی وجہ سے متبادل صورت پر لوگوں میں اختلاف ہوگا، ممکن ہے ذرائع ابلاغ میں اس اختلاف کی تشہیر کی جائے، اور یہ گفتگو کی ترشی اور باتوں کی جھڑپ تک پہونچ جائے، یہ بھی ممکن ہے آپسی لڑائی اور انتقامی قتل تک نوبت آجائے)!

تبصرہ:

یہود ونصاری، منافقین اور اہل بدعت کے احساسات کو مصنف ذرا بھی ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتا؛ کیونکہ وہ بھی بغاوت اور انقلاب کا اہم حصہ ہیں!

مصنف اور اس جیسے لوگوں پر ہم اللہ کے اس قول سے رد کر سکتے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: (قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ) ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔ پس اگر وہ منھ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔ (آل عمران: ٦٤)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ[1] لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ[2] وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ) ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! [1] نہ میں عبادت کرتا ہوں اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو [2] نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا

ہوں۔(الکافرون:۳)۔

بلاشبہ بعض مسلم معاشروں میں کچھ ملحدین ضرور پائے جاتے ہیں!

کیا آپ انکے ساتھ کسی قدر مشترک پر متفق ہو سکتے ہیں؟

یہ تو دین اسلام اور دعوت دین کے خلاف ہے۔

مگر یہی مصنف کے ترقیاتی منصوبے کا حصہ ہے، آخر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا رہ جاتا ہے!



مصنف نے آگے ص ۱۹۲ / پر کہا:

(یہ محال ہیکہ تمام انقلابیوں اور باغیوں کے وژن ایک جیسے ہوں، مگر مرحلہ واران میں اتفاق ممکن ہے، بایں طور کہ انقلاب مکمل ہونے کے بعد کا دوسرا مرحلہ ملک کی تعمیر، اداروں کا قیام اور استقرار امن اور دستور سازی میں گزارا جائے، جب کہ تیسرے مرحلے میں منظم طریقے سے دستور کے مطابق مختلف پارٹیوں اور انکے رجحانات کے ذریعے سیاسی منشور کا اعلان کیا جائے، یہاں پر کچھ قانونی اختلافات ہوسکتے ہیں، البتہ مرجعیت واضح ہے، بیلٹ باکس اور مخصوص عدالتوں کی طرف سب کو رجوع کرنا ہے نہ کہ اسلحہ اور خفیہ ایجنسیوں کے ذریعے غداری کی طرف اور نہ ہی حالات کی شبیہ بگاڑ کر!

ذرائع ابلاغ کی تشہیر بھی سیاسی کھیل کا ایک اہم حصہ ہے، اسلئے ضروری ہیکہ یہ بھی انسانی شرافت اور اصول وضوابط کے ساتھ منضبط ہو، بدزبانی اور الزامات کی کھائی میں جانے کی اجازت بالکل نہیں ہوگی۔

عرب پیمانے پر دیکھیں تو یہاں پر قوم پرستوں کے ساتھ اسلام پسند بھی ہیں، لادینیت پسندوں کے ساتھ دوسرے فکری احزاب بھی ہیں، اور یہ سب جابر سلاطین کے ظلم کی چکی میں پس رہے تھے، گرچہ سب کے ظلم کی کہانی الگ الگ گریڈ کی ہے، اس میں اسلام پسندوں کو شیر جیسا نصیب ملا ہے، اسلئے کوئی تعجب نہیں کہ انکے یہاں خوف کا احساس زیادہ ہو کہ کہیں وہی وہی منظر دوبارہ نہ دہرایا جائے اور انہیں سیاسی شراکت داری سے محروم کر دیا جائے، اسلئے حکمت اور عقلمندی اسی میں ہے کہ یہ ایسی حقیقی کریں دہانی حاصل کریں جو محض بات اور وعدے سے دور ہو، تاکہ عبوری مرحلے میں کسی بھی موقت تشکیل شدہ حکومت میں انہیں مناسب نمائندگی مل سکے، اور اسکے مظاہر ٹیونس، مصر، لیبیا اور یمن میں دیکھنے کو مل رہے ہیں۔

ساتھ ہی دیگر جماعتوں اور تحریکوں کو بھی اپنے مستقبل کیلئے اطمینان حاصل کر لینا چاہئے، اور یہ جان لیں کہ کسی بھی طرح کوئی شخصی ترجیحات یا اقتدار کی حق تلفی نہیں کی جائے گی، اور متفق علیہ دستوری بنیادوں پر سماجی، دینی، سیاسی یا فکری آڑ میں کسی طرح کا کوئی حملہ نہیں ہوگا)۔

تبصرہ:

مصنف نے اپنے اس مختصر کلام کے اندر انقلاب و بغاوت کے تحفظ اور اسکے تسلسل کی خاطر ایک مضبوط منصوبہ بندی اور روڈ میپ یعنی منظم خاکہ پیش کیا ہے، تاکہ یہ بغاوت سرقہ کا شکار نہ ہو!

اس کلام کے اندر مصنف نے یہ پیغام دیا ہیکہ وہ بالکل جمہوریت پسندوں کے خطوط پر اپنے روڈ میپ استوار کر رہا ہے، اور انہیں کی امیدوں کے مطابق خاکے بنا رہا ہے!

مصنف نے اپنے اس مختصر کلام کے اندر اپنے عملی اہداف اور انکی تنفیذ کے طریقہ کار کو واضح کر دیا ہے، اور اپنے پیروکاروں اور فکری بھکتوں سے یہ اپیل کر دی ہے کہ وہ انہیں وصیتوں پر گامزن رہیں۔

گویا مصنف مغرب سے کہہ رہا ہیکہ یہی میرا بھی طریقہ اور منہج ہے جس پر میں چل کر دکھاؤں گا اگر طے شدہ خواب میرا پورا ہو گیا۔

چنانچہ مصنف کفار و منافقین اور اعدائے اسلام کو یقین دہانی دیتے ہوئے کہتا ہے:

(عرب پیمانے پر دیکھیں تو یہاں پر قوم پرستوں کے ساتھ اسلام پسند بھی ہیں، لادینیت پسندوں کے ساتھ دوسرے فکری احزاب بھی ہیں، اور یہ سب جابر سلاطین کے ظلم کی چکی میں پس رہے تھے، گرچہ سب کے ظلم کی کہانی الگ الگ گریڈ کی ہے، اس میں اسلام پسندوں کو شیر جیسا نصیب ملا

ہے، اسلئے کوئی تعجب نہیں کہ انکے یہاں خوف کا احساس زیادہ ہو کہ کہیں وہی منظر دوبارہ نہ دہرایا جائے اور انہیں سیاسی شراکت داری سے محروم کردیا جائے، اسلئے حکمت اور عقلمندی اسی میں ہے کہ یہ ایسی حقیقی کریں دہانی حاصل کریں جو محض بات اور وعدے سے دور ہو، تاکہ عبوری مرحلے میں کسی بھی موقت تشکیل شدہ حکومت میں انہیں مناسب نمائندگی مل سکے)۔

ان کفار اور لبرلوں کو اس طرح حقیقی یقین دہانی دلانا یا تو نفاق کے باب سے ہوگا یا پھر واقعی سچی اور حقیقی یقین دہانی ہوگی، اور مصنف کے کلام سے بظاہر یہی لگتا ہے، جیسا کہ اسی صفحے کے آخر میں کہا ہے کہ (یہ وطن سب کیلئے ہے)، لیکن مصنف نے آدھی عبارت پیش کی ہے پوری عبارت اس طرح ہے: (دین اللہ کیلئے اور وطن سب کیلئے ہے)، یہ مقولہ سیکولر لادینیت پسندوں اور ملحدوں کا ہے، اور اس صفحے کے اندر مصنف نے اسی لادینی منہج کو اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، جس پر حملہ کرنا اور اسکے خلاف بولنا انکے یہاں حرام ہے خواہ وہ حملہ دینی نقطہ نظر سے ہی کیوں نہ ہو۔

چنانچہ مصنف نے کہا: (اور یہ جان لیں کہ کسی بھی طرح کوئی شخصی ترجیحات یا اقتدار کی حق تلفی نہیں کی جائے گی، اور متفق علیہ دستوری بنیادوں پر سماجی، دینی، سیاسی یا فکری آڑ میں کسی طرح کا کوئی حملہ نہیں ہوگا)۔



مصنف نے آگے ص ۱۹۳ / پر کہا:

(ایک مومن اللہ کی خاطر عمل کرتا ہے اور اسکے اجر کی امید بھی اسی سے لگاتا ہے، اس سے کسی قدر اس احساس میں کمی آتی ہے کہ کوئی دوسرا اسکے جہود اور کارناموں کو چرا لیتا ہے اور یہ کہ دوسرے اسکے کندھوں پر بندوق رکھ کر گولی چلا رہے ہیں، اور بخاری میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قصہ معروف ہیکہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خلافت کے مسئلہ پر جسے گفتگو کرنی ہو وہ ذرا اپنا سر تو اٹھائے۔ تو اس پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے اسی وقت اپنے لنگی کھولی (جواب دینے کو تیار ہوا) اور ارادہ کر چکا تھا کہ ان سے کہوں کہ تم سے زیادہ خلافت کا حقدار وہ ہے جس نے تم سے اور تمہارے باپ سے اسلام کے لیے جنگ کی تھی۔ لیکن پھر میں ڈرا کہ کہیں میری اس بات سے مسلمانوں میں اختلاف بڑھ نہ جائے اور خونریزی نہ ہو جائے اور میری بات کا مطلب میری منشا کے خلاف نہ لیا جانے لگے۔ اس کے بجائے مجھے جنت کی وہ نعمتیں یاد آ گئیں جو اللہ تعالیٰ نے (صبر کرنے والوں کے لیے) جنت میں تیار کر رکھی ہیں)۔

تبصرہ:

ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر سے مصنف کا لادینی جمہوریت پسندوں کو خوش کرنے کیلئے استدلال کرنا ایک بہت بڑا مغالطہ اور تلبیس کاری ہے، کیا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی یہودی، نصرانی یا منافق کو حکومت واقتدار کیلئے قبول کیا تھا؟!

آخر کیسے مصنف نے ابن عمر اور معاویہ رضی اللہ عنہم کو معاصر زنادقہ اور کفر کے سرغنوں کو برابر کر دیا؟!

مصنف کا اسلام مخالف عبارتوں سے استدلال کرنا

مصنف نے آگے ص ۱۹۴ / پر کہا:

(بیشک وطن سب کیلئے ہے، اور کسی کو الگ تھلگ کرنا یا حاشیہ پر لگا دینا نہ تو ملکی مصلحت میں ہے اور نہ ہی کسی گروپ کی مصلحت میں ہے، اور انقلاب و بغاوت انتقامی کاروائی کا نام نہیں ہے سوائے ان فاسد عناصر کے ساتھ جو فساد اور ظلم میں لت پت ہوں!)۔

تبصرہ:

اگر سابقہ عبارتوں کے ساتھ مصنف کے اس عبارت کو بھی جمع کر دیا جائے تو مصنف کی فکر کی حقیقت جاننے کیلئے علامہ محدث شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ کے مطبوعہ رسالے بعنوان "تقریر عن شؤون التعلیم والقضاء" ص ۴۷ - ۴۸ کا مطالعہ بہتر ہوگا جسے آپ نے ملک عبد العزیز آل سعود کی خدمت میں ۱۹۴۹ء کے اندر پیش کیا تھا، جس میں حسن البنا کے جمہوری موقف کو واضح کیا ہے، کیونکہ یہاں بھی مصنف نے بعینہ وہی عبارت پیش کی ہے جسکا مطالبہ حسن بنا نے کیا تھا کہ وطن تمام برادران وطن کیلئے ہے، اور یہ کہ دین کو سیاست سے جدا کر دیا جائے، اسی رسالے کا ص ۶۰ دیکھیں جو کہ بہت ہی اہم ہے۔

مصنف نے کہا: (اور انقلاب و بغاوت انتقامی کاروائی کا نام نہیں ہے سوائے ان فاسد عناصر کے ساتھ جو فساد اور ظلم میں لت پت ہوں!)۔

کیا لادینیت، قومیت اور کفریہ ادیان مصنف کی نگاہ میں فاسد عناصر نہیں ہیں؟! کیا جو کفر و شرک اور گمراہی میں لت پت ہو اس پر نکیر نہیں کی جائے گی؟! کیا یہ کفر کے ساتھ مصالحت اور اس پر خاموشی

نہیں ہے؟ کیا فاسد اقدار میں مشہور بدعات نہیں ہیں جیسے کہ تشیع، خروج، ارجاء، انکار تقدیر اور انکار اسماء وصفات؟!

ان فاسد اقدار اور فاسد عناصر کے خلاف مصنف کی کوئی بغاوت اور انقلاب نہیں دکھائی دیتا ہے بلکہ مصنف کے یہاں ان سب کو ملکی امور میں برابر کی شراکت داری کا حق حاصل ہے۔



مصنف نے آگے ص ۱۹۴/ پر کہا:

(دوسروں سے قریب ہونے میں وژن اور منصوبے میں اکثر بدلاؤ ہوجاتا ہے، ساتھ ہی کچھ خوف وگمان بھی رفع ہوجاتے ہیں، اور ہمیں یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ ہم ان سے بہت زیادہ قریب ہیں، یا وہ ہم سے اس سے کہیں زیادہ قریب ہوگئے ہیں جتنا کہ ہم پہلے گمان کرتے تھے۔ کچھ مشترکہ اہداف پورے ہوتے ہیں جو بہت ہی عظیم ہوتے ہیں، جن کی ہمت بہت کم لوگ کر پاتے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے:(وَأَوۡرَثَكُمۡ أَرۡضَهُمۡ وَدِيَٰرَهُمۡ وَأَمۡوَٰلَهُمۡ وَأَرۡضٗا لَّمۡ تَطَـُٔوهَا) ترجمہ: اور تمھیں ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا وارث بنادیا اور اس زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا تھا۔ (الاحزاب: ۲۷)۔ مزید ارشاد باری تعالی ہے:(مَا ظَنَنتُمۡ أَن يَخۡرُجُواْ وَظَنُّوٓاْ أَنَّهُم مَّانِعَتُهُمۡ حُصُونُهُم مِّنَ ٱللَّهِ) ترجمہ: تم نے گمان نہ کیا تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور انھوں نے سمجھ رکھا تھا کہ یقیناان کے قلعے انھیں اللہ سے بچانے والے ہیں۔ (الحشر: ۲)۔

اور کچھ ایسے اہداف ہیں جو ہر گروپ کے ساتھ خاص ہیں، جائز ذاتی وسائل کا استعمال کر کے جنہیں حاصل کرنے کی انہیں کوشش کرنی چاہئے جیسے کہ وہ سیاسی، ابلاغی اور علمی میدان میں کوشش کرتا ہے،

یہاں دوڑ، جیت، باعزت مقابلہ، رویوں اور منصوبوں میں تفاوت، اور ایک صحت مند، واضح اور عوامی تحریک کا میدان ہے۔ اور کوئی بھی شخص اس میں اگے بڑھ سکتا ہے اور اپنے فائدے پر اسے استوار کرسکتا ہے یہاں تک کہ عمارت آسمان کی بلندی تک پہونچ کر زمین میں جڑ پکڑ لے۔

یوسف علیہ السلام کے واقعے میں یہ آیت وارد ہوئی ہے:(ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا ٱلۡعِيرُ

إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ) ترجمہ: پھر ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا اے قافلے والو! بلاشبہ تم یقیناً چور ہو۔ (یوسف: ۷۰)۔ اس پکار کی مصداقیت واضح ہے، اور اذان اعلام وتشہیر کو کہتے ہیں گرچہ شرعی معنی کے مطابق نہ ہو، اسی لئے برادران یوسف نے جواب دیا تھا: (قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ) ترجمہ: انھوں نے کہا اللہ کی قسم! بلاشبہ یقیناً تم جان چکے ہو کہ ہم اس لیے نہیں آئے کہ اس ملک میں فساد کریں اور نہ ہم کبھی چور تھے۔ (یوسف: ۷۳)۔

کتنا شاندار ہوتا اگر یہ بھائیوں کا آپس میں ایک دوسرے کا جواب ہوتا! سو انقلاب اصل میں فساد فی الارض کے خلاف ہے، جس نے بھی ناانصافی اور بائیکاٹ کی تلخی کا مزہ چکھا ہے وہ اس لائق ہے کہ وہ خواہشات نفس اور ترجیحات کی خواہش سے بالاتر ہو کر رہے۔ کیونکہ تاریخ انسانی انکے حق میں گواہی دے گی، اور اسی لئے برادران یوسف نے کہا تھا کہ ہم کبھی بھی چور نہ تھے۔ گویا وہ کہہ رہے ہیں کہ یہ ہماری طبیعت میں نہیں ہے اور نہ ہی ہمارے اخلاق کا حصہ ہے!

سورہ یوسف کے اندر آزمائش، صبر، تمکین اور ظالم پر مظلوم کا غلبہ دکھایا گیا ہے، اسی طرح اس سورت کے اندر منصوبہ بندی کے اسباق، سیاسی معاشی حتی کہ خانگی بحرانوں سے نمٹنے کا علاج بھی بتایا گیا ہے، اور سورت کے آخر میں اللہ نے فرمایا: (رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ) ترجمہ: اے میرے رب! بے شک تو نے مجھے حکومت سے حصہ دیا اور باتوں کی اصل حقیقت میں سے کچھ سکھایا، آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا یار و مددگار ہے، مجھے مسلم ہونے کی حالت میں فوت کر اور مجھے نیک لوگوں

کے ساتھ ملادے۔(یوسف:۱۰۱)۔

تبصرہ:

مصنف نے کہا کہ:(کچھ مشترکہ اہداف پورے ہوتے ہیں جو بہت ہی عظیم ہوتے ہیں، جن کی ہمت بہت کم لوگ کر پاتے ہیں)۔

عظیم ہدف ایک مومن کا اللہ کی عبادت میں اخلاص اور اسکی شریعت کا قیام ہے جبکہ مصنف نے نزدیک عظیم ہدف کرسی اقتدار کا حصول زمین اور مال وزر ہے جس پر مصنف نے قرآنی آیت سے استدلال بھی کیا ہے!

مصنف نے کہا:(دوسروں سے قریب ہونے میں وژن اور منصوبے میں اکثر بدلاؤ ہو جاتا ہے، ساتھ ہی کچھ خوف وگمان بھی رفع ہو جاتے ہیں، اور ہمیں یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ ہم ان سے بہت زیادہ قریب ہیں، یا وہ ہم سے اس سے کہیں زیادہ قریب ہو گئے ہیں جتنا کہ ہم پہلے گمان کرتے تھے)۔

شرعی اصولوں سے تنازل اختیار کرنے والوں کے نزدیک ان دوسرے لوگوں سے مراد کفار ہیں، جب کہ اسلام اور کفر نیز دیگر باطل مذاہب کے درمیان تقارب پیدا کرنا بالکل جائز نہیں ارشاد باری تعالی ہے:(قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ[1] لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ[2] وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ) ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو![1] نہ میں عبادت کرتا ہوں اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو[2] نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ (الکافرون:۳)۔

کفار اور اہل بدعت کو مسلمانوں سے قریب کرنے اور دونوں کے درمیان تقارب پیدا کرنے کا کیا حکم ہے قارئین کرام کو چاہیے کہ اس پر علمائے راسخین کے فتاوے پڑھیں جیسے کہ شیخ ابن تیمیہ، ابن باز اور ابن عثیمین وغیرہ، جس کا خلاصہ یہی ہے کہ تقارب بین الادیان کفر وضلالت اور نفاق ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر تھوڑی چیزوں میں جو کہ بعض قبیح امور کا وسیلہ ہیں ان میں مشابہت اختیار کرنا حرام ہے تو پھر کیا حکم ہوگا ان چیزوں کا جو صریح کفر باللہ ہے جیسے کہ صلیب سے تبرک حاصل کرنا وغیرہ، اسی طرح ادیان منسوخہ میں کسی چیز کو بہتر سمجھنا جو کہ اللہ کے دین کے مخالف ہو یا اسے اپنانا صریح اللہ اور اسکے رسول نیز قرآن اور اسلام کے ساتھ کفر ہوگا۔ (اقتضاء الصراط المستقیم: ۱/ ۴۸۰)۔

افتاء کی دائمی کمیٹی میں وارد ہوا ہے کہ وحدت ادیان کی دعوت ایک خبیث مکار دعوت ہے، جس کا مقصد حق و باطل کا ایک ساتھ گڈ مڈ کرنا، اسلام کے ستونوں کو منہدم کرنا اور مسلمانوں کو اجتماعی ارتداد کی طرف ڈھکیلنا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ) ترجمہ: اور وہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے، یہاں تک کہ تمھیں تمھارے دین سے پھیر دیں، اگر کرسکیں، اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے، پھر اس حال میں مرے کہ وہ کافر ہو تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (البقرہ: ۲۱۷)۔

اس مجرمانہ دعوت کے آثار اور نتائج میں سے یہ بھی ہیکہ کفر و اسلام، حق و باطل اور معروف و منکر

کے درمیان تفریق ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح مسلمانوں اور کافروں کے درمیان عقدی نفرت کی دیوار منہدم ہو جاتی ہے، پھر نہ کوئی ولاء و براء باقی رہتا ہے اور نہ ہی اعلائے دین کی خاطر کوئی جہاد وقتال کی فکر کرتا ہے، جب کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ) ترجمہ: لڑو ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخر پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے جنھیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ حقیر ہوں۔ (التوبہ: ۲۹)۔

آگے فتوی میں وارد ہوا ہیکہ یہ وحدت الادیان کی دعوت اگر کسی مسلم کی طرف سے ہو تو پھر یہ دین اسلام سے صریح ارتداد ہوگا، کیونکہ یہ اصول اعتقاد سے متصادم ہے، اس میں کفر سے راضی ہونے اور قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے، اسی طرح اس حکم کی تکذیب لازم آتی ہے کہ دین اسلام نے تمام ادیان کو منسوخ کر دیا ہے، اس لئے یہ دعوت شرعا بالکل مرفوض ہے، اور کتاب وسنت نیز اجماع سے دلائل کی بنیاد پر قطعی حرام ہے۔ (فتاوی اللجنہ الدائمہ: ۱۲ / ۲۷۴)۔



مصنف نے آگے ص ۱۹۷/ پر کہا:

(دوسرا: انقلاب و بغاوت اور بیرونی مداخلت:

ساتھ ہی یہ بھی ممکن ہے کہ استبدادی نظاموں کے خلاف عالمی رائے عامہ ہموار کرنے کیلئے انتھک کوششیں کی جائیں، اخلاقی اور انسانی بنیادوں پر، جس سے یہ ممکن ہو سکے کہ عالمی حکومتیں ان استبدادی نظاموں کے خلاف سفارتی، سیاسی اور معاشی پابندیاں لگا دیں)۔

تبصرہ:

یہ ہے ان منافقوں کا اصلی کردار، مصنف مطلق طور پر استبدادی نظاموں (عرب ملکوں) کے خلاف عالمی رائے عامہ ہموار کرنے کی دعوت دے رہا ہے بلکہ ان کے خلاف سفارتی، سیاسی اور معاشی پابندیاں لگوانے کی کوشش میں ہے اور اس میں خود اپنے ملک بلاد توحید کو بھی مستثنیٰ نہیں کر رہا ہے جیسا کہ اسکے کلام سے واضح ہے، اس نے ان نعمتوں کو بھی خیال نہیں کیا جن میں وہ پل رہا ہے اور نہ ہی اللہ کے فضل واحسان کا خیال کیا۔



مصنف نے آگے ص ۱۹۸/ پر کہا:

(اس دور میں دنیا زیادہ مربوط، زیادہ باشعور اور قانع ہو سکتی ہے کہ حصول حقوق کی خاطر کمزور قوموں کی مدد و نصرت سے ہم زیادہ پر امن دنیا میں رہ سکتے ہیں، اور ساتھ ہی اس سے وہ اقتصادی اور سیکورٹی مفادات بھی حاصل ہو سکتے ہیں جن کی عالمی طاقتیں ضمانت چاہتی ہیں)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف کھل کر اعدائے اسلام کفار کے گمانوں اور انکے اہداف کو بروئے کار لانے کیلئے پر عزم ہے، جبکہ یہ کافر قومیں برابر مسلمانوں کو دنیا کے مختلف خطوں میں ستا رہے ہیں، کیا یہ لوگ سیریا، برما اور دوسرے خطوں میں انکے ظلم کو نہیں دیکھ رہے ہیں؟!



مصنف نے آگے ص ۱۹۸ / پر کہا:

(یہ صحیح ہیکہ عالمی ادارے ہمیشہ غیر جانبداری کا مظاہرہ نہیں کرتے لیکن اگر قومی تحریک عام، منظم اور معقول ہو تو ممکن ہے اس حالت میں وہ صحیح موقف اختیار کریں، اور عالمی طاقتوں کو بھی ایسی صورت میں مدد کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا)۔

تبصرہ:

مصنف گرچہ کافروں سے یہ امید رکھتا ہو مگر حقائق اسے جھٹلا رہے ہیں کیونکہ کافر طاقتیں اپنے مفادات کے پیچھے بھاگتی ہیں، ارشاد باری تعالی ہے:(وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّى يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا) ترجمہ: وہ چاہتے ہیں کاش کہ تم کفر کرو جیسے انھوں نے کفر کیا، پھر تم برابر ہو جاؤ، سوتم ان میں سے کسی طرح کے دوست نہ بناؤ، یہاں تک کہ وہ اللہ کے راستے میں ہجرت کریں، پھر اگر وہ منہ پھیریں تو انھیں پکڑو اور انھیں قتل کرو جہاں انھیں پاؤ اور نہ ان سے کوئی دوست بناؤ اور نہ کوئی مددگار۔ (النساء:۸۹)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ) ترجمہ: آپ سے یہود ونصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں، آپ کہہ دیجیئے کہ اللہ کی ہدایت

ہی ہدایت ہے اور اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم آجانے کے، پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار۔(البقرہ:۱۲۰)۔



مصنف نے آگے ص ۱۹۸ / پر کہا:

(مغرب اور عالمی اداروں جیسے اقوام متحدہ، سیکورٹی کونسل اور حقوق انسانی کی تنظیموں کے تعلق سے ہمارے اذہان میں موقف مستقر نہیں ہوتا ہے، لیکن جب ہم اپنی ذات پر اپنی صلاحیتوں پر اور اپنے موقف کی سلامتی پر اعتماد کرلیں گے تو پھر شرعا یا عقلا اس سے کوئی مانع نہیں ہوگا کہ ہم ان علمی اداروں میں آگے بڑھیں اور انہیں حق کے لئے استعمال میں لائیں، خواہ اسکے اسباب وعوامل پر لوگوں کا کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو)۔

تبصرہ:

انہیں اسباب کی بنا پر اس سے پہلے مملکت سعودی عرب کی تکفیر کی گئی ہے مگر اس وقت مصنف کی طرف سے مملکت توحید وسنت کا کوئی دفاع نہیں آیا تھا، جبکہ اس وقت مصنف خود اسی کو عین حق سمجھ رہا ہے یہ کہہ کر کہ شرعا یا عقلا اس سے کوئی مانع نہیں ہوگا کہ ہم ان علمی اداروں میں آگے بڑھیں جیسے اقوام متحدہ، سیکورٹی کونسل اور حقوق انسانی کی تنظیمیں!

مصنف اور اسکے ساتھی اس وقت ام عالمی اداروں میں سیٹ کے حصول کیلئے مسابقہ کرنا چاہتے ہیں!

کیا مصنف نے بوسنیا کا تجربہ نہیں دیکھا ہے کہ صرب ظالموں نے کافر قوموں اور انکی عالمی تنظیموں کی مدد سے مسلمانوں کے خلاف کیسے کیسے جرائم انجام دیئے ہیں!

کیا وہ اب بدل چکے ہیں؟!!



مصنف نے آگے ص ۱۹۹ / پر کہا:

(انقلاب و بغاوت اور فرقہ وارانہ فتنہ:

یہ واضح رہے کہ حقیقی دینداری وہی ہے جسکے اندر اجتماعیت کا عنصر پایا جائے نہ کہ تفریق کا، جس کا نتیجہ تعصب اور ہوائے نفس ہوتا ہے۔ اکثر عرب اور مسلم ممالک میں نسلی اور فرقہ وارانہ تنوع پایا جاتا ہے، یہ کبھی وسیع ہوجاتا ہے اور کبھی تنگ، اسلامی دائرے کے اندر یہ سنی، شیعہ اور اباضی وغیرہ میں بٹے ہوتے ہیں اور بیرونی دائرے میں مسلم نصرانی اور یہودی میں بٹے ہوتے ہیں، ایسی صورت میں واجب ہیکہ ہم کسی ایک ہی نمونے کو تمام علاقوں پر نافذ نہ کریں، بلکہ ضروری ہیکہ ہم کچھ بنیادی اصولوں پر ایمان لائیں جو باہم مشترک ہوں، اور جن کے اندر اختلاف کے پہلو وسیع ہوں، چنانچہ اس وقت خلیجی نمونہ مصر کیلئے مناسب نہیں ہے اور مصر کا نمونہ لبنان کیلئے مناسب نہیں ہے)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف نے صراحت کے ساتھ اپنی فکر کی وضاحت کردی ہے چنانچہ بعض ادیان، فرقوں اور گروہوں کا نام لیکر انکے وجود کو تسلیم کیا ہے! اور مسلم ملکوں میں ہر ایک کو تشکیل جماعت کی اجازت دی ہے، یہی کفر و اسلام کو جمع کرنا ہے، بلکہ مصنف نے واضح طور پر کہا کہ حقیقی دینداری وہی ہے جسکے اندر اجتماعیت کا عنصر پایا جائے نہ کہ تفریق کا!!

اسکے لئے تقارب بین الادیان پر مذکورہ فتوی دیکھیں۔

یہاں پر مصنف نے درج ذیل کچھ امور کو ثابت کیا ہے:

۱- ایک ہی نمونے کو تمام علاقوں پر نافذ نہ کریں۔

۲-سیکولرلادینیت کسی ملک کیلئے مناسب ہوتی ہے تو کسی کیلئے نہیں۔

۳-سیکولرلادینیت کا تزکیہ کیا اور اسکا دفاع کیا ہے۔

۴-مصنف نے یہاں پر کھلے الفاظ میں حکومت سے دین کی بے دخلی کا اظہار نہیں کیا ہے مگر دوسرے الفاظ میں اسی کو مراد لیا ہے جیسا کہ جملے کے مشمولات سے واضح ہے۔

۵-مسیحی، یہودی، شیعی اور دیگر اقلیات کے حقوق کے تحفظ کے وجوب کی صراحت کی ہے۔



مصنف نے آگے ص ۲۰۰ / پر کہا:

(ملک میں رہائش کا حق سب کو ہے، اور اصل یہی ہیکہ یہ سب قانون کے سامنے اور دیگر زندگی کے مواقع میں مساویانہ حق رکھتے ہیں، اور سنجیدہ واضح گفتگو کے ذریعے ملک کے تمام لوگ بہتر اور پائیدار حل تک پہونچ سکتے ہیں، اقلیتوں کے وجود کا یہ مطلب نہیں ہیکہ سیکولر لادینیت کو بنیاد اور حل کے طور پر ترک کر دیں، یہ گرچہ کسی ملک کیلئے مناسب نہ ہو مگر دوسرے ملک کیلئے مناسب ہو سکتی ہے)۔

تبصرہ:

مصنف نے یہاں پر بڑے ہی مکارانہ مخفی اسلوب میں سیکولر لادینیت کی مارکیٹنگ کرنے کی کوشش کی ہے، دین کو حکومت سے جدا کرنے کی بات نہ کر کے حکومت اور ملک کے درمیان تفریق کرنے کی بات کی ہے۔

مزید یہ کہ آخر مصنف یہ بات کیسے کہہ رہا ہے کہ یہ سیکولر لادینیت گرچہ کسی ملک کیلئے مناسب نہ ہو مگر دوسرے ملک کیلئے مناسب ہو سکتی ہے؟!

استغفر اللہ واتوب الیہ، اللھم مقلب القلوب، ثبت قلوبنا علی دینک، ولا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ، انک انت الوھاب۔



مصنف نے آگے ص ۲۰۱ / پر کہا:

(یہ ممکن ہے حکومت اور ملک کے درمیان تفریق کی جائے، آغاز ہی سے اسلامی حکومت پائی جاتی ہے مگر جدید مفہوم میں ملک موجود نہیں تھا، سو حکومت سے مراد عام دستور اور سربراہی مسائل ہوں گے جب کہ ملک کے مفہوم میں وہ تمام تفاصیل اور جزئیات شامل ہوں گے جو امور زندگی پر غالب ہیں)۔

تبصرہ:

مصنف جدید سیکولر لادینیت کا دلدادہ ہے اسی لئے لوگوں کو اسکی طرف ترغیب دے رہا ہے، مگر اسکے جدید شکل اور نئے دلکش لباس میں، ویسے مصنف خواہ اسکی کتنا ہی ملمع سازی کردے یہ قبیح اور خبیث ہی رہے گی۔

اس سیکولر لادینیت کا مفہوم مصنف کے نزدیک حکومت اور ملک کے درمیان تفریق کرنا اور عام دستور کو بطور قانون ملک کے تمام شعبوں میں نافذ کرنا ہے، اس دستور کو وضع کرنے والا ہوگا تو رافضی خبیث ہوگا، خارجی حقود بھی ہوگا، ساتھ میں کوئی مرجی سیکولر ہوگا، قدری مجوسی اور یہودی ونصرانی ہوگا، اور منافق بھی ہوگا، یہی جدید سیکولر لادینیت یہی ہے جس کی طرف مصنف دعوت دے رہا ہے۔



مصنف نے آگے ص ۲۰۲/ پر کہا:

(اقلیتوں کے حقوق شریعت میں محترم ہیں، ضروری ہیکہ ایسا دستور بنایا جائے جس میں ہوائے نفس، تعصب اور جبر و جور سے دور ہو کر ملکی سنجیدہ گفتگو کے ذریعے صاف شفاف جمہوری نظام کے تحت اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ ہو)۔

تبصرہ:

سیکولر جمہوریت کے اندر آخر کون سی شفافیت ہے! ہوائے نفس کے بندوں، اغراض پسندوں اور اقتدار کی خاطر لڑنے والوں کے پاس آخر کون سی موضوعیت ہے۔



مصنف نے آگے ص ۲۰۴ / پر کہا:

(ملک کے اندر بڑے پیمانے پر قومی اور شہری اداروں کا وجود معاشرے کے اندر تکثیریت کے احترام کی وجہ سے ہے)۔

تبصرہ:

مصنف اس سے پہلے بھی تکثیریت کا احترام کرنے اور اسکی طرف دعوت دے چکا ہے، جس میں باطل ادیان اور فاسد عقائد سب شامل ہیں، اس طرح مصنف یہ ثابت کر رہا ہے کہ کوئی بھی رائے ہو- خواہ اسکا شر وانحراف اور اسکی ضلالت کتنا ہی عظیم ہو- اسکی آزادی کا تحفظ ضروری ہے، اسے بالکل چھیڑا نہیں جائے گا۔

مصنف نے اسی طرح پارٹی بندی کو جائز قرار دیا ہے اور اسکے لئے مدینہ میں منافقین کے وجود سے دلیل پکڑی ہے، اور یہ استدلال کیا ہیکہ دوسرے ان کے مقابلے زیادہ مستحق ہیں۔

وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے اسلام کا پہلا دور پایا ہے، اللہ کی قسم! خوارج کبھی بھی جماعت کی تشکیل نہ دے سکے مگر یہ کہ اللہ نے انہیں بری طرح بکھیر دیا، ان میں سے جس نے بھی سر اٹھایا اللہ نے اسکا قلع قمع کر دیا، اگر اللہ انکی رائے اور فکر اقتدار پر مسلط کر دے تو زمین ہی تباہ ہو جائے، راستے پر خطر اور جان ومال غیر محفوظ ہو جائیں گے، جاہلیت کا دور واپس آجائے گا، اقتدار کیلئے ہر کوئی لڑے گا، ایک دوسرے کی تکفیر کریں گے، یہاں تک کہ مومن اپنے دین، جان ومال اور اہل خانہ پر خائف رہے گا، اسے نہیں معلوم کہ کس کے ساتھ رہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى

الْعَالَمِينَ) ترجمہ: اور اگر اللہ کا لوگوں کو ان کے بعض کو بعض کے ساتھ ہٹانا نہ ہوتا تو یقیناً زمین برباد ہوجاتی اور لیکن اللہ جہانوں پر بڑے فضل والا ہے۔(البقرہ:۲۵۱)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ) ترجمہ: بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے ضرور مدد کرتے ہیں دنیا کی زندگی میں اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔(غافر:۵۱)۔

اور اگر یہ مومن ہوتے تو ضرور مدد کئے جاتے، ارشاد باری تعالی ہے:(وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ) ترجمہ: اور بے شک ہمارا لشکر، یقیناوہی غالب آنے والا ہے۔(الصافات:۱۷۳)۔

اور جہاں تک تکثیریت کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ معاصی جن کا ارتکاب کرنے والا یہ جانتا ہے کہ وہ عاصی ہے وہ اس سے توبہ کرسکتا ہے،لیکن بدعتی جو خود کو حق پر سمجھتا ہے جیسے کہ خوارج اور نواصب جنہوں نے مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ دشمنی اور لڑائی کی اور بدعت ایجاد کی، اور پھر اسی بدعت کا اقرار جس نے نہیں کیا اسکی تکفیر کرڈالی، تو انکا نقصان مسلمانوں پر ان ظالموں کی نقصان سے کہیں زیادہ ہے جو جانتے ہیں کہ ظلم حرام ہے، گرچہ تاویل کی وجہ سے انہیں اس کی سزا آخرت میں ملے گی،لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لڑائی کرنے کا حکم دیا ہے جبکہ ظالم حاکم سے لڑائی کرنے سے منع کیا ہے، اور اس پر متواتر حدیثیں موجود ہیں۔ (منہاج السنہ:۵/۱۴۹)۔

شیخ محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فضل الاسلام کے اندر کہا ہے کہ باب اس بیان میں کہ بدعت کبیرہ گناہوں سے بھی سخت ہے، اور اللہ تعالی نے فرمایا ہے:(إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا

عَظِيمًا) ترجمہ: بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا اور جو اللہ کا شریک بنائے تو یقینا اس نے بہت بڑا گناہ گھڑا۔(النساء: ۴۸)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ) ترجمہ: پھر اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے، تاکہ لوگوں کو کسی علم کے بغیر گمراہ کرے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔(الانعام: ۱۴۴)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ) ترجمہ: تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے بوجھ پورے اٹھائیں اور کچھ بوجھ ان کے بھی جنھیں وہ علم کے بغیر گمراہ کرتے ہیں۔ سن لو! برا ہے جو بوجھ وہ اٹھا رہے ہیں۔(النحل: ۲۵)۔

اور صحیح حدیث کے اندر خوارج کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ انہیں جہاں بھی تم پاؤ قتل کر دو، اگر میں انہیں پا گیا تو قوم عاد کی طرح مار کر تباہ کر دوں گا۔ جبکہ دوسری طرف صحیح حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم حکام سے قتال کرنے سے منع کیا ہے جب تک کہ وہ نماز ادا کریں۔



مصنف نے آگے ص ۲۰۴ / پر کہا:

(بہت سارے مغربی تجربات سے پتہ چلتا ہیکہ اقتدار کی طاعت کے باوجود حکومت کا لوگوں کے ساتھ تعلقات بہت منظم ہوتے ہیں، وہاں قانون اور سیاسی ادارے اور ایسی تیسری طاقتیں ہوتی ہیں جو حکومت اور قوم کے درمیان توازن کو برقرار رکھتی ہیں)۔

تبصرہ:

یہاں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ مصنف کس طرح مغربی تجربات کا دلدادہ ہو کر انہیں ریکارڈ کر رہا ہے، اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں ہے!



مصنف نے آگے ص ۲۰۵/ پر کہا:

(بہت سارے رضا کاران اور محققین یہ امید جتا رہے ہیں کہ سیاسی جماعتیں ایک ایسی سول جمہوری حکومت پر متفق ہو جائیں جو قومیت اور قوم کی سربراہی کی تسلیم پر قائم ہو۔ کیونکہ جمہوریت کی بنیاد تعاقد اور وفاق (انتخاب اور باہمی توافق) پر ہے، کیونکہ اس کے اندر عربی اور اسلامی شناخت کی رعایت موجود ہے، یہ عدل وانصاف اور قوم کے درمیان مساویانہ مواقع کا ضامن بھی ہے، اس کے اندر اقتدار کی تقسیم بھی پائی جاتی ہے، عام آزادی کی چھوٹ ہے، اور ملکی اور شہری اداروں نیز اظہار رائے کی آزادی کے مستقل چینلوں کے ذریعے قوم کو ان ساری چیزوں کا اختیار دیا جاتا ہے)۔

تبصرہ:

مصنف کی دعوت کا خلاصہ یہی ہے: (ایک ایسی سول جمہوری حکومت پر متفق ہونا جو قومیت اور قوم کی سربراہی کی تسلیم پر قائم ہو)۔

اسی تجربے کو مصنف عرب اور مسلم ممالک میں بھی دیکھنا چاہتا ہے، یقیناً یہ سیکولر ڈیموکریٹک سول حکومت کی دعوت ہے، مغربی جمہوریت کی طرف کھلی دعوت ہے۔



مصنف نے آگے ص ۲۰۵ / پر کہا:

(سیاست میں دینی مداخلت سے بچنے کا معاملہ بہت حساس ہے؛ کیونکہ اس اکثریت کا احترام ضروری ہے جو ہمیشہ اسلام ہی کی مرجعیت پر ووٹنگ کرتی ہے، اسی طرح دینی خطاب کا احترام بھی ضروری ہے کیونکہ یہی قوم کا رجحان ہے)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف نے یہ واضح کر دیا کہ دین کو سیاست سے دور رکھا جائے گا، یعنی ملک کے سیاسی امور میں دین کا تسلط نہیں رہے گا، اس طرح مصنف نے پہلے مکر و فریب سے کام لیتے ہوئے جمہوریت کی تعریف میں حکومت اور ملک میں فرق کیا پھر کھل کر دین کو سیاست سے دور کر دیا، اور لادینی جمہوریت پسندوں کیلئے راہ ہموار کر دی کہ اب وہ کھل کر اپنے خبیث اصولوں کو نافذ کریں۔

لیکن میں ان سب سے وہی کہوں گا جو اللہ نے کہی ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: (يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ[32] هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ) ترجمہ: وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ نہیں مانتا مگر یہ کہ اپنے نور کو پورا کرے، خواہ کافر لوگ برا جانیں۔ [32] وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے، خواہ مشرک لوگ برا جانیں۔(التوبہ: ۳۳)۔



انقلابیوں اور باغیوں کے نام مصنف کی وصیتیں

مصنف نے آگے ص ۲۰۶ / پر کہا:

(انقلاب و بغاوت سے حکومت کی طرف منتقلی کی نمائندگی صرف اسلامی جماعتیں ہی نہیں کریں گی، بلکہ پورا معاشرہ کرے گا جسکے بہت سارے تقاضے اور توقعات ہیں، جو انقلاب کی کرین پر مزید بھاری ہوتے جا رہے ہیں، اسکے بعد جمہور عوام بڑے بڑے نعروں سے منتقل ہو کر حقیقی کارکردگیوں کی طرف آئیں گے، زندگی کے امور عامہ میں شرکت کریں گے، سیاسی اور سماجی ممکنہ امور پر گفتگو کر کے نفع و نقصان کا حساب لگائیں گے، ترکی کے اندر اسلام پسندوں کی نئی نسل جسکی نمائندگی اردگان اور غول کر رہے ہیں اور سابقہ نسل جسکی نمائندگی اربکان کر رہے ہیں دونوں کے درمیان اختلاف کا سبب یہی ہے۔

انقلاب و بغاوت کی کامیابی کے بعد اسلام پسندوں کی زمہ داری بہت بڑی اور تاریخی ہوگی، اور یہ زمہ داری چار جہات پر ہوں گی:

پہلی جہت:

اسلام پسندوں پر واجب ہوگا کہ وہ اپنے اس مقام کو واپس حاصل کریں جن سے وہ کئی دہائیوں سے محروم کر دیئے گئے ہیں، جیسے کہ سیاسی حصہ داری، ذرائع ابلاغ میں حصہ داری اور پارٹی سازی۔

دوسری جہت:

یہ ممالک اسلامی پردے کی آڑ میں ایرانی تجربے سے استفادہ کر کے سنی ماڈل پر دوبارہ استبدادی نظاموں کے ہاتھوں نہ جانے پائیں۔

تیسری جہت:

دوسری طاقتوں کے ساتھ مقابلہ آرائی کر کے ملک کو دوبارہ انارکی اور خانہ جنگی کی طرف جانے سے ملک کی حفاظت کرنا۔

چوتھی جہت:

وسیع تر پیمانے پر ملکی ترقیاتی منصوبے پر کام کرنا جس کے اندر تمام طاقتیں شامل ہوں۔

اس مساوات کو توڑ دینا جس میں استحکام کی خاطر استبداد کی شرط ہو، اور ہم خود جمہوری اختلاف اور تکثیریت کے ساتھ استحکام، معاشی ترقی کو ممکن بنائیں گے، جس طرح کہ دنیا کے اکثر جمہوری ممالک میں پایا جاتا ہے۔ اس وقت تشدد پر لگام لگانا ضروری ہوگا بطور خاص جب یہ تشدد ہنسا اور قتل وخونریزی کی شکل اختیار کر لے۔ اور شاید تیسری طاقت کا ہونا بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا جس کا تعلق نہ تو حکومت سے ہوگا اور نہ ہی حزب مخالف سے، بلکہ یہ تیسرا فریق ہوگا جو اقتدار سے الگ رہ کر دونوں فریق کا محاسبہ کرے گا)۔

تبصرہ:

مصنف نے کتاب کو اپنے تناقضات سے اختتام تک پہونچایا ہے، ایک طرف جمہوریت کے خلاف تشدد پر لگام لگانے کی بات کرتا ہے تو دوسری طرف انقلابیوں اور باغیوں کیلئے پورے طور پر تشدد اور ہنسا کی کھلی اجازت ہے۔

ایک طرف مصنف کہتا ہے کہ (اور شاید تیسری طاقت کا ہونا بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا جس کا تعلق نہ تو حکومت سے ہوگا اور نہ ہی حزب مخالف سے، بلکہ یہ تیسرا فریق ہوگا جو اقتدار سے الگ رہ کر

دونوں فریق کا محاسبہ کرے گا)۔

جبکہ مصنف نے اسی کتاب کے ص ۷۷ پر لکھا ہیکہ سلف صالح کے دور میں کسی محتسب اور مراقب کیلئے جگہ نہیں تھی۔

گویا اب یہ عمل ایک بدعت ہوگی، جس کا ایجاد ان لوگوں نے کیا ہے، چنانچہ روافض نے مرشد اعلی کے منصب کا ایجاد کیا اور اسی دوسری جماعتیں بھی یہی منصب رکھتی ہیں اور ان کے یہاں بھی مرشدین ہوتے ہیں، لگتا ہے مصنف نے انقلابیوں اور باغیوں کیلئے اسی طرح کا کوئی عہدہ ایجاد کرے گا جیسے کہ باغیوں کا مرشد اعلی۔

دعا ہیکہ اللہ تعالی ہم سب کو تمام قسم کی گمراہیوں اور انحرافات سے بچائے، اور مصنف کو توبہ اور رجوع کی توفیق عطا فرمائے واللہ ھو الھادی الی سواء السبیل، والحمدللہ رب العالمین، وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔



خاتمہ

مسلمانوں کو دو عظیم حدیثوں کی تذکیر

-صحیح مسلم کے اندر وارد ہوا ہے:

حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ صَلَاتَهُ، إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ؟ قَالَتْ: كَانَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ افْتَتَحَ صَلَاتَهُ " اللَّهُمَّ رَبَّ جَبْرَائِيلَ، وَمِيكَائِيلَ، وَإِسْرَافِيلَ، فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ، اهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ، إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ".

ترجمہ: ابوسلمہ نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اُٹھتے تو اپنی نماز کے شروع میں کیا پڑھتے؟

انہوں نے فرمایا کہ (اللَّهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ اهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ) یعنی "یا اللہ! پالنے والے جبرئیل اور میکائیل اور اسرافیل کے (جبرائیل اور میکائیل دونوں رحمت کے فرشتے ہیں اور اسرافیل ان کے اور اللہ کے بیچ میں رسول ہیں) آسمانوں

اور زمین کے پیدا کرنے والے ظاہر اور پوشیدہ کے جاننے والے تو اپنے بندوں میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔سیدھی راہ بتا جس میں لوگ اختلاف کرتے ہیں اپنے حکم سے بیشک توہی جسے چاہے سیدھی راہ بتاتا ہے۔" (صحیح مسلم: ۷۷۰)۔

۲-صحیح بخاری کے اندر وارد ہوا ہے:

عَن حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ، يَقُولُ: كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَنَا اللَّهُ بِهَذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هَذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ، قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: وَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ، قَالَ: نَعَمْ وَفِيهِ دَخَنٌ، قُلْتُ: وَمَا دَخَنُهُ، قَالَ: قَوْمٌ يَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِي تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ، قُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ، قَالَ: نَعَمْ دُعَاةٌ إِلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا۔

قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ صِفْهُمْ لَنَا، فَقَالَ: هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا، قُلْتُ: فَمَا تَأْمُرُنِي إِنْ أَدْرَكَنِي ذَلِكَ، قَالَ: تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ، قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ، قَالَ: فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ".

ترجمہ: سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے تھے کہ دوسرے صحابہ کرام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق سوال کیا کرتے تھے لیکن میں شر کے بارے میں پوچھتا تھا اس خوف سے کہ کہیں میں ان میں نہ پھنس جاؤں۔تو میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

سوال کیا: یارسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر کے زمانے میں تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خیر و برکت (اسلام کی) عطا فرمائی، اب کیا اس خیر کے بعد پھر شر کا کوئی زمانہ آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، میں نے سوال کیا، اور اس شر کے بعد پھر خیر کا کوئی زمانہ آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، لیکن اس خیر پر کچھ دھواں ہو گا۔ میں نے عرض کیا وہ دھواں کیا ہو گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو میری سنت اور طریقے کے علاوہ دوسرے طریقے اختیار کریں گے۔

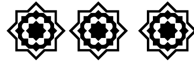
ان میں کوئی بات اچھی ہو گی کوئی بری۔ میں نے سوال کیا: کیا اس خیر کے بعد پھر شر کا کوئی زمانہ آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، جہنم کے دروازوں کی طرف بلانے والے پیدا ہوں گے، جو ان کی بات قبول کرے گا اسے وہ جہنم میں جھونک دیں گے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کے اوصاف بھی بیان فرما دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ ہماری ہی قوم و مذہب کے ہوں گے۔ ہماری ہی زبان بولیں گے۔

میں نے عرض کیا، پھر اگر میں ان لوگوں کا زمانہ پاؤں تو میرے لیے آپ کا حکم کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑنا۔

میں نے عرض کیا اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت نہ ہو اور نہ ان کا کوئی امام ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ان تمام فرقوں سے اپنے کو الگ رکھنا۔ اگرچہ تجھے اس کے لیے کسی درخت کی جڑ چبانی پڑے، یہاں تک کہ تیری موت آجائے اور تو اسی حالت پر ہو (تو یہ تیرے حق میں ان کی صحبت میں رہنے سے بہتر ہو گا)۔ (صحیح بخاری: ۳۶۰۶)۔

الٰہی! ہمیں مرتے دم تک دین اسلام پر قائم اور دائم رکھ۔

وصلی اللّٰه وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آله واصحابه اجمعین، و من اهتدی بهدیه وسار علی سنته الی یوم الدین۔



فہرست موضوعات

موضوعات	صفحہ

الجنایہ علی الاسلام/ جلد اول

